امامت اور ائمہ معصومینؑ کی عصمت

قرآن مجید کی روشنی میں

رضا کاردان

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

نهضت ترجمه
Translation Movement

مجمع جہانی اہل البیت علیہم السلام

عرض ناشر

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔ اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کی تمام الہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماندپڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی ہے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام او ر ان کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اورناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کاشکار ہوکراپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیاہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن او رمکتب اہل بیت علیہ السلام کی طرف اٹھی او رگڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکر و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اوردوستداران اسلام سے اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ عملی اور فکری مقابلے کازمانہ ہے اورجو مکتب بھی تبلیغ او رنشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیاتک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایاہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر اندازسے اپنا فریضہ ادا کرے، تا کہ موجود دنیا ئے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں

یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت ۔

و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواراں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققیں و مصنفیں کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفیں و مترجمیں کا ادنی خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل مولف رضا کاردان کی گرانقدر کتاب ''قرآن مجید کی روشنی میں امامت اورائمہ علیہم السلام کی عصمت'' کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیاہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں او رمعاونیں کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنی جہاد رضائے مولی کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

پیش لفظ

امامت کے بارے میں دو مشخص نظریے ہیں ۔پہلا نظریہ: جمہور یعنی اہل سنّت کا ہے،جو معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو اپنے بعد،اپنے جانشین کے طور پر معرفی نہیں کیا ہے اور یہ امت کی ذمہ داری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے جانشین کو منتخب کریں۔دوسرا نظریہ :شیعہ امامیہ کا نظریہ ہے کہ وہ امامت کو خدا کی طرف سے منصوب اور معین جانتے ہیں او عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور امام کو نصب اور پیغمبر کے مانند معین کرنا خدائے متعال کی ذمہ داری ہے۔شیعوں کے پاس اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ،عقل،کتاب و سنّت کے حوالے سے بہت سے قطعی دلائل موجود ہیں ،جو کلام،تفسیر اور احادیث کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔اس مقدمہ میں شیعوں کے عقلی نظریہ کو اس مسئلہ کے بارے میں عقل کے حکم کے مطابق واضح کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں وہ انسان کی فطری تحقیق اور غور وخوض کا نتیجہ ہے:۱۔ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک لافانی دین ہے،جو ہر زمانہ کے تمام لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے۔

۲۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے،اس دین مبین کی تبلیغ اور ترقی کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی اور اپنے تمام وسائل سے کام لیا اوراس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک غیر معمولی اور ناقابل توصیف ایثاروجانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے کی۔چنانچہ یہ مضمون کئی آیات میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ایمان کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے نکلتے تھے:(لعلک باخع نفسک ان لایکونوا مؤمنین[1]) ''کیاآپ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیں گے اس لئے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں۔''(فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً[2] ''توکیاآپ شدت افسوس سے ان کے پیچھے اپنی جان خطرے میں ڈال دیں گے اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے۔''۳

۔اس راہ میں بہترین اور باعظمت انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے قربانی دے کر شہادت کا جام نوش کیا ہے۔۴

۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،انسانوں کی سعادت کے لئے مختلف ابعاد میں جوکچھ مؤثر جانتے تھے ان کے لئے بیان فرماتے تھے،شیعہ اور سنّی کے فقہی فروعات اور جزئی مسائل کے بارے میں احادیث اوراسلامی فقہ کی کتابوں میں جوکچھ وارد ہوا ہے وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

۵۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی حالت میں رحلت فرمائی کہ ابھی اسلام حجاز کے تمام حدودتک بھی نہیں پھیلا تھا،چہ جائے کہ اس پیغام و شریعت کی دنیا بھر میں رسائی ہوتی۔

---

[1] شعراء،۳
[2] کہف،۶

۶۔ایسی طاقتیں موجود تھیں کہ جن کی طرف سے اسلام کے وجوداوراس کی تبلیغ و بقاء کے لئے خطرہ کا احساس کیا جاتا تھا،بالخصوص اس لئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اورانہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو نہ صرف قبول نہیں کیا تھا،بلکہ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں نامناسب ردعمل کا اظہار بھی کیا،جیسے کہ ایران کے بادشاہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ہی پھاڑ ڈالا۔

۷۔اس قسم کی طاقتوں کا سرکچلنے اور انھیں زیر کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی ایک طاقتور فوج اور قطعی وفیصلہ کن رہبری کی ضرورت تھی۔

۸۔اقتدارپرستی اور جاہ طلبی انسان کے باطنی امور کا ایک ایسا مسئلہ ہے،کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اصحاب بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے مسلمان،جوآپ سے بے پناہ عشق ومحبت کرتے تھے،لیکن اس کے باوجود ان میں بھی بہت سے ایسے افراد موجود تھے جن کے وجود کی گہرائیوں میں پوری طرح اسلام نفوذ نہیں کرچکا تھا اورا ب بھی جاہلیت کے رسم و رواج نیز،قومی اور خاندانی تعصبات کی حکومت ان کے وجود پر سایہ فگن تھی اورہر آن یہ خطرہ لاحق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت کی لالچ میں وہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہو جائیں۔چنانچہ بعض احادیث میںآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ:''میں اپنے بعد تمہارے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتا ہوں لیکن اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ تم لوگ امور دنیا کے لئے ایک دوسرے کی رقابت کروگے[1]۔'

۹۔ایسے منافقین بھی موجود تھے جو ہمیشہ اسلام و مسلمین کے خلاف سازشوں میں مشغول رہتے تھے اور اس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے،لہذا یہ خطرہ موجود تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ لوگ اسلامی خلافت میں نفوذ کریں اورشائد ان منافقین کا ایک گروہ ابتداء اسلام ہی سے اسی لالچ کی بناء پر دعوت اسلام قبول کئے ہوئے تھا۔

---

[1] صحیح بخاری،ج۴،باب فی الحوض،ص۱۴۲،دارلمعرفتہ،بیروت

ہم تاریخ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبائل کے بعض سردار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انھیں اسلام کی دعوت دینے پر شرط رکھتے تھے کو آئندہ اسلامی حکومت میں ان کے کردار کو ملحوظ نظر رکھا جائے: سیرۂ ابن ہشام میں یوں نقل ہوا ہے: ''پیغمبر اسلام ﷺ بنی عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں خدائے عزّو جل کی طرف دعوت دی اور اپنا تعارف کرایا۔ ان میں سے ایک نے آنحضرت ﷺ سے یوں کہا '':أرأیت ان نحن بایعناک علی امرک ثم اظھرک اللہ علی من خالفک ایکون لنا الامر من بعدک؟ قال: الامر الی اللہ یضعہ کیف یشاء[1]'' ''اگر ہم آپؐ کی بیعت لیں اور آپ کی دعوت پر لبیک کہیں تو کیا آپؐ نے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اپنی خلافت کے اختتام پر خلافت کی بھاگ ڈور ہمیں سپرد کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: اس کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے اس عہدہ پر مقرر کرے گا۔''

۱۰۔ یہ قضیہ ثابت شدہ اور مسلّم فطری امر ہے کہ جو بھی چند افراد کے امور کی زمام ہاتھ میں لئے ہو، انھیں سرپرست کے بغیر نہیں چھوڑتا ہے، حتی اگر اس کے تحت نظر بھیڑ بکریاں بھی ہوں، تو وہ انھیں بھی بے سرپرست نہیں چھوڑتا ہے۔ جب خلیفہ دوم اپنی زندگی کے آخری لمحات بسر کر رہے تھے تو عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا '':ان الناس یتحدثون انک غیر مستخلف و لو کان لک راعیابل اوراعی غنم ثم جاء و ترک رعیتہ رأیت ان قد فرط و رعیتالناس اشد من رعیہ الابل والغنم ماذا تقول اللہ عزّوجل اذلقیتہ ولم تستخلف علی عبادہ[2]'' ''لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنا جانشین مقرر نہیں کر رہے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک اونٹوں نیز بھیڑ بکریوں کیلئے کوئی نہ کوئی ساربان اور چرواہا ہوتا اور وہ مویشوں کو چھوڑ کر چلا جاتا تو آپ اسے قصوروار ٹھراتے۔

اور یہ بات مسلّم ہے کہ لوگوں کا خیال رکھنا اونٹ اور بھیڑ کی حفاظت و رکھوالی سے زیادہ اہم ہے۔ جب خدا کے بندوں کے لئے کسی جانشین کو مقرر کئے بغیر آپ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو آپ اپنے خدائے متعال کو کیا جواب دیں گے؟'' ام المومنین عائشہ بھی

---

[1] سیرۂ ابن ہشام، ج۲، ص۴۲۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، الروض الانف، ۴، ص۱۳۸، السیرۃالنبویۃ، سید احمدزینی دحلان، ج۱، ص۲۸۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

[2] الریاضی النضرۃ، ج ۲، ص۳۵۳، دار الندوۃالجدیدۃبیروت، سنن بیہقی، ج۸، ص۱۴۹، دار المعرفۃبیروت، حلیۃالاولیاء، ج۱ص۴۴، دار الفکر

اس قضیہ سے استناد کرتے ہوئے ابن عمر سے کہتی ہیں ''یابنیّ بلغ سلامی وقل لہ لاتدع امۃ محمد بلا راع استخلف علیھم ولاتدعھم بعدک ھملاً فانی اخشی علیھم الفتنۃ[1]'' ''عمر کو میرا اسلام کہنا اور اس سے کہدینا کہ امت (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بعد بے مہار اور سرپرست نہ چھوڑے اس لئے کہ میں ان میں فتنہ برپا ہونے سے ڈرتی ہوں۔''اس کے علاوہ بھی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ سے کہا ''اے کاش!آپ اپنا ایک جانشین مقرر کردیتے اگر آپ اپنی طرف سے کسی کو قیم اور سرپرست کے عنوان سے لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں تو کیا اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیں؟انہوں نے جواب میں کہا:کیوں نہیں؟ابن عمر نے کہا: جب آپ اپنی بھیڑوں کے لئے ایک نگراں اور سرپرست مقرر کرتے ہیں تو کیا آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے اپنی جگہ پر کسی کو مقرر کردیں؟[2]''معاویہ بھی یزید کی جانشینی کے سلسلہ میں اس سے استنباط کرتے ہوئے کہتا ہے''انی ارھب ان داع امۃ محمدی بعدی کالضأن لاراعی لھا[3]''میں ڈرتا ہوں کہیں ام (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے بعد چرواہے کے بغیر بھیڑ بکریوں کی طرح چھوڑدوں۔''۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو ہمیشہ اپنی جگہ پر کسی کو جانشین مقرر فرماتے تھے اور کبھی مدینہ کو اپنے جانشین کے بغیر نہیں چھوڑتے تھے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میںیہ مطلب بیان ہوا ہے اورجن اشخاص کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے،ان کے نام بھی کتابوں میں درج ہیں۔ سیرۂ ابن ہشام میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات بیان کئے گئے ہیں،اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدینہ میں مقرر کئے گئے آپؐ کے جانشینوں کی فہرست حسب ذیل ذکر کی گئی ہے:

۱۔غزوۂ بواط میں:سائب بن عثمان بن مظعون[4]

۲۔غزوۂ عشیرہ میں:ابا سلمتبن عبدالاسد[1]

---

[1] الامامۃوالسیاسۃ،ج۱،ص۲۳

[2] طبقات ابن سعد ،ج۳،ص۳۴۳،دار بیروت للطباعۃ والنشر۔

[3] تاریخ طبری ،ج۳،جزء۵،ص۱۵۴،مؤسسہ عزالدین للطباعۃ والنشر،الامامۃ والسیاسۃ،ج۱ص۱۸۴ ،منشورات الشریف الرضی

[4] سیرۂ ابن ہشام،ج۲،ص۲۴۸۔

۳۔ غزوۂ سفوان یعنی بدر اولیٰ میں: زید بن حادثہ[۲]

۴۔ غزوۂ بدر کبریٰ میں: ابا لبابہ[۳]

۵۔ غزوۂ بنی سلیم میں: سباع بن عرفطہ[۴]

۶۔ غزوۂ سویق میں: عبد المنذر (ابولبابہ[۵])

۷۔ غزوۂ ذی امر میں: عثمان بن عفان[۶]

۸۔ غزوۂ فرع میں: ابن ام مکتوم[۷]

۹۔ غزوۂ بنی قینقاع میں: بشیر بن عبد المنذر[۸]

۱۰۔ غزوۂ احد میں: ابن ام مکتوم[۹]

۱۱۔ غزوۂ بنی النضیر میں: ابن ام مکتوم[۱۰]

۱۲۔ غزوۂ ذات الرقاع میں: ابوذر غفاری یا عثمان بن عفان[۱۱]

۱۳۔ غزوۂ بدر دوم: عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول انصاری

---

[۱] سیرۂ ابن ہشام ج،۲،ص۲۵۱
[۲] سیرۂ ابن ہشام ،ج۲،ص۱ ۴۔سیرۂ ابن ہشام ج،۲ص۲۶۳و۲۶۴
[۳] ج۳ص۴۹
[۴] ج۳،ص۵۰
[۵] ج۳،ص۴۹
[۶] ج۳،ص۵۰
[۷] ج۳،ص۵۲
[۸] ج۳،ص۶۸
[۹] ج۳،ص۲۰۰
[۱۰] ج۳،ص۲۱۴
[۱۱] سیرۂ ابن ہشام ج۳،ص۲۲۰

۱۴۔غزوۂ دومتا لجندل میں:سباع بن عرفطہ[1]

۱۵۔غزوۂ خندق میں:ابن ام مکتوم[2]

۱۶۔غزوۂ بنی قریظہ میں:ابن ام مکتوم[3]

۱۷۔غزوۂ بنی لحیان میں:ابن ام مکتوم

۱۸۔غزوۂ ذی قرتمین:ابن ام مکتوم

۱۹۔غزوۂ بنی المصطلق میں:ابوذر غفاری[4]

۲۰۔حدیبیہ میں: نمیلتبن عبداللہ لیثی[5]

۲۱۔غزوۂ خیبر میں:نمیلتابن عبداللہ لیثی[6]

۲۲۔فتح مکہ میں:کلثوم بن حصین[7]

نهضت ترجمه
Translation Movement

۲۳۔غزوۂ حنین میں: عتاب بن اسید[8]

۲۴۔غزوۂ تبوک میں:محمد بن مسلمتانصاری یاسباع بن عرفطہ[1] صحیح اور مشہورروایت یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نےحضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔اس مطلب کے سلسلہ میں تاریخ اوراحادیث کی دسیوں کتابیں گواہ ہیں۔

---

[1] سیرۂ ابن ہشام ج۳،ص۲۲۴
[2] سیرۂ ابن ہشام ،ج ۳،ص۲۳۱ ۲۔سیرۂ ابن ہشام،ص۲۴۵
[3] سیرۂ ابن ہشام،ص۲۹۲ ۴۔سیرۂ ابن ہشام ص۳۲۱
[4] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۰۲
[5] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۲۱
[6] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۴۲
[7] سیرۂ ابن ہشام ،ج۴،ص۴۲
[8] سیرۂ ابن ہشام،ج۴،ص۹۳

۲۵۔ حجۃ الوداع میں،ابودجانہ انصاری یا سباع بن عرفطہ[۲] سریہ وہ جنگیں ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود شرکت نہیں فرمائی ہے،ایسی جنگوں میں پیغمبر (ص) کسی نہ کسی کو بہ حیثیت کمانڈر مقرر فرماتے تھے۔یہاں تک کہ بعض جنگوں میں چند افراد کو کمانڈر کی حیثیت سے مقرر فرماتے تھے تاکہ کسی نا خوشگوار واقعہ پیش آنے کی صورت میں بلافاصلہ ترتیب سے دوسرا شخص آگے بڑھ کر کمانڈری سنبھالے۔جنگ موتہ میں پیغمبر نے زید بن حارثہ کو کمانڈر مقرر فرمایا تھا۔کسی مشکل سے دو چار ہونے کی وجہ سے ان کی جگہ پر جعفر بن ابیطالب اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ کو کمانڈر کی حیثیت سے مقرر کیا تھا[۳]۔بئر معونہ میں آنحضرت ﷺ نے چالیس افراد کو بھیجا اور عبدالمنذر بن عمر کو ان کا امیر قرار دیا[۴]۔اور داستان رجیع میں فقہ کی تعلیم کے لئے چھ افراد کو بھیجا اور مرثد بنابی مرثد غنوی کو ان کا سردار قرار دیا[۵]۔اب،جبکہ مذکورہ مطالب نیز ان میں غور و حوض کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا اصل مقصد امت کی تربیت کرنا تھا،چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا ہے:(ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ[۶]) ''وہ ان کے نفوذ کو پاکیزہ بناتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''آنحضرت ﷺ،اپنی مسافرتوں کے درمیان چاہے وہ جس قدر بھی مختصر ہوتی تھی،اپنا جانشین مقرر کرنے میں کوتاہی نہیں فرماتے تھے اور کسی بھی گروہ کو کہیں روانہ کرتے وقت انھیں بے سرپرست نہیں چھوڑتے تھے آپ اپنے مستقبل کے بارے میں پوری طرح آگاہ تھے،اس سلسلہ میں آپؐ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں،جن کے بارے میں شیعہ و اہل سنّت کے بڑے محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔اس لئے آپؐ اپنے بعد اپنی شریعت پر حملہ آور ہونے والے فتنوں سے آگاہ تھے،چنانچہ آپؐ نے اس سلسلہ میں خود خبر دی ہے۔

ان سب حقائق کے روشن ہونے کے بعد کیا آپ اپنی جانشینی اور خلافت (جو آپکے بعد اہم ترین مسئلہ اور آپؐ کے لئے فکرمند ترین موضوع تھا) کے بارے میں کسی قسم کا منصوبہ نہیں رکھتے تھے اور اپنے بعد کسی کو اپنے جانشین کی حیثیت سے منصوب و معین نہیں

---

[۱] سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۳
[۲] سیرۂ ابن ہشام،ج۴،ص۲۴۸،داراحیاء التراث العربی،بیروت
[۳] سیرۂ ابن ہشام،ص،۵
[۴] سیرۂ ابن ہشام،ج۳، ص۱۹۴
[۵] سیرۂ ابن ہشام،ج۳،ص۱۸۳
[۶] آل عمران،۱۶۴

کرتے اور پوری طرح سے اس سے غافل و بے خیال رہتے ؟!!کیا ایسا ممکن ہے ؟ !خداوند متعال نے اپنے پیغمبر ﷺ کو رسالت کے لئے مبعوث کیا ہے اور آپؐ کی یوں توصیف کی ہے: (ولقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم[1]) ''یقیناتمہارے پاس وہ پیغمبر آیاہے کہ جو تمھیں میں سے ہے اوراس پرتمہاری ہر مصیبت شاق ہے وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتاہے اور مؤمنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے'' یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے عقل سلیم اور بیدار ضمیر ہرگز قبول نہیں کرتاہے اور قرآن وسنت کی قطعی دلالت اس کے برخلاف ہے۔اس بناء پر شیعہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ہونے والے امام اور خلیفہ کا اعلان اور انتخاب خدا وند عالم کی جانب سے فرمایاہے اور یہ مسئلہ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بیان ہواہے۔اس کتاب میں قرآن مجید کی چند ایسی آیات پر بحث و تحقیق کی گئی ہے جوامامت اورائمہ علیہم السلام کی خصوصیات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔مذکورہ آیات حسب ذیل ہیں:

۱۔آیہء ابتلا

۲۔آیہء مباھلہ۳

۔آیہء اولی الامر

۴۔آیہء ولایت

۵۔آیہء صادقین

٦۔آیہء تطھیر

۷۔آیہء علم الکتاب(آیہء شہادت)

---

[1] توبہ،۱۲۸

ان آیات میں پہلے،خود آیتوں کے بارے میں بحث و تحقیق کی گئی ہے اور اس کے بعد ان سے مربوط احادیث کو بیان کیا گیا ہے

وران احادیث سے آیات کی دلالت میں استفادہ کیا گیا ہے۔چونکہ اہم ان مباحث میں اہل سنت سے بھی مخاطب ہیں،اس لئے ان کے علماء اور مفسرین کا نظریہ اوران کی احادیث بھی بیان کرکے علمی طورسے ان پر بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں موجود شبہات اوراعتراضات کو بیان کرنے کے بعد ان کا جواب دیا گیا ہے۔رضا کاردان

پہلاباب:

امامت آیہء ابتلاء کی روشنی میں

امامت آیہء ابتلاء کی روشنی میں (وإذا ابتلیٰ ابرھیم ربّہ بکلمات فأتمھن قال إنّی جاعلک للناس إماماً قال ومن ذرّیتی قال لاینال عھدی الظالمین[1]) ''اوراس وقت کویادکروجب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراھیم علیہ السلام کاامتحان لیااورانھوں نے پورا کردیاتواس(خدا)نے کہا:ہم تم کولوگوں کا قائداورامام بنارہے ہیں۔(ابراھیم علیہ السلام)نے کہا گیا یہ عہدہ میری ذریت کو بھی ملے گا؟ارشادہواکہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔''اس آیہء کریمہ سے دوبنیادی مطلب کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

ا۔منصب امامت،نبوت ورسالت سے بلندترہے۔۲۔منصب امامت،ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔یہ مطلب تین باتوں پر مشتمل ہے:پہلی بات:منصب امامت کابلند مرتبہ ہونا۔دوسری بات:منصب امامت ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔تیسری بات:منصب امامت کازبان امامت سے تعارف۔

پہلی بات منصب امامت کابلند مرتبہ ہونا ہم اس آیہء شریفہ میں دیکھتے ہیں کہ خدائے متعال نے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے بڑھاپے کے دوران نبوت رسالت کو سالہا سال گزرنے کے بعد ان کی عمرکے آخری مرحلہ میں امتحان لیااور انھوں نے اس

[1] بقرہ۱۲۴

امتحان الٰہی کوقبول کیا اورکامیابی کے ساتھ مکمل کردکھایا امامت کاعہدہ وہ ارتقائی درجہ تھا جواس عظیم امتحان اورصبروثبات کے بعدانھیں عطاکیاگیا۔آیہء کریمہ سے اس مطلب کو بہتر طریقہ سے واضح کرنے کے لئے،درج ذیل چند بنیادی نکات کی وضاحت ضروری ہے:ا۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحان اوران کی امامت کے درمیان رابطہ کیسا ہے؟

۲۔اس آیہء کریمہ میں بیان کیاگیاامتحان،کس قسم کا امتحان تھا؟

۳۔کیایہ کہا جاسکتاہے کہ،حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کئے گئے عہدہ امامت سے مرادان کا وہی منصب نبوت ورسالت ہی ہے؟

۴۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطا کی گئی امامت،کس چیزپردلالت کرتی ہے؟امتحان اورمنصب امامت کارابطہ آیہء کریمہ:(واذابتلیٰ ابراھیم ربّہ بکلمات فأتمھن قال انّی جاعلک للناس إماماً)میں لفظ''إذ''ظرف زمان ہے اوراس کے لئے ایک متعلق کی ضرورت ہے۔''إذ''کا متعلق کیاہے؟پہلااحتمال یہ ہے کہ''إذ''کا متعلق''اذکر''(یادکرو)ہے،جومحذوف اورپوشیدہ ہے،یعنی:اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!یاداس وقت کوکیجئے جب پروردگارنے ابراھیم علیہ السلام کا چند کلمات کے ذریعہ سے امتحان لیا۔ اس احتمال کی بنیادپرچنداعتراضات واردہیں:ا۔مستلزم حذف وتقدیر(متعلق کو محذوف اور مقدر ماننا)خلاف اصل ہے۔ ۲۔''إنی جاعلک للناس إماماً''کا اس کے پہلے والے جملہ سے منقطع ہونا حرف عطف کے بغیرہونا لازم آتاہے۔

وضاحت:جملہء''قال انّی جاعلک''کا بظاہرسیاق یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے والے جملہ سے علٰیحدہ اور منقطع نہیں ہے اورمعنی ومضمون کے لحاظ سے قبل والے جملہ سے وابستہ ہے،اورچونکہ اس کے لئے حرف عطف ذکرنہیں ہواہے،اس لئے بظاہر اس جملہ کے آنے سے پہلاجملہ مکمل ہوتا ہے،اوران دونوں فقروں کے درمیان ارتباط کلمہ''إذ''کے''قال''سے متعلق ہونے کی بناپرہے۔اسی صورت میںآیہء شریفہ کامعنی یوں ہوتا ہے:''جب ابراھیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے امتحان لیا،توان سے کہا:میں تم

کولوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں۔ ''اس بناپر یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کو منصب امامت عطا کرنے کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ تھا۔آیہء کریمہ کے اس مطلب پر قطعی گواہ کے لئے ایک دوسری آیت ہے کہ اس میں پیغمبروں کے ایک گروہ کے لئے صبر وامامت کے درمیان رابطہ بخوبی بیان ہوا ہے:(وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لماّ صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون[1]) ''اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کوامام اورپیشوا قرار دیاہے جوہمارے امرسے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں،اس لئے کہ انہوں نے صبر کیاہے اورہماری آیتوں پریقین رکھتے تھے۔ ''اس آیہء شریفہ میں ان پیغمبروں کوامامت ملنے کا سبب صبرؤیقین بیان کیاگیاہے اور یہ رابطہ حضرت ابرھیم علیہ السلام کے امتحان اورامامت کے درمیان رابطہ کوزیر بحث آیت میں واضح اورروشن کرتاہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کاامتحانحضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کی یہ آزمائشیں کن مسائل اور امور سے متلق تھیں کہ جس کا نتیجہ امامت کا عظیم عطیہ قرار پایاتھا۔آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امتحان چند کلمات کے ذریعہ لیا گیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام نے انھیں مکمل کر دکھایا۔بظاہر یہ کلمات ایک خاص قسم کے فرائض اوراحکام تھے کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان لیاگیا۔

قرآن مجید میں،حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تاریخ کے سلسلہ میں جوچیز ''واضح وروشن امتحان'' کے عنوان سے بیان ہوئی ہے،وہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کااقدام ہے:(إن ھذا لھوالبلاء المبین[2]) (بیشک یہ بڑا واضح و روشن متحان ہے)یہ(بیٹے کوذبح کرنے کااقدام)حقیقت میں وہی کھلاامتحان ہے۔یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اپنے پروردگار کے حضورمیں ایثاروقربانی اورمکمل تسلیم ہونے کامظہر تھا۔اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کایہ امتحان ان کی پیری اور بڑھاپے میں انجام پایاہے اور وہ بھی اس وقت جب ان کا بیٹا جوانی کے مرحلہ میں داخل ہوچکا تھا۔

---

[1] سجدہ،۲۴

[2] صا فات،۱۰۶

حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی جوانی کا مرحلہ طے کرنے تک صاحب اولادنہیں تھے۔جب بڑھاپے کے مرحلہ میں پہنچے اور اولادسے ناامیدہوئے، توخدائے متعال نے انھیں اسماعیل واسحاق نام کے دو بیٹے عطاکئے اور یہ اس حالت میں تھاکہ جب ان کی نبوت اور رسالت کو سالہاسال گزرچکے تھے۔کیااس آیت میں امامت سے مراد ان کی وہی نبوت ورسالت نہیں ہے؟خدائے متعال نے جوامامت حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطاکی،کیاوہ،وہی ان کی نبوت ورسالت تھی،جیساکہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے،یایہ امامت کوئی دوسراعہدہ ہے؟ اس سے پہلے بیان کئے گئے مطلب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ امامت،درج ذیل دودلائل کے پیش نظرحضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پہلے سے موجودنبوت ورسالت کے علاوہ تھی: پہلے یہ کہ:یہ آیہء شریفہ اس بات پردلالت کرتی ہے کہ یہ امامت، حضرت ابراھیم علیہ السلام کوبہت سے امتحانات کے بعد عطاکی گئی ہے،کہ ان امتحانات کا ایک واضح وروشن نمونہ ان کااپنے بیٹے کو ذبح کرنے کااقدام تھاجبکہ نبوت ورسالت انھیں پہلے دی جاچکی تھی۔دوسرے یہ کہ:آیہء کریمہ میں ''جاعلک''،اسم فاعل ہے اور ادبی لحاظ سے اسم فاعل صرف اسی صورت میں اپنے مابعد پرعمل کرسکتا ہے اور کسی اسم کومفعول کے عنوان سے نصب دے سکتا ہے،جب ماضی کے معنی میں نہ ہو،بلکہ اسے حال یا مستقبل کے معنی میں ہوناچاہئے۔اس بنا پرآیہء شریفہ:(إنّی جاعلک للنّاس إماماً) میں فاعل ''جاعل'' کے دومفعول ہیں (ایک میر ''کاف''اوردوسرا ''اماماً'')اس لئے ماضی کوملحوظ نظرنہیں قرار دیا جاسکتا۔

یہ امامت کس چیزپردلالت کرتی ہے؟ہمیں آیہء شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مفہوم پیشوائی اور قیادت ہے اوراس کا معنی نبوت ورسالت سے متفاوت ہے۔امام،وہ ہے جودوسروں کا پیشواہواورانسانوں کے آگے آگے چلے، جسے خدائے متعال نے متعلق طور پر لوگوں کے لئے امام قراردیاہے اورتمام انسانی پہلوؤں سے لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایاہے لوگوں کو چاہئے کہ تمام ابعاد حیات میں اس سے ہدایت حاصل کریں اوراس کی اقتداء و پیروی کریں۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یہ

---

[1] البهجته المرضیته،مکتبته المفید،ج٢،ص٦٥

مقام (امامت) رسالت ملنے کے سالہا سال بعد تمام بڑے امتحانات الٰہی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد عطا کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امامت کا مرتبہ اور درجہ نبوت ورسالت کے مساوی نہیں ہے بلکہ ان سے بالا تر ہے۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: جب یہ ثابت ہوا کہ امامت کا درجہ و مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے اور نبوت کے لئے قطعی دلائل کی بنیاد پر عصمت کی شرط لازمی ہے پس جو چیز نبوت سے برتر و بلند تر ہو بدرجہ اولیٰ اس کے لئے بھی عصمت کا شرط ہونا ضروری ہوگا۔

دوسری بات: منصب امامت ظالموں کو نہیں ملے گا یہ آیہء شریفہ عصمت امامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کے جملہ (لاینال عھدی الظالمین) یعنی: ''میرا وعدہ (امامت) ظالموں تک نہیں پہونچے گا'' سے استفادہ ہوتا ہے کہ ظالم مقام امامت تک نہیں پہونچ سکتا۔ جب خدائے متعال نے فرمایا: (إنّی جاعلک للناس إماماً) ''میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں'' حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عرض کیا: (ومن ذرّیتی؟) ''کیا میری ذریت اور اولاد میں سے بھی کوئی اس مقام تک پہنچے گا؟'' پروردگار عالم نے فرمایا: (لاینال عھدی الظالمین) میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ اس جملہ سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں: ۱۔ امامت وعدۂ الٰہی ہے۔ ۲۔ یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا، چونکہ ہر گناہ ظلم شمار ہوتا ہے، لہذا جو معصوم نہیں ہے، وہ گناہوں میں گرفتار ہوگا۔

اس بناء پر آیہء شریفہ کی یہ دلالت کہ ہر امام کو اپنے عہدہ امامت میں گناہوں سے پاک ہونا چاہئے، واضح اور ناقابل انکار ہے۔ کیا اس جملہ سے یہ استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ: جن لوگوں نے امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اگر کوئی ظلم کیا ہو وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۔ چونکہ ہر گناہ کبیرہ یا صغیرہ کیفر الٰہی کا مستحق ہے، اس لئے گناہ گار گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں: مشتق کا عنوان (جیسے ظالم) زمانہ حال میں ظہور رکھتا ہے اور یہ اس شخص پر لاگو نہیں ہوتا ہے جو پہلے اس صفت سے متصف تھا لیکن زمانہ حال میں اس میں وہ صفت نہیں ہے۔ اس بناء پر اس آیہء شریفہ کے مطابق، جو خلافت کے عہدہ پر فائز ہونے کے دوران ظالم ہو، وہ امامت کے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا لیکن جو پہلے کبھی ظالم تھا، لیکن اس عہدہ پر فائز ہونے کے

وقت ظالم نہیں ہے،وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہوسکتا ہے۔اعتراض کے جواب میں دو باتیں پہلی بات جو اس اعتراض کے جواب میں پیش کی گئی ہے وہ ایک عظیم محقق مرحوم حاج شیخ محمد حسین اصفہانی کی ہے کہ جسے مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں ذکر کیا ہے:[1] حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت چار گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے:

۱۔وہ گروہ جو امامت پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور اس مقام پر فائز ہونے کے بعد بھی ظالم رہے۔

۲۔وہ گروہ جو امامت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے عادل تھے اور امامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ظالم بن گئے۔

۳۔وہ گروہ،جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور امامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد عادل ہوگئے۔

۴۔وہ گروہ جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں زمانوں میں عادل تھے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی اس عظمت کے پیش نظر پہلے دو گروہوں کے لئے کہ،جو اپنے عہدہ امامت کے دوران ظالم ہوں،ہرگز امامت کی درخواست نہیں کریں گے۔اس بناپر (ومن ذرّیتی) ''میری اولاد سے؟'' کا جملہ صرف تیسرے اور چوتھے گروہ پر صادق آتا ہے،اور خدائے متعال بھی جواب میں فرماتا ہے(لاینال عھدی الظالمین) ''میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا۔''اس جملہ کے پیش نظر تیسرا گروہ جو پہلے ظالم تھا لیکن امامت کا عہدہ سنبھالنے کے دوران عادل ہوگیا،وہ بھی خارج ہوجاتا ہے اور اپنی اولاد کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں صرف چوتھے گروہ کو امامت دی جاتی ہے۔

دوسری بات مرحوم طبرسی کی ہے جو تفسیر مجمع البیان میں ذکر ہوئی،وہ کہتے ہیں:ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ جو فی الحال ظالم نہیں ہے اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں اطلاق نہیں ہوتا ہے،لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس نے پہلے ظلم کیا ہے،ظلم کرنے کے دوران اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں صادق تھا،مذکورہ آیت ایسے افراد کو بھی مشتمل ہے۔یعنی ایسا شخص اب امامت کے

[1] تفسیر المیزان ،ج۱،ص۲۷۷،دار الکتب الاسلامیہ۔

لئے شائستہ نہیں ہے اورامامت پرفائز نہیں ہوسکتاہے اور ''لا ینال''کا جملہ چونکہ مضارع منفی ہے،اس لحاظ سے اس پردلالت کرتاہے۔اس بناپر،جس نے زندگی میں ایک لمحہ کے لئے بھی گناہ کیاہے،وہ امامت کے عہدے پرفائز نہیں ہوسکتاہے،چونکہ اس وقت ظالم اور ستم گارہے اورآیہء شریفہ کہتی ہے:(لاینال عھدی الظالمین)''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔''اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ آیہء شریفہ دوجہتوں سے اماموں کی عصمت پرحتی عہدہ امامت پر فائز ہونے سے پہلے بھی دلالت کرتی ہے۔اورامامت کے منصب پرفائز ہونے والا شخص اپنی پوری عمر ملکہء عصمت سے وابستہ ہوتاہے۔اوراس طرح یہ بھی واضح ہوگیاکہ امامت ایک الٰہی منصب ہے جو خدائے متعال کی طرف سے عطا کیاجاتاہے،یعنی یہ خدائے متعال کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کو وہ جوشائستہ و سزاوار جانتاہے اسی کو عطا کرتا ہے۔

تیسری بات منصب امامت کازبان امامت سے تعارف آیہء شریفہ کوبیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ امامت کی حقیقت کے سلسلہ میں ہمارے آٹھویں امام حضرت امام موسی الرضا علیہ السلام کی بیان کی گئی ایک حدیث پیش کیجائے :أبو محمدالقاسم بن العلاء۔رحمہ۔رفعہ عن عبدالعزیزبن مسلم قال:کنّامع الرضا۔علیہ السلام۔بمرو،فاجتمعنافی الجامع یوم الجمعۃفی بدء مقدمنا،فأداروا امرالامامۃ وذکرواکثرۃاختلاف الناس فیھا۔فدخلت علی سیدی۔علیہ السلام۔فأعلمتہ خوض الناس فیہ،فتبسم۔علیہ السلام۔ثم قال:یاعبدالعزیز جھل القوم وخدعواعن آراءھم۔إن اللہ عزّوجلّ لم یقبض نبیہ ﷺ حتی أکمل لہ الدین وانزل علیہ القرآن فیہ تبیان کلّ شیء،بیّن فیہ الحلال والحرام والحدود والاحکام وجمیع مایحتاج الیہ الناس کملاً فقال عزّوجلّ(مافرطنافی الکتاب من شیء[1]) وأنزل فی حجۃ الوداع،وھی آخرعمرہ ﷺ:(أالیوم أکملت لکم دین وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً[2]) وامرالامامۃمن تمام الدین۔

ولم یمض ﷺ حتیّ بیّن لامتہ معالم دینھم وأوضح لھم سبیلھم،وترکھم علی قصد سبیلالحق،واقام لھم علیّا علماً و إماماً و ماترک لھم شیئاً یحتاج إلیہ الامۃ إلاّبیّنہ فمن زعم ان اللہ عزّوجلّ لم یکمل دینہ فقد ردّ کتاب اللہ و من ردّ کتاب اللہ فھو کافر بہ۔ ھل یعرفون قدر الإمامۃ و محلّھا من الامّۃ

---

[1] انعام،۳۸
[2] مائدہ،۳

فیجوز فیها اختیارهم؟ إن الامامة أجلّ قدراً و أعظم شأناً و اعلی مکاناً و أمنع جانباً و ابعد غوراً من أن یبلغها النّاس بعقولهم أوینالو بآراءهم أو یقیموا إماماً باختیارهم۔إن الإمامة خص اللہ عزّوجلّ بها إبراهیم الخلیل علیه السلام بعد النبوة و الخلة مرتبة ثالثة و فضیلة شرّفه بها و أشاد بها ذکره فقال: (إنّی جاعلک للنّاس اماماً) فقال الخلیل۔ علیه السلام سروراً بها : (ومن ذرّیتی) قال اللہ تعالی: (ولاینال عهدی الظالمین[1]) فابطلت هذه الآیة إمامة کلّ ظالم إلی یوم القیامة و صارت فی الصفوه ۔ ثمّ أکرم اللہ تعالی بأن جعلها فی ذرّیته اهل الصفوة و الطهارة فقال: (و وهبنا له إسحاق و یعقوب نافلة وکلاّ جعلنا صالحین۔ وجعلناهم أئمة یهدون بأمرنا وأوحینا إلیهم فعل الخیرات وإقام الصلوةوإیتاء الزکوة وکانوا لنا عابدین[2]) فلم تزل فی ذرّیته یرثها بعض عن بعض قرناً فقرناً حتی ورّثها اللہ تعالی النبیّ صلّی اللہ علیه وآله وسلّم فقال جلّ وتعالی: (إن أولی الناس بإبراهیم للذین اتبعوه وهذا النبیّ والذین آمنوا واللہ ولیّ المؤمنین[3]) فکانت له خاصّة فقلدها صلّی اللہ علیه وآله وسلّم علیاً ۔علیه السلام۔ بأمر اللہ تعالی علی رسم مافرض اللہ فصارت فی ذرّیته الأصفیاء الذین آتاهم اللہ العلم والإیمان بقوله تعالی: (وقال الذین أوتوا العلم والإیمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ إلی یوم البعث[4]). فهی فی ولد علیّ علیه السلام خاصّة إلی یوم القیامة إذ لا نبیّ بعد محمد صلّی اللہ علیه وآله وسلّم فمن أین یختار هؤلاء الجهال۔ إن الإمامة هی منزلة الأنبیاء وإرث الأوصیاء۔إن الإمامة خلافة اللہ وخلافة الرسول صلّی اللہ علیه وآله وسلّم ومقام أمیرالمؤمنین علیه السلام ومیراث الحسن والحسین علیهما السلام ان الإمامة زمام الدین ونظام المسلمین وصلاح الدنیا وعزّالمؤمنین إنّ الإمامة اُسّ الإسلام النامی و فرعه السامی۔ بالإمام تمام الصلاة و الزکاة والصیام والحج والجهاد وتوفیرالفیء والصدقات وإمضاء الحدود والأحکام ومنع الثغور والأطراف۔الإمام یحلّ حلال اللہ ویحرّم حرام اللہ ویقیم حدود اللہ ویذبّ عن دین اللہ ویدعو إلی سبیل ربّه بالحکمة والموعظة الحسنة والحجة البالغة۔ الإمام کالشمس الطالعة المجلّلة بنورها للعالم وهی فی الأفق بحیث لاتنالها الأیدی والأبصار۔الإمام البدرالمنیر والسراج الزاهر والنور الساطع والنجم الهادی فی غیاهب الدجی واجواز البلدان والقفار ولجج البحار۔الإمام الماء العذب علی الظماء والدالّ علی الهدی والمنجی من الرّدی الإمام النار علی الیفاع الحارّ لمن اصطلی به والدلیل فی المهالک۔من فارقه فهالک۔الإمام السحاب الماطروالغیث

---

[1] بقره،۱۲۴
[2] انبیاء،۷۳۔۷۲
[3] آل عمران،۶۸
[4] روم،۵۶

الهاطل والشمس المضیءۃوالسماء الظلیلة والأرض البسیطة والعین الغزیرۃوالغدیروالروضة. الإمام الأنیس الرفیق والوالد الشفیق واالأخ الشقیق والأم البرّة بالولد الصغیر ومفزع العباد فی الداهیة النآد. الإمام أمین الله فی خلقه وحجته علی عباده وخلیفته فی بلاده والداعی إلی الله والذاب عن حرام الله. الإمام المطهّر من الذنوب والمبرّأ عن العیوب المخصوص بالعلم الموسوم بالحلم نظام الدین و عزّالمسلمین وغیظ المنافقین و بوار الکافرین. الإمام واحد دهره، لا یدانیه أحد ولا یعادله عالم ولایوجد منه بدل ولا له مثل و لا نظیر مخصوص بالفضل کلّه من غیر طلب منه له و لا اکتساب بل اختصاص من المتفضل الوهاب. فمن ذا الذی یبلغ معرفة الإمام أو یمکنه اختیاره؟!! هیهات هیهات! ضلّت العقول وتاهت الحلوم وحارت الألباب و خسئت العیون و تصاغرت العظماء و تحیّرت الحکماء و تقاصرت الحلماء و حصرت الخطباء و جهلت الألبّاء و کلّت الشعراء وعجزت الأدباء وعییت البلغاء عن وصف شأن من شأنه أوفضیلة من فضائله وأقرّت بالعجز و التقصیر و کیف یوصف بکلّه أوینعت بکنهه أو یفهم شیء من أمره أویوجد من یقوم مقامه یغنی غناه؟!لا، کیف وأنّی؟ و هو بحیث النجم من ید المتناولین و وصف الواصفین! فأین الاختیار من هذا؟ و أین العقول عن هذا؟ و أین یوجد مثل هذا؟! أتظنّون ان ذلک یوجد فی غیرآل الرسول محمد صلی الله علیه وآله وسلم کذبتهم والله أنفسهم و منّتهم الأباطیل فارتقوا مرتقاً صعباً دحضاً تزلّ عنه إلی الحضیض أقدامهم. راموا إقامة الإمام بعقول حائرة ناقصة و آرا مضلّة فلم یزدادوا منه إلّا بُعداً (قاتلهم الله أنّی یؤفکون)؟

ولقد راموا صعبا و قالوا إفکاً و ضلّوا ضلالاً بعیداً و وقعوا فی الحیرة. إذ ترکوا الإمام عن بصیرة (زیّن لهم الشیطان أعمالهم عن السبیل و کانوا مستبصرین[1]) رغبوا عن اختیار الله و اختیار رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وأهل بیته إلی اختیارهم و القرآن ینادیهم (و ربّک یخلق مایشاء و یختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله و تعالی عمّا یشرکون[2]) وقال عزّوجلّ: (و ما کان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضی الله و رسوله أمراً أن یکون لهم الخیرة من أمرهم[3]) الآیة و قال: (ما لکم کیف تحکمون *أم لکم کتاب فیه تدرسون * إن لکم فیه لما تخیّرون *أم لکم أیمان علینا بالغة إلی یوم القیامة

[1] نمل، ۲۴
[2] قصص، ۶۸
[3] احزاب، ۳۶

إن لكم لما تحكمون * سلهم أيهم بذلك زعيم * أم لهم شركاء فليأتوا به شركائهم إن كانوا صادقين[1]) وقال عزّوجل: (أفلايتدبّرون القرآن أم على قلوب أقفالها[2]. (أم طبع الله على قلوبهم فهم لا يفقهون[3]) أم (قالوا سمعنا و هم لا يسمعون * إن شرّ الدواب عند الله الصمّ البكم الذين لا يعقلون * و لو علم الله فيهم خيراً لأسمعهم و لو أسمعهم لتولّوا و هم معرضون[4]) أم (قالوا سمعنا و عصينا[5]).بل هو فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذوالفضل العظيم)فكيف لهم باختيار الإمام؟! الإمام عالم لا يجهل وراع لا ينكل معدن القدس والطهارة و النسك و الزهادة و العلم والعبادة مخصوص بدعوة الرسول ﷺ ونسل المطهرة البتول لامغمز فيه في نسب و لا يدانيه ذو حسب في البيت من قريش، و الزروة من هاشم و العترة من الرسول ﷺ و الرضا من الله عزّوجلّ شرف الأشرف و الفرع من عبد مناف نامي العلم كامل الحلم مضطلع بالإمامة عالم بالسياسة مفروض الطاعة قائم بأمر الله عزّوجلّ ناصح لعباد الله حافظ لدين الله ـ إنا لأنبياء والأئمة صلوات الله عليهم يوفّقهم الله و يؤتيهم من مخزون علمه و حكمه ما لايؤتيه غيرهم فيكون علمهم فوق علم أهل الزمان في قوله تعالى: (أفمن يهدي إلى الحق أحق أن يتّبع أمّن لايهدي إلاّ أن يُهدى فمالكم كيف تحكمون[6]) و قوله تبارك و تعالى(ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيراً كثيراً[7]) و قوله في طالوت (إن الله اصطفاه عليكم و زاده بسطة في العلم و الجسم و الله يؤتي ملكه من يشاء و الله واسع عليم[8]) و قال لنبيه ﷺ (أنزل عليك الكتاب و الحكمة و علمك مالم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيماً[9]) و قال في الأئمة من أهل بيت نبيه و عترته و ذريته صلوات الله عليهم :(أم يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله فقد آتينا آل ابراهيم الكتاب و الحكمة و اتيناهم ملكاً عظيماً * فمنهم من آمن به و منهم من صدّ عنه و كفى بجهنم سعيراً ۵ و إن العبد إذا اختاره الله عزّ و جلّ لأمور عباده شرح صدره لذلك و أودع قلبه ينابيع الحكمة و ألهمه العلم إلهاماً فلم يعي بعده بجواب و لا يحير فيه عن صواب فهو معصوم مؤيد موفّق مسدد قد أمن من الخطايا و الزلل والعثار يخصّه الله بذلك ليكون حجته على عباده و شاهد

---

[1] قلم،۴۱-۳۶
[2] محمد،۲۴
[3] توبہ،۸۷
[4] انفال،۲۳-۲۱
[5] بقرہ،۹۳
[6] یونس،۳۵
[7] بقرہ،۲۶۹
[8] بقرہ۲۴۷
[9] سورۂ نساء سے اقتباس،۱۱۳

علی خلقه و ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء و اللّٰہ ذوا لفضل العظیم۔ فهل یقدرون علی مثل هذا فیختارونه؟ أو یکون مختارهم بهذه الصفة فیقدّمونه؟ تعدّوا و بیت اللّٰہ الحقّ و نبذوا کتاب اللّٰہ وراء ظهورهم کأنهم لایعلمون و فی کتاب اللّٰہ الهدی والشفاٲفنبذوه و اتّبعوا أهواءهم فذمّهم اللّٰہ و مقّتهم و أتعسهم فقال جلّ و تعالی: (و من أضّل ممّن اتّبع هواه بغیر هدی من اللّٰہ إن اللّٰہ لایهدی القوم الظالمین[1]) وقال: (فتعسأ لهم وأضلّ وأضلّ أعمالهم[2]) و قال: (کبُر مقتاً عند اللّٰہ وعند الذّین آمنوا کذلک یطبع اللّٰہ علی کلّ قلب متکبّر جبّار[3]) وصلی اللّٰہ علی النبیّ محمد وآله وسلّم تسلیماً کثیرا.[4] عبدالعزیزبن مسلم سے روایت ہے کہ: ہم مسجد مرو میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں تھے۔ وہاں پہنچنے کے ابتدائی دنوں میں جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ حضار نے مسئلہء امامت کے بارے میں گفتگو کی اور اس موضوع کے بارے میں موجود بہت سے اختلافات کو بیان کیا گیا۔ میں نے اپنے مولا (امام رضا علیہ السلام) کی خدمت میں لوگوں کی اس گفتگو کے بارے میں وضاحت کی۔ حضرت علیہ السلام نے ایک مسکراہٹ کے بعد یوں فرمایا: اے عبدالعزیز! ان لوگوں نے نادانی کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے نظریات کی جانب دھوکہ میں ہیں۔

خدائے عزّوجل نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک ان کے لئے دین کو مکل نہیں کر لیا اور قرآن مجید کہ، جو ہر چیز کو واضح کرنے والی کتاب ہے اور جس میں حلال وحرام، حدود و احکام اور انسان کی تمام ضرورتیں مکل طور پر بیان ہوئی ہیں نازل نہیں کر لی اور فرمایا (ما فرطنا فی الکتاب من شیء) ''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے،'' (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حجۃ الوداع میں جو آپکی عمر کے آخری ایام میں انجام پایا آیہء (ألیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً) نازل فرمائی۔ اس طرح دین کو کامل فرمایا اور امامت دین کا تکملہ ہے۔ (خدا نے) پیغمبر اسلام ﷺ کو تب تک اس دنیا سے نہیں اٹھالیا جب آپؐ نے امت کے لئے دینی امور واضح کر دیئے حق کا وہ راستہ

---

[1] قصص، ۵۰

[2] محمد، ۸

[3] غافر، ۳۵

[4] اصول کافی، مترجم، ج۱، ص۲۸۳، اصول کافی غیرمترجم، ج۱، ص۱۹۸، عیون اخبار الرضا۴، ج۱، ص۲۱۶۔

دکھلادیا جس پران کو چلنا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد امت کے لئے رہبر کے طور پر پہنچوا دیا، حتی کہ امت کی ضرورت کی کسی چیز کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ پس، ان اوصاف کے پیش نظر جو یہ تصور کرے کہ خدائے متعال نے اپنے دین کو مکمل نہیں کیا ہے، اس نے خدا کی کتاب سے انکار کیا ہے، اور ایسا آدمی کافر ہے۔ کیا یہ لوگ امت کے درمیان امامت کی عظمت وبلندی نیز اس کی کلیدی حیثیت کو جاننے کا شعور رکھتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم کر سکیں؟ بیشک امامت اس سے کہیں زیادہ گراں بہا، عظیم الشان، بلند مرتبہ اور عمیق تر ہے کہ لوگ اسے اپنی عقلوں سے درک کریں نیز اپنی رائے اور اپنے اختیار سے امام منتخب کریں۔

امامت ایک ایسا خاص عہدہ ہے جو خدائے متعال کی طرف سے خُلّ نیز نبوت ورسالت کے منصب کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کیا گیا، اور اس سے مذکورہ دونوں عہدوں سے بلند اور افضل قرار دیتے ہوئے خداوند عالم نے فرمایا: (إنّی جاعلک للنّاس إماماً) یعنی: ''میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں''۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خوش ہوکر کہا: (ومن ذرّیتی) ''کیا میری ذریت کو بھی یہ عہدہ ملے گا؟'' خدائے متعال نے فرمایا: (لاینال عھدالظالمین) ''میرا وعدہ (امامت) ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔'' اس آیۂ شریفہ نے ہر ظالم کے لئے عہدہ امامت کو قیامت تک کے لئے مسترد کردیا اور اس (امامت) کو ممتاز اور منتخب افراد میں متعین قرار دیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے وراثت میں حاصل کیا۔ آپؐ نے بھی اسے خدا کے حکم سے علی علیہ السلام اور ان کی معصوم نسلوں میں قرار دیا کہ جو اہل علم و ایمان تھے اور یہ مقام ان کے معصوم فرزندوں میں قیامت تک رہے گا۔ پس یہ نادان کیسے امام کو انتخاب کر سکتے ہیں۔؟!!! امامت انبیاء کی عظمت و منزلت اور اولیائے الٰہی کی وراثت ہے۔ امامت، خدائے متعال اور پیغمبر اسلام ﷺ کی جانشین اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظمت نیز حسن وحسین علیہما السلام کی وارثت ہے۔

امامت، دین کی زمامداری، مسلمانوں کی حکمت عملی، دنیا کی بہتری اور مؤمنین کی عزت ہے۔ صرف امامت کے ذریعہ نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور جہاد کو مکمل طور پر انجام دیا جاسکتا ہے اور امام کے ذریعہ حدود اور احکام الٰہی کا نفاذ ممکن ہے اور سرحدوں کی

حفاظت کی جاسکتی ہے۔یہ امام ہی ہے جوخدا کے حلال کوحلال اوراس کے حرام کوحرام بتاتاہے،خداکے حدود کوجاری کرتاہے،دین خداکادفاع کرتاہے اورلوگوں کوخداکے راستہ کی طرف اپنی حکمت عملی،اچھی نصیحت اور محکم ومتقن دلائل سے دعوت دیتاہے۔امام ایک آفتاب کے مانند ہے جوطلوع ہوکرپوری دنیا کوروشنی میں غرق کر دیتاہے چونکہ وہ ایک بلندی پر مستقر ہوتاہے لہذااس تک لوگوں کی نظریں اور آلودہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتے ہیں۔امام، ماہ تابان ،شمع فروزان، چمکتانوراوردرخشاں ستارہ ہے جو شدیدتاریکیوں شہ راہوں اورگزرگاہوں،شہروں اور گلی کوچوں ، صحراؤں اور سمندروں کے گردابوں میں (جہالت و آزمائش نیز دربدری کے زمانہ میں) لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہوتاہے۔امام پیاسوں کے لئے ٹھنڈاپانی اورگمراہوں کی ہدایت کے لئے راہنماو ایک دلیل ہے۔امام،ایک ابر باران ،موسلا دھاربارش،چمکتا ہواسورج،سایہ دارچھت،وسیع وعریض زمین،ابلتا ہواچشمہ،نیز جھیل اورگلستان کے مانند ہوتاہے۔

امام،خداکے بندوں کے لئے انتہائی سختیوں میں،ہمدم و مونس، مہربان باپ،برابرکابھائی،غمخوارماں اور خدا کی پناہ گاہ ہوتاہے۔ امام،خداکے بندوں میں خداکاامانتدار،اس کے بندوں پر حجت الٰہی اوراس کے ملک میں اس کا جانشین ہوتاہے۔امام،خداکی طرف دعوت دینے والااورحریم الٰہی (حدود،مقدرات اوراحکام)کادفاع کرنے والاہوتاہے۔امام،گناہوں سے پاک ،عیوب اوربرائیوں سے منزّہ ہوتا ہے۔امام علم میں یگانہ،حلم وبردباری میںیکتا،نظام، دین نیز مسلمانوں کی عزت،منافقون کے واسطے غضب اورکافروں کے لئے ہلاکت ہے۔

امام،(فضئل اورانسانی اقدارکے حوالے سے)بے مثال ہوتاہے۔کوئی بھی عظمت و بزرگی کے اعتبار سے اس(امام)کے برابرنہیں ہوسکتاہے اورکوئی عالم اس کے مساوی نہیں ہوسکتا ہے اورکسی کو اس کاجانشین اور متبادل قرارنہیں دیاجاسکتاہے۔اورامام وہ ہے کہ،جس کوتلاش وکوشش کے بغیرتمام فضیلتیں خداکی طرف سے عطاہوتی ہیں۔پس،کون ہے جو امام کوپہچان سکتاہے۔ اور اس کو چننے اور منتخب کرنے کی قدرت رکھتا ہے افسوس!افسوس!(اس سلسلہ میں) عقلیں گم ہیں،نظریں ناتواں

ہیں،بڑے چھوٹے ہوگئے ہیں،حکماء اورفلاسفہ حیراں و سرگرداں ہیں،اورخطباء،عقلاء،شعراء،ادباء اور مبلغین،خستہ وعاجزہیں،کہ اس(امامت) کی کوئی شان یااس کی فضیلتوں میں سے کسی فضیلت کی توصیف کریں۔یہ مقام کیسے توصیف کے حدودمیآسکتاہے جبکہ امام ستارہ کے مانند ہے اورانسان کی توصیف کے دائرہ امکان سے دورہے۔کیاتم لوگ تصور کرتے ہوکہ یہ خصوصیتیں پیغمبر اسلام ﷺ کے خاندان کے علاوہ کسی اورمیں موجودہوسکتی ہیں؟!خداکی قسم! ان کی نفسانی خواہشات نے انھیں جھوٹ بولنے پر مجبورکیاہے اورباطل تصورات نے انھیں منحرف کیا ہے۔انہوں نے بلندیوں پر قدم رکھااورآخرکاران کے قدم ڈگمگائے اوروہ پستیوں میں جاگرے ہیں۔انہوں نے اپنی گمراہ کن اورپریشان عقلوں سے امام منتخب کرناچاہالیکن دوری،گمراہی اورانحراف کے علاوہ انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔انہوں نے خدائے متعال،رسول خدا ﷺ نیزآپ کے اہل بیت (علیہم السلام) کے انتخاب کے علاوہ خودانتخاب کرنا چاہا،جبکہ قرآن مجید،ان کے لئے یوں فرماتا ہے:(وربک یخلق مایشاء ویختارماکان لھم الخیرۃ)''تیرا پروردگارجسے چاہتاہے خلق کرتاہے اورمنتخب کرتاہے،ان کے لئے انتخاب کا حق نہیں ہے،وہ اس بات سے منزّہ وپاک ہے کہ جس کالوگ اسے شریک قراردیتے ہیں''(خدائے متعال مزید فرماتاہے:)(وما کالمؤمن ولا مؤمنۃ إذ قضی اللہ و رسولہ أمراً أن یکون لھم الخیر من أمرھم)''اورکسی مؤمن مردیاعورت کواختیار نہیں ہے کہ جب خداورسولؐخداکسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امورکے بارے میں صاحب اختیار ہو جائے''پس وہ کیسے امام کوانتخاب کرسکتے ہیں جبکہ امام ایک ایسادانشور ہے جس کے حدود میں نادانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وہ ایک ایساسرپرست ہے،جس میں خوف اورپلٹنے کاسوال ہی پیدانہیں ہوتا۔وہ تقدس،پاکیزگی،زہدواطاعت،علم و عبادت کامرکزہے،پیغمبر اسلام ﷺ کی دعائیں حضرت فاطمہ،بتول *کی پاکیزہ اولادسے مخصوص ہے۔ وہ یہ کہ اس مقدس سلسلہ میں عیب جوئی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اورکوئی بھی خاندانی شرف اس کے برابرنہیں ہے۔وہ خاندان قریش وہاشم اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عترت سے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں۔وہ اشراف الاشراف عبد مناف کی اولادسے ہیں۔وہ علم وآگہی کے وارث اور مکمل

بردباری کے مالک ہیں۔رہبری میں قدرتمنداورسیاست سے آگاہ ہیں۔خداکے حکم کے مطابق ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔وہ امرخداپر سختی سے قائم،نیزخدائے متعال کے بندوں کے حق میں خیرخواہ اوردین کے محافظ ہیں۔خدائے متعال نے انبیاءاورائمہ کوتوفیق عطاکی ہے اوراپنے علم وحکمت کے خزانہ سے جوچیزدوسروں کونہیں دی ہے،وہ انھیں عطاکی ہے۔اس لحاظ سے ان کی عقل اپنے زمانہ کے لوگوں کی عقلوں سے افضل ہے کہ خدائے متعال نے فرمایاہے:(افمن یھدی إلی الحق۔۔۔)کیا جو حق کی طرف ہدایت کرتاہے وہ اطاعت کے لئے زیادہ شائستہ وسزاوار ہے یاوہ جوخود راہنمائی کے بغیرراستہ پر گامزن نہیں ہے؟تم لوگوں کوکیا ہواہے؟ کیسے حکم کرتے ہو؟خدائے متعال فرماتاہے(ومن یؤت الحکمۃ۔۔۔)''جسے حکمت دے دی گئی ہے اس نے بہت سی نیکیاں پالی ہیں۔''طالوت کے بارے میں خدائے عزّوجل کافرمان ہے:(إن للہ اصطفاء علیکم۔۔۔)انہیں اللہ نے تمھارے لئے منتخب کیاہے اورعلم وجسم میں وسعت عطافرمائی ہے اوراللہ جسے چاہتا ہے اپناملک عطاکرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اورصاحب علم بھی۔

(خدائے متعال نے)اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:(وأنزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ۔۔۔)''اوراللہ نے آپ پر کتاب اورحکمت نازل کی ہے اورآپ کوان تمام باتوں کاعلم دے دیا ہے کہ جن کاآپ کوعلم نہ تھا،اورآپ پرخداکابہت بڑافضل ہے''۔اوراہل بیت اطہاراورعترت پیغمبر ﷺ کے ائمہ کے بارے میں فرمایا:(أم یحسدون الناس علی ماآتاہم اللہ من فضلہ۔۔۔)''یاوہ ان لوگوں سے حسدکرتے ہیں جنھیں خدانے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ عطاکیاہے توپھر ہم نے آل ابراھیم(علیہ السلام)کوکتاب وحکمت اورملک عظیم عطاکیاہے۔پھران میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے اوربعض نے انکارکردیااوران کے لئے جہنم کی دھکتی ہوئی آگ ہے۔''حقیقت میں جب خداوند متعال اپنے کسی بندہ کواپنے بندوں کے امورکی اصلاح کے لئے منتخب کرتاہے،تواس کے سینہ میں وسعت عطاکرتاہے،اس کے دل میں حکمت کے چشمے قراردیتاہے اوراسے ایک ایسے علم سے نوازتاہے کہ اس کے بعدکسی سوال کا جواب دینے میں عاجز نہیں ہوتااورراہ حق سے منحرف نہیں ہوتا ہے۔پس اس

(امام)معصوم کو خدائے متعال کی طرف سے توفیق اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ ہر قسم کی خطا،لغزش اور فروگذاشت سے محفوظ ہوتاہے۔ خدائے متعال نے اسے ان صفات کا امتیاز بخشاہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر حجت اور اس کی مخلوقات پر گواہ رہے اوریہ بخشش وکرم خدا کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا عطا کرتا ہے اورخداوند متعال بڑا کریم ہے۔کیالوگوں میںیہ طاقت ہے کہ اس قسم کے کسی شخص کا انتخاب کریں یاان کا منتخب کردہ نمائندہ اس قسم کا ہو؟بیت اللہ کی قسم!ان لوگوں نے حق سے تجاوزکیا ہے اور نادانی کی صورت میں کتاب خدا سے منہ موڑلیاہے،جبکہ ہدایت اورشفاکتاب خدا میں ہے۔انہوں نے کتاب الٰہی کوچھوڑکراپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی ہے۔ خدائے متعالی نے بھی ان کی مذمت کی اورانھیں دشمن قراردیتے ہوئے قعر مذلت میں ڈال دیااورفرمایا:(ومن أضلّ ممن ہواہ بغیر ہدی من اللہ۔)''اوراس سے زیادہ گمراہ کون ہے جوہدایت الٰہی کے علاوہ اپنی خواہشات کااتباع کرلے جبکہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ ''اورفرمایا:(فتعساً لہم وأضلّ اعمالہم۔)''وہ نابود اور ہلاک ہو جائیں اوران کے اعمال برباد ہو جائیں۔ ''اورفرمایا:(کبر مقتاً عنداللہ۔)''وہ اللہ اورصاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اوراللہ اس طرح ہر مغروراور سرکش انسان کے دل پر مہر لگاتا ہے۔ ''خدا کی بے شمار رحمتیں اور درودوسلام حضرت محمدؐ اوران کے خاندان پر۔

دوسرا باب

امامت آیہء مباہلہ کی روشنی میں نجران کے عیسائی اوران کا باطل دعویٰ(فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندعُ أبناء نا و أبناءکم و نساء نا و نساءکم و أنفسنا و أنفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین[1] ''(پیغمبر!) علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے (حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں) کٹ حجتی کریں،ان سے کہ دیجئے کہ چلو ہم لوگ اپنے اپنے فرزند،اپنی عورتوں اوراپنے اپنے نفسوں کودعوت دیں اورپھرخداکی بارگاہ میں دعا کریں اورجھوٹوں پرخداکی لعنت کریں'' آیہء شریفہ میں گفتگونجران کے عیسائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کوخداجانتے تھےاوران کے بغیرباپ کے پیداہونے کی وجہ سے ان کے خدا ہونے کی دلیل تصورکرتے تھے۔اس سے پہلی والی آیت میآیاہے: (إن مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون[2] ''بیشک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیااورپھرکہا کہ ہوجاؤ تو وہ خلق ہوگئے۔''مذکورہ آیت ان کے دعوے کوباطل کرتی ہے۔

یعنی اگرتم لوگ حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کے بارے میں بغیرباپ کے پیداہونے کے سبب ان کے خدا ہونے کے قائل ہوتوحضرت آدم علیہ لسلام ماں اورباپ دونوں کے بغیرپیداہوئے ہیں،اس لئے وہ زیادہ حقدار وسزاوارہیں کہ تم لوگ ان کی خدائی کے معتقدہوجاؤ۔اس قطعی برہان کے باوجود انہوں نے حق کوقبول کرنے سے انکارکیااوراپنے اعتقادپرڈٹے رہے۔بعدوالی آیت میں خدائے متعال نے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب کرکے حکم دیاکہ انھیں مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔اگرچہ اس آیت(آیہء مباہلہ)کے بارے میں بہت سی بحث ہیں،لیکن جوبات یہاں پرقابل توجہ ہے،وہ اہل بیت علیہم السلام،خاص کرحضرت علی علیہ

---

[1] آل عمران،۶۱
[2] آل عمران،۵۹

السلام کے بارے میں چند نکات ہیں،جوآنحضرت ﷺ کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے تھے۔مذکورہ آیہء شریفہ اوراس سے مربوط احادیث کی روشنی میں ہونے والی بحثیں مندرجہ ذیل پانچ محور پر استوار ہے:ا۔پیغمبراکرم ﷺ مأمور تھے کہ مباہلہ کے لئے کن لوگوں کواپنے ساتھ لائیں؟

۲۔ان کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد کیا تھا؟

۳۔آیہء شریفہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کن افراد کواپنے ساتھ لائے؟

۴۔آیہء مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا مقام اوریہ کہ آیہء شریفہ میں حضرت علی علیہ السلام کونفس پیغمبر ﷺ کہا گیاہے نیزاس سے مربوط حدیثیں۔

۵۔ان سوالات کا جواب کہ مذکورہ آیت کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا محورآیہء مباہلہ میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ پہلی بحث یہ کہ پیغمبراسلام ﷺ کو مباہلہ کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کن افرادکودعوت دینی چاہئے تھی،اس سلسلہ میںآیہء شریفہ میں غوروخوض کے پیش نظردرج ذیل چند مسائل ضروری دکھائی دیتے ہیں:

الف:''ابناءنا''اور''نساءنا''سے مرادکون لوگ ہیں؟

ب:''انفسنا''کا مقصودکون ہے؟

(تعالواندع أبناءناو أبناءکم۔۔۔)

ابناء ابن کا جمع ہے یعنی بیٹے،اورچونکہ''ابناء کی''،ضمیر متکلم مع الغیر یعنی''نا''کی طرف نسبت دی گئی ہے،ا اوراس سے مرادخودآنحضرت ﷺ ہیں،اس لئے آنحضرت ﷺ کوکم ازکم تین افراد،جوان کے بیٹے ثمارہوں،کومباہلہ کے لئے اپنے ہمراہ

لانا چاہئے۔)۔ونساءنا ونساءکم۔ ''(نساء''اسم جمع ہے عورتوں کے معنی میں اور ضمیر متکلم مع الغیر یعنی ''نا''کی طرف اضافت دی گئی ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گھرانے میں موجود تمام عورتوں (چنانچہ جمع مضاف کی دلالت عموم پر ہوتی ہے)یاکم ازکم تین عورتوں کو (جوکم سے ا۔اس آیہء شریفہ میں استعمال کئے گئے متکلم مع الغیر والی ضمیریں،معنی کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ ''ندع''میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ وآنحضرت علیہ السلام یعنی نصاریٰ مقصود ہے.

،اور ''ابناء''،''نساء''و''انفس''اس سے خارج ہیں۔اور ''ابنائنا،''نساء نا''اور ''انفسنا''میں خودپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم مقصود ہیں اور طرف مباہلہ اورابناء،نساء اور انفس بھی اس سے خارج ہیں۔ ''نبتھل''میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ اور ابناء،نساء اورانفس سب داخل ہیں۔کم جمع کی مقدار اور خاصیت ہے)مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے۔ اس بحث میں قابل ذکرہے،وہ ''أبناء ناونساء ناوأنفسنا''کی دلالت کا اقتضاہے اوربعدوالے جوابات محورمیں جومباہلہ کے ھدف اورمقصدپر بحث ہوگی وہ بھی اس بحث کا تکملہ ہے۔لیکن ''أبناء''اور ''نساء''کے مصادیق کے عنوان سے کتنے اورکون لوگ مباہلہ میں حاضرہوئے،ایک علیحدہ گفتگوہے جس پرتیسرے محورمیں بحث ہوگی۔ (وانفسنا وانفسکم۔)انفس،نفس کی جمع ہے اورچونکہ یہلفظ ضمیر متکلم مع الغیر ''نا''(جس سے مقصود خودآنحضرت ﷺ کی ذات ہے)کی طرف مضاف ہے،اس لئے اس پر دلالت کرتاہے کہ پیغمبراسلام ﷺ کو (جمع کے اقتضاکے مطابق)کم ازکم تین ایسے افراد کومباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے جوآپؐ کے نفس کے زمرے میں آتے ہوں۔ کیا ''أنفسنا''خودپیغمبراکرم (ص)پرقابل انطباق ہے؟اگر چہ ''أنفسنا''میں لفظ نفس کا اطلاق اپنے حقیقی معنی میں صرف رسول اللہ ﷺ کے نفس مبارک پرہے،لیکن آیہء شریفہ میں موجود قرائن کے پیش نظر ''أنفسنا''میں لفظ نفس کوخودآنحضرت ﷺ پراطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ قرائن حسب ذیل ہیں:ا۔ ''أنفسنا''جمع ہے اورہرفرد کے لئے نفس ایک سے زیادہ نہیں ہوتاہے۔ ۲۔جملہء (فقل تعالواندع)آنحضرت ﷺ کواس کے حقیقی معنی میں دعوت دینے کاذمہ دارقراردیتا ہے اور حقیقی دعوت کبھی خودانسان سے متعلق نہیں ہوتی ہے،یعنی انسان خودکودعوت دے،یہ معقول نہیں ہے۔

اس بناء پر بعض لوگوں نے تصور کیا ہے کہ ''فطوعت لہ نفسہ'' یا ''دعوت نفسی'' جیسے استعمال میں ''دعوت'' (دعوت دینا) جیسے افعال نفس سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہ اس نکتہ کے بارے میں غفلت کا نتیجہ ہے کہ یہاں پر یا تو یہ ''نفس'' خود انسان اور اس کی ذات کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے یا ''دعوت سے مراد '' (دعوت دینا) حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ''فطوعت لہ نفسہ قتل أخیہ'' کی مثال میں نفس کا مقصود انسان کی نفسانی خواہشات ہے اور اس جملہ کا معنی یوں ہے ''اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے لئے اپنے بھائی کو قتل کرنا آسان کر دیا'' اور ''دعوت نفسی'' کی مثال میں مقصود اپنے آپ کو کام انجام دینے کے لئے مجبور اور آمادہ کرنا ہے اور یہاں پر دعوت دینا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ جو نفس سے متعلق ہو۔

۳۔ ''ندع'' اس جہت سے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے اس لئے نفس پر دلالت کرتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے، کہ دوسروں کو دعوت دینے والا خود مباہلہ کا محور ہو، اور وہ خود کو بھی دعوت دے دے۔

دوسرا محور:

مباہلہ میں اہل بیت رسول ﷺ کے حاضر ہونے کا مقصد پیغمبر اسلام ﷺ کو کیوں حکم ہوا کہ مباہلہ کرنے کے واسطے اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لائیں، جبکہ یہ معلوم تھا کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان دعویٰ ہے اور اس داستان میں ایک طرف خود پیغمبر ﷺ اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کے نمائندے تھے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد صرف آنحضرت ﷺ کی بات سچی ہونے اور ان کی دعوت صحیح ہونے کے سلسلہ میں لوگوں کو اطمینان و یقین دکھلانا تھا، کیونکہ انسان کے لئے اپنے عزیز ترین اشخاص کو اپنے ساتھ لانا صرف اسی صورت میں معقول ہے کہ انسان اپنی بات اور دعویٰ کے صحیح ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اور اس طرح کا اطمینان نہ رکھنے کی صورت میں گویا اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور کوئی بھی عقلمند انسان ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چند اشخاص کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کے حوالے سے یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس

خاندان کامیدان مباہلہ میں حاضر ہونااور اس میں شرکت کرناان کے لئے کسی قسم کی فضیلت اورقدر منزلت کاباعث نہیں ہوسکتاہے،جبکہ آیہء شریفہ اوراس کے ضمن میں بیان ہونے والی احادیث میں غوروخوض کرنے سے معلوم یہ ہوتاہے کہ اس ماجرامیں پیغمبراسلام ﷺ کے ہمراہ جانے والوں کے لئے ایک بڑی فضیلت ہے۔اہل سنت کے ایک بڑے عالم علامہ زمخشری کہتے ہیں''وفیہ دلیل لاشیء اقویٰ منہ علی فضلہ اصحاب الکساء''[1]آیہء کریمہ میں اصحاب کساء(علیہم السلام)کی فضیلت پرقوی ترین دلیل موجود ہے''آلوسی کاروح المعانی میں کہناہے''و دلالتہا علی فضل آل اللہ و رسولہ ﷺ مما لایمتری فیہامؤمن والنصب جازم الایمان[2]''آیہ کریمہ میںآل پیغمبر ﷺ کہ جوآل اللہ ہیں ان کی فضیلت ہے اوررسول اللہ ﷺ کی فضیلت،ایسے امور میں سے ہے کہ جن پرکوئی مؤمن شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے اور خاندان پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت ایمان کونابودکردیتی ہے''اگرچہ آلوسی نے اس طرح کی بات کہی ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والی سطروں میں اس نے ایک عظیم فضیلت کو خاندان پیغمبر ﷺ سے موڑنے کی کوشش کی ہے[3]۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند متعال نے کیوں حکم دیاکہ اہل بیت علیہم السلام پیغمبراکرم ﷺ کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے حاضر ہوں؟اس سوال کے جواب کے لئے ہم پھرسے آیہء شریفہ کی طرف پلٹتے ہیں(۔۔۔فقل تعالوا ندع أبناءنا و أبناءکم و نساءنا و نساءکم وأنفسنا وأنفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین)آیہء شریفہ میں پہلے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے''أبناء''،''نساء''اور''أنفس''کودعوت دینااورپھردعاکرنااورجھوٹوں پرخداکی لعنت قراردینابیان ہواہے۔آیہء مباہلہ میں اہل بیت رسول(ص)کی فضیلت وعظمت کی بلندی مفسرین نے کلمہ''ابتہال''کودعامیں تضرع یانفرین اورلعنت بھیجنے کے معنی میں لیاہے اوریہ دونوں معنی ایک دوسرے سے منا فات نہیں رکھتے ہیں اور''ابتہال''کے یہ دونوں معانی ہوسکتے ہیں۔ آیہء شریفہ میں دوچیزیں بیان کی گئی ہیں،ایک ابتہال جو''نبتہل''کی لفظ سے استفادہ ہوتاہے اوردوسرے''ان لوگوں پرخدا کی

---

[1] تفسیرالکشاف،ج۱،ص۳۷۰،دارالکتاب العربی ،بیروت۔
[2] روح المعانی،ج۳،ص۱۸۹،داراء احیاء التراث العربی ،بیروت
[3] اس کے نظریہ پراعتراضات کے حصہ میں تنقید کریں گے۔

لعنت قرار دینا جو اس سلسلہ میں جھوٹے ہیں'' (فنجعل لعنتاللہ علی الکاذبین) کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک کے لئے خارج میں ایک خاص مفہوم اور مصداق ہے دوسرا فقرہ جو جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا ہے پہلے فقرے ابتہال پر ''فاء'' کے ذریعہ کہ جو تفریع اور سببیت کے معنی میں ہے عطف ہے۔ لہذا، اس بیان کے پیش نظر پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کا تضرع (رجوع الی اللہ) ہے اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت اور عقوبت کا مرتب ہونا اس کا معلول ہے، اور یہ ایک بلند مقام ہے کہ خدا کی طرف سے کافروں کو ہلاک کرنا اور انھیں سزا دینا پیغمبر اسلام ﷺ اور آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ انجام پائے۔ یہ مطلب آنحضرت ﷺ کے اہل بیت (علیہم السلام) کی ولایت تکوینی کی طرف اشارہ ہے، جو خداوند متعال کی ولایت کے برابر ہے۔ اگر کہا جائے کہ: (فنجعل لعنتاللہ) میں ''فاء'' اگرچہ ترتیب کے لئے ہے لیکن ایسے موقع پر ''فاء'' کے بعد والا جملہ اس کے پہلے والے جملہ کے لئے مفسر قرار پاتا ہے اور وہ ترتیب کہ جس پر کلمہ ''فاء'' دلالت کرتا ہے وہ ترتیب ذکری ہے جیسے: (ونادیٰ نوح ربہ فقال رب إن ابنی من أہلی[1]) ''اور نوح نے اپنے پروردگار کو آواز دی کہ پروردگارا میرا فرزند میری اہل سے ہے۔

یہاں پر جملہ ''فقال۔۔'' جملہ ''فنادیٰ'' کو بیان (تفسیر) کرنے والا ہے۔ جواب یہ ہے: اولاً: جس پر کلمہ ''فاء'' دلالت کرتا ہے وہ ترتیب و تفریع ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ ''جن دو جملوں کے درمیان ''فاء'' نے رابطہ پیدا کیا ہے، ان دونوں جملوں کا مضمون ہے کہ دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پر مترتب ہے'' اور یہ ''فاء'' کا حقیقی معنی اور تفریع کا لازمہ ہے۔ یعنی ترتیب ذکری پر ''فاء'' کی دلالت اس کے خارج میں دو مضمون کی ترتیب کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ لفظ اور کلام میں ترتیب ہے لہذا اگر اس پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کلام کو اس پر حمل نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں آیہء شریفہ آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لئے ایک عظیم

---

[1] ہود، ۴۵

مرتبہ پر دلالت رہی ہے کیونکہ ان کی دعا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے برابر ہے اور مجموعی طور پر یہ دعا اس واقعہ میں جھوٹ بولنے والوں پر ہلاکت اور عذاب الٰہی نازل ہونے کا باعث ہے۔

دوسرے یہ کہ: جملہء ''فنجعل لعنۃ اللہ''میں مابعد ''فاء''جملہء سابق یعنی ''نبتھل'' کے لئے بیّن اور مفسر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتاہے، کیونکہ دعا کرنے والے کا مقصد خدا سے طلب کرنا ہے نہ جھوٹوں پر لعنت کرنا۔ اس صفت کے پیش نظر اس کو لعنت قرار دینا (جو ایک تکوینی امر ہے) پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے مستند ہے اور دوسرے ''فاء''تفریع کے ذریعہ ان کی دعا پر متوقف ہے۔ گویا اس حقیقت کا ادراک خود نجران کے عیسائیوں نے بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم فخر رازی کی تفسیر میں ذکر کئے گئے حدیث کے ایک جملہ پر توجہ کرتے ہیں '': ۔فقال أسقف نجران: یا معشر النصاریٰ! إنّی لأری وجوھاً لو سألو اللہ أن یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بہا فلا تباہلوا فتہلکوا ولایبقی علی وجہ الأرض نصرانی إلیٰ یوم القیامۃ۔[1] ''نجران کے (عسائی) پادریان نورانی چہروں کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئے اور بولے اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹلنے کا مطالبہ کریں تو وہ ضرور اپنی جگہ سے کھسک جائیں گے۔ اس لئے تم ان سے مباہلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہوجاؤگے اور زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔''

غور کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ آیہء شریفہ کے مضمون میں درج ذیل امورواضح طور پر بیان ہوئے ہیں: ا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنے اہل بیت علیہم السلام کو اپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ آپؐ کے ساتھ اس فیصلہ کن دعا میں شریک ہوں اور مباہلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے مشترک طور پر انجام پائے تاکہ جھوٹوں پر لعنت اور عذاب نازل ہونے میں مؤثر واقع ہو۔

[1] التفسیر الکبیر، فخر رازی، ج۸، ص۸۰، داراحیاء التراث العربی۔

۲۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپکے اہل بیت (ع)کاایمان و یقین نیز آپ کی رسالت اور دعوت کا مقصد تمام لوگوں کے لئے واضح ہوگیا۔

۳۔اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کا بلند مرتبہ نیزاہل بیت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت دنیاوالوں پرواضح ہوگئی۔

اب ہم یہ دکھیں گے کہ پیغمبراسلام(ص) ''أبنائنا''(اپنے بیٹوں) ''نساءنا''(اپنی عورتوں)اور ''أنفسنا''(اپنے نفسوں)میں سے کن کواپنے ساتھ لاتے ہیں؟

تیسرا محور

مباہلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ کس کو لے گئےشیعہ اور اہل سنّت کااس پراتفاق ہے کہ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لئے علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اورکواپنے ساتھ نہیں لائے۔اس سلسلہ میں چندمسائل قابل غورہیں:الف:وہ احادیث جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کامیدان مباہلہ میں حاضرہونابیان کیاگیاہے۔ب:ان احادیث کا معتبراور صحیح ہونا۔ج۔اہل سنّت کی بعض کتابوں میں ذکرہوئی قابل توجہ روایتیں۔ مباہلہ میں اہل بیت رسول(ص)کے حاضر ہونے کے بارے میں حدیثیں ا۔اہل سنّت کی حدیثیں:چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر روئے سخن اہل سنّت کی طرف ہے لہذااکثرانھیں کے منابع سے احادیث نقل کی جائیں گی۔نمو نہ کے طورپراس حوالے سے چنداحادیث نقل کی جا رہی ہیں:پہلی حدیث:صحیح مسلم[1]سنن ترمذی[2]اورمسنداحمد[3]میںیہ حدیث نقل ہوئی ہےجس کی متفق اور مسلم لفظیں یہ ہیں'':حدثنا قتیبة بن سعید و محمد بن عباد۔۔۔قالا:حدثنا حاتم (وہوابن اسماعیل)عن بکیربن مسمار،عن عامربن سعدبن أبی وقاص،عن أبیہ،قال:أمر معاویہ بن أبی فیان

[1] صحیح مسلم،ج۵،ص۲۳کتاب فضائل الصحابۃ،باب من فضائل علی بن ابیطالب،ح۳۲،موسسۂ عزالدین للطباعۃوالنشر
[2] سنن ترمذی،ج۵،ص۵۶۵ دار الفکر
[3] مسنداحمد،ج،۱،ص۱۸۵،دارصادر،بیروت

سعداً فقال: ما منعک أن تسب أبا التراب؟ فقال: أمّا ما ذکرتُ ثلاثاً قالهن له رسوالله ﷺ فلن أسبّه ۔ لأن تکون لی واحدۃ منهن أحبّ إلیّ من حمر النعم ۔ سمعت رسول لله ﷺ یقول له لمّا خلفه فی بعض مغازیه فقال له علیّ: یا رسول اللہ، خلفتنی مع النساء والصبیان؟ فقال له رسول اللہ ﷺ: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلة ہارون من موسی إلّا انه لانبوۃ بعدی؟و سمعته یقول یوم خیبر: لأعطینّ الرایة رجلاً یحب اللہ و رسوله و یحبه اللہ و رسوله۔ قال: فتطاولنا لها ۔ فقال: أُدعو الی علیاً فأتی به أرمد، فبصق فی عینه ودفع الرایة إلیه،ففتح اللہ علیه۔ ولمّانزلت ہذہ الایة(۔۔۔فقل تعا لواندع ابناء ناوابناء کم)دعارسول اللہ۔صلی اللہ علیه وسلم ۔علیاًوفاطمةوحسناًوحسیناً، فقال:اللهمّ ہؤلاء أہلی'' ۔ ''قتیبهبن سعید اور محمد بن عبادنے ہمارے لئے حدیث نقل کی... عامربن سعدبن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ(سعد بن ابی وقاص)سے کہ معاویہ نے سعدکوحکم دیااورکہا: تمھیں ابوتراب(علی بن ابیطالب علیه السلام)کودشنام دینے اور برا بھلا کہنے سے کونسی چیز مانع ہوئی(سعدنے)کہا:مجھے تین چیزیں(تین فضیلتیں)یاد ہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیه وآله وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے،لہذا میں انھیں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہوں گا ۔اگر مجھ میں ان تین فضیلتوں میں سے صرف ایک پائی جاتی تووہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب ترہوتی:ا۔میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے سنا ہے ایک جنگ کے دوران انھیں(حضرت علی علیه السلام)مدینہ میں اپنی جگہ پررکھا تھااورعلی(علیه السلام)نے کہا:یارسول اللہ!کیاآپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑرہے ہیں؟ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا:کیاتم اس پرراضی نہیں ہوکہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہوجو ہارون کی(حضرت)موسی(علیه السلام)کے ساتھ تھی،صرف یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا؟

۲۔میں نے(رسول خدا ﷺ)سے سنا ہے کہ آپ نے روز خیبر علیؑ کے بارے میں فرمایا:بیشک میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جوخدا ورسول ﷺ کو دوست رکھتاہے اورخداورسول ﷺ اس کو دوست رکھتے ہیں۔(سعدنے کہا): ہم(اس بلندمرتبہ کے لئے)سراٹھاکر دیکھ رہے تھے(کہ آنحضرت ﷺ اس امر کے لئے ہمیں مقررفرماتے ہیںیانہیں؟)اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا: علی (علیه السلام) کو میرے پاس بلاؤ ۔ علی (علیه السلام) کو ایسی حالات میں آپکے پاس لایا گیا، جبکہ

ان کی آنکھوں میں درد تھا،آنحضرت ﷺ نے اپنا آب دہن ان کی آنکھوں میں لگا یا اور پرچم ان کے ہاتھ میں تھما دیا اور خدائے متعال نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

۳۔جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی:(قل تعالو اندع أبناءنا و أبناءکم و نساءنا و نساءکم و أنفسنا و أنفسکم۔۔۔)تو پیغمبر اکرم ﷺ نے علی،فاطمہ،حسن اور حسین(علیہم السلام)کو بلا کر فرمایا:خدایا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس حدیث سے قابل استفادہ نکات ا۔حدیث میں جو آخری جملہ آیا ہے:''اللّٰھمّ ھٰؤلاء أھلی''خدایا!یہ میرے اہل ہیں،اس بات پر دلالت کرتا ہے''أبناء''''نساء''اور''أنفس''جو آیہ شریفہ میں آئے ہیں،وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل ہیں۔

۲۔''أبناء''''نساء''و''أنفس''میں سے ہر ایک جمع مضاف ہیں(جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا)اس کا اقتضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خاندان کے تمام بیٹوں،عورتوں اور وہ ذات جو آپ کا نفس کہلاتی تھی،سب کو میدان مباہلہ میں لائیں،جبکہ آپؐ نے''أبناء''میں سے صرف حسن و حسین علیہما السلام کو اور''نساء''سے صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اور''أنفس''سے صرف حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لایا۔اس مطلب کے پیش نظر جو آپ نے یہ فرمایا:''خدایا یہ میرے اہل ہیں''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اہل صرف یہی حضرات ہیں اور آنحضرت ﷺ کی بیویاں اس معنی میں آپکے اہل کے دائرے سے خارج ہیں۔

۳۔''اہل''اور''اہل بیت''کے ایک خاص اصطلاحی معنی ہیں جو پنجتن پاک کہ جن کو آل عبا اور اصحاب کساء کہا جاتا ہے،ان کے علاوہ دوسروں پر اس معنی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔یہ مطلب،پیغمبر اسلام ﷺ کی بہت سی احادیث سے کہ جو آیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری مناسبتوں سے بیان کی ہیں گئی بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری حدیث :فخررازی نے تفسیرکبیرمیںآیہء مباہلہ کے ذیل میں لکھاہے'':روی أنّہ علیہ السلام لمّا أورد الدلائل علی نصاری نجران،ثمّ إنّہم أصروا علی جہلہم، فقال علیہ السلام إن اللہ أمرنی إن لم تقبلوا الحجۃأن أباہلکم ۔ فقالوا : یا أبا القاسم،بل نرجع فننظر فی أمرنا ثمّ نأتیک۔ فلمّا رجعوا قالوا للعاقب وکان ذارأیہم :یا عبدالمسیح، ماتری؟ فقال: و اللہ لقد عرفتم یا معشر النصاری أن محمداً نبیّ مرسل و لقد جاء کم بالکلام الحق فی أمر صاحبکم و اللہ ما باہل قوم نبیاً قط فعاش کبیرہم و لا نبت صغیرہم! و لئن فعلتم لکان الاستئصال، فإن أبیتم إلاّ الإصرار علی دینکم و الإقامۃ علی ما أنتم علیہ فوادعوا الرجل و انصرفوا إلی بلادکم ۔ و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج وعلیہ مرط من شعرأسود، وکان قد احتضن الحسین وأخذ بید الحسن، و فاطمہ تمشی خلفہ وعلی علیہ السلام خلفہا، و ہو یقول:إذا دعوت فأمّنوا فقال أسقف نجران: یا معشر النصاری!إنّی لأری وجوہاً لو سألوا اللہ أن یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بہا! فلا تباہلوا فتہلکوا، و لایبقی علی وجہ الأض نصرانیّ إلی یوم القیامۃ۔ ثمّ قالوا : یا أبا القاسم !رأینا أن لانباہلک و أن نقرّک علی دینک فقال: صلوات اللہ علیہ فإذا أبیتم المباہلۃ فاسلموا یکن لکم ما للمسلمین، و علیکم ما علی المسلمین، فأبوا، فقال: فإنیّ أناجزکم القتال، فقالوا مالنا بحرب العرب طاقۃ، ولکن نصالک علی أن لا تغزونا و لاتردّنا عن دیننا علی أن نؤدّی إلیک فی کل عام ألفی حلّۃ:ألفاً فی صفر و ألفافی رجب، و ثلاثین درعاً عادیۃ من حدید، فصالحہم علی ذلک۔ وقال: والّذی نفسی بیدہ إن الہلاک قد تدلّی علی أہل نجران، ولولاعنوا لمسخوا قردۃ و خنازیر و لاضطرم علیہم الوادی ناراً ولاستأصل اللہ نجران وأہلہ حتی الطیر علی رؤس الشجر و لما حالا لحوال علی النصاری کلّہم حتی یہلکوا و روی أنّہ علیہ السلام لمّ خرج فی المرط الأسود فجاء الحسن علیہ السلام فأدخلہ، ثمّ جاء الحسین علیہ السلام فأدخلہ ،ثمّ فاطمۃ علیہا السلام ثمّ علی علیہ السلام ثمّ قال:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہّرکم تطہیراً)واعلم أن ہذہ الروایۃ کالمتّفق علی صحتّہا بین أہل التّفسیر والحدیث[1]۔ ''جب پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پردلائل واضح کردئے اور انہوں نے اپنی نادانی اور جہل پراصرارکیا،توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :خدائے متعال نے مجھے حکم دیاہے اگرتم لوگوں نے دلائل کوقبول نہیں کیا توتمہارے ساتھ مباہلہ کروں گا۔ ''(انہوں نے)کہا :اے اباالقاسم !ہم واپس

---

[1] تفسیرکبیرفخر رازی،ج۸،ص،۸،داراحیاء التراث العربی۔

جاتے ہیں تاکہ اپنے کام کے بارے میں غوروفکر کرلیں،پھرآپکے پاس آئیں گے۔جب وہ (اپنی قوم کے پاس)واپس چلے گئے،انھوں نے اپنی قوم کے ایک صاحب نظر کہ جس کا نام ''عاقب''تھا اس سے کہا :اے عبدالمسیح!اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟اس نے کہا :اے گروہ نصاریٰ!تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کوپہچانتے ہواور جانتے ہووہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔اورآپ کے صاحب(یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام)کے بارے میں حق بات کہتے ہیں۔خداکی قسم کسی بھی قوم نے اپنے پیغمبرسے مباہلہ نہیں کیا،مگر یہ کہ اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو گئے ۔چنانچہ اگرتم نے ان سے مباہلہ کیاتو سب کے سب ہلاک ہوجاؤگے۔ اس لئے اگراپنے دین پرباقی رہنے کے لئے تمھیں اصرار ہے توانہیں چھوڑکراپنے شہر واپس چلے جاؤ۔پیغمبراسلام ﷺ(مباہلہ کے لئے)اس حالت میں باہرتشریف لائے کہ حسین(علیہ السلام)آپکی آغوش میں تھے،حسن(علیہ السلام)کاہاتھ پکڑے ہوئے تھے،فاطمہ (سلام اللہ علیہا)آپکے پیچھے اور علی(علیہ السلام)فاطمہ کے پیچھے چل رہے تھے۔آنحضرت ﷺفرماتے تھے:''جب میں دعامانگوں تو تم لوگ آمین کہنا''،نجران کے پادری نے کہا :اے گروہ نصاریٰ!میں ایسے چہروں کودیکھ رہاہوں کہ اگرخداسے دعا کریں کہ پہاڑاپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا ۔لہذاان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا،ورنہ تم لوگ ہلاک ہوجاؤگے اور روی زمین پرقیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: اے اباالقاسم!ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپؐ سے مباہلہ نہیں کریں گے۔پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اب جبکہ مباہلہ نہیں کررہے ہوتومسلمان ہوجاؤتاکہ مسلمانوں کے نفع ونقصان میں شریک رہو۔انہوں نے اس تجویزکوبھی قبول نہیں کیا۔آنحضرت ﷺنے فرمایا:اس صورت میں تمھارے ساتھ ہماری جنگ قطعی ہے۔انہوں نے کہا:عربوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔لیکن ہم آپ کے ساتھ صلح کریں گے تاکہ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں اور ہمیں اپنادین چھوڑنے پر مجبورنہ کریں گے،اس کے بدلہ میں ہم ہرسال آپ کودوہزارلباس دیں گے،ایک ہزار لباس صفرکے مہینہ میں اورایک ہزارلباس رجب کے مہینہ میں اورتیس ہزارآہنی زرہ اداکریں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تجویزکوقبول کر

لیااس طرح ان کے ساتھ صلح کرلی۔اس کے بعد فرمایا: قسم اس خداکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے،اہل نجران نابودی کے دہانے پرپہونچ چکے تھے،اگر مباہلہ کرتے توبندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہوجاتے اور جس صحرامیں سکونت اختیار کرتے اس میں آگ لگ جاتی اور خدا وندمتعال نجران اوراس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتا یہاں تک کہ درختوں پر موجود پرندے بھی ہلاک ہوجاتے اورایک سال کے اندراندرتمام عیسائی صفحہء ہستی سے مٹ جاتے۔روایت میں ہے کہ جب پیغمبراکرم ﷺ، اپنی پشمی کالی رنگ کی عبا پہن کر باہر تشریف لائے(اپنے بیٹے)حسن(علیہ السلام)کوبھی اس میں داخل کر لیا،اس کے بعد حسین(علیہ السلام) آگئے انہیں بھی عبا کے نیچے داخل کیا اس کے بعد علی و فاطمہ (علیہا السلام) تشریف لائے اس کے بعد فرمایا: (إنمایریداللہ۔۔۔)''پس اللہ کاارادہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر طرح کی کثافت وپلیدی سے دوررکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔''علامہ فخر رازی نے اس حدیث کی صحت و صداقت کے بارے میں کہا ہے کہ تمام علماء تفسیر و احادیث کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ہے۔''

حدیث میں قابل استفادہ نکات:اس حدیث میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:ا۔اس حدیث میں رسول ﷺ کے اہل بیت کاحضور اس صورت میں بیان ہواہے کہ خودآنحضرت ﷺ آگے آگے(حسین علیہ السلام)کوگود میں لئے ہوئے ،حسن(علیہ السلام)کاہاتھ پکڑے ہوئے جوحسین(علیہ السلام)سے قدرے بڑے ہیں اورآپکی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہاآپکے پیچھے اوران کے پیچھے(علیہ السلام) میں۔یہ کیفیت انتہائی دلچسپ اور نمایاں تھی۔کیونکہ یہ شکل ترتیب آیہء مباہلہ میں ذکرہوئی ترتیب و صورت سے ہم آہنگ ہے۔اس ہماہنگی کا درج ذیل ابعادمیں تجزیہ کیاجاسکتاہے:الف:ان کے آنے کی ترتیب وہی ہے جوآیہء شریفہ میں بیان ہوئی ہے۔یعنی پہلے ''أبناءنا''اس کے بعد ''نساءنا''اورپھرآخرپر ''أنفسنا''ہے۔

ب:یہ کہ رسول خدا ﷺ اپنے چھوٹے فرزند حسین بن علی علیہماالسلام کوآغوش میں لئے ہوئے اوراپنے دوسرے فرزند خورد سال حسن بن علی علیہماالسلام کاہاتھ پکڑے ہوئے ہیں،یہ آیہء شریفہ میں بیان ہوئے''بناء نا'' کی عینی تعبیرہے۔

ج۔بیچ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا قرار پانا اس گروہ میں ''نساء نا''کے منحصر بہ فرد مصداق کے لئے آگے اور پیچھے سے محافظ قرار دیا جانا،آیہء شریفہ میں ''نساء نا''کی مجسم تصویر کشی ہے۔

۲۔اس حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا:اذا دعوت فأ منوا''یعنی:جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا اور یہ وہی ا۔دعا کے بعد آمین کہنا،خدا متعال سے دعا قبول ہونے کی درخواست ہے۔ چیز ہے جو آیہء مباہلہ میآئی ہے:(نبتھل فنجعل لعنتاللہ علی الکاذبین)یہاں پر ''ابتھال''(دعا)کو صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی گئی ہے،بلکہ ''ابتھال''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعا کی صورت میں اور آپؐ کے ہمراہ آئے ہوئے اعزّہ واقربا کی طرف سے آمین کہنے کی صورت میں محقق ہونا چاہئے تاکہ (اس واقعہ میں)جھوٹوں پر ہلاکت اور عقوبت الٰہی واقع ہونے کا سبب قرار پائے،جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۳۔گروہ نصاریٰ کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و فضیلت کا اعتراف یہاں تک کہ ان کے نورانی و مقدس چہروں کو دیکھنے کے بعد مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا۔

تیسری حدیث:ایک اور حدیث جس میں ''أبناء نا''،''نساء نا''اور ''أنفسنا''کی لفظیں صرف علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام پر صادق آتی ہیں،وہ حدیث ''مناشدیوم الشوریٰ''ہے۔

اس حدیث میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام،اصحاب شوریٰ(عثمان بن عفان،عبد الرحمن بن عوف،طلحہ،زبیر اور سعد بن ابی وقاص)سے کہ جس دن یہ شوریٰ تشکیل ہوئی اور عثمان کی خلافت پر منتج و تمام ہوئی،اپنے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اس طرح سے کہ ان تمام فضیلتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہیں خدا کی قسم دیتے ہیں اور ان تمام فضیلتوں کو اپنی ذات سے مختص ہونے کا ان سے اعتراف لیتے ہیں۔

حدیث یوں ہے '':أخبر نا أبو عبد اللہ محمد بن إبرہم، أنا ابوالفضل أحمد بن عبدالمنعم بن أحمد ابن بندار، أنا أبوالحسن العتیقی، أنا أبوالحسن الدارقطنی، أنا أحمد بن محمد بن سعید، أنا یحی بن ذکریا بن شیبان، أنا یعقوب بن سعید، حدثنی ثنی أبو عبداللہ، عن سفیان الثوری، عن أبن إسحاق السبیعی، عن عاصم بن ضمرۃ و ہبیرۃ و عن العلاء بن صالح، عن المنهال بن عمرو، عن عباد بن عبداللہ الأسدی و عن عمرو بن و اثلۃ قالوا : قال علیّ بن أبی طالب یوم الشوری: واللہ لأحتجن علیهم بمالایستطیع قُرشیّهم و لا عربیّهم و لا عجمیّهم ردّه و لا یقول خلافه۔ ثمّ قال لعثمان بن عفان ولعبدالرحمن بن عوف و الزبیر و لطلحۃ وسعد و ہن أصحاب الشوری و کلّهم من قریش، و قد کان قدم طلحۃ أُنشدکم باللہ الذی لا إله إلّاہو، أفیکم أحد وحّد اللہ قبلی؟ قالوا :اللّهمَّ لا ۔ قال: أنشدکم باللہ، أفیکم أحد أخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم غیری، إذ آخی بین المؤمنین فأخی بینی و بین نفسه و جعلنی منه بمنزلۃ ہارون من موسی إلّا أنی لست بنبیَ؟ قالوا :لا ۔ قال: أنشدکم باللہ، أفیکم مطهَّر غیری، إذ سدّ رسول اللہ ﷺ أبوابکم و فتح بابی و کنت معه فی مساکنه و مسجده؟ فقام إلیه عمّه فقال: یا رسول اللہ، غلّقت أبوابنا و فتحت باب علیّ؟ قال: نعم، اللہ أمر بفتح با به وسدّ أبوابکم !!! قالوا :اللّهمّ لا ۔ قال: نشد تکم باللہ، أفیکم أحد أحب إلی للہ و إلی رسوله منّی إذ دفع الرایۃ إلیّ یوم خیبر فقال : لأعطین الرایۃ إلی من یحبّ اللہ و رسوله و یحبّه اللہ و رسوله، و یوم الطائر إذ یقول: ''اللّهمّ ائتنی بأحب خلقک إلیک یأکل معی''، فجئت فقال: ''اللّهمّ و إلی رسولک، اللّهمّ و إلی رسولک'' غیری؟[1] قالوا :اللّهمّ لا قال: نشد تکم باللہ، أفیکم أحد قدم بین یدی نجواه صدقۃ غیری حتی رفع اللہ ذلک الحکم؟ قالوا : اللّهمّ لا ۔ قال: نشد تکم باللہ، أفیکم من قتل مشرکی قریش و العرب فی اللہ و فی رسوله غیری؟ قالوا :اللّهمّ لا ۔ قال: نشد تکم باللہ، أفیکم أحد دعا رسول اللہ ﷺ فیا لعلم و أن یکون أُذنه الواعیۃ مثل ما دعالی؟ قالوا : اللّهمّ لا قال: نشد تکم باللہ، ہل فیکم أحد أقرب إلی رسول اللہ ﷺ فی الرحم و من جعله و رسول اللہ ﷺ نفسه و إبناء أبناءہ و۔۔۔غیری؟ قالوا :اللّٰهم لا[2]۔ اس حدیث کو عاصم بن ضمرۃ و ہبیرۃ اور عمرو بن وائلہ نے حضرت (علی علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن یوں فرمایا '':خدا کی قسم بیشک میں تمہارے سامنے ایسے استدلال پیش کروں گا کہ اہل عرب و عجم نیز قریش میں

[1] شائدمقصودیہ ہوکہ''خداوندا!تیرے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے نزدیک بھی محبوب ترین مخلوق علی(علیہ السلام ہیں۔''
[2] تاریخ مدینہ دمشق،ج۴۲،ص۴۳۱،دارالفکر

سے کوئی شخص بھی اس کو مسترد نہیں کر سکتا اور مذہبی اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں تمھیں اس خدا کی قسم دلاتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے،کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے خدائے واحد کی پرستش کی ہو۔؟ انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے! نہیں۔ آپ(ع)نے فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جو رسول ﷺ کا بھائی ہو،جب(آنحضرت ﷺ نے)مؤمنین کے درمیان اخوت اور برادری برقرار کی،اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میرے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ: ''تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کی موسی سے تھی سوائے اس کے کہ میں نبی نہیں ہوں''۔انہوں نے کہا: نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جسے پاک وپاکیزہ قرار دیا گیا ہو،جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف بند کر دیئے تھے اور میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور میں مسکن ومسجد کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ (اور آپؐ کے حکم میں)تھا،چچا(حضرت)عباس اپنی جگہ اٹھے اور کہا:اے اللہ کے رسول !ہمارے گھروں کے دروازے بند کر دیئے اور علی(علیہ السلام)کے گھر کا ادروازہ کھلا رکھا؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا:یہ خدائے متعال کی طرف سے ہے کہ جس نے ان کے دروازہ کو کھلا رکھنے اور آپ لوگوں کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا:خدا شاہد ہے،نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں،کیا تمہارے درمیان کوئی ہے جسے خدا اور رسول مجھ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں،جبکہ پیغمبر ﷺ نے خیبر کے دن علم اٹھا کر فرمایا ''بیشک میں علم اس کے ہاتھ میں دونگا جو خدا اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور جس دن بھنے ہوئے پرندہ کے بارے میں فرمایا: ''خدایا!میرے پاس اس شخص کو بھیج جسے تو سب سے زیادہ چاہتا ہے تاکہ وہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔''اور اس دعا کے نتیجہ میں،میا گیا۔میرے علاوہ کون ہے جس کے لئے یہ اتفاق پیش آیا ہو؟انہوں نے کہا:خدا شاہد ہے،نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس نے پیغمبر سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا ہو،یہاں تک کہ خدائے وند متعال نے اس حکم کو منسوخ کر

دیا؟ انہوں نے کہا ۔خدا شاہد ہے نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس نے قریش اور عرب کے مشرکین کو خدا اوراس کے رسول ﷺ کی راہ میں قتل کیا ہو؟ انہوں نے کہا :خدا گواہ ہے،نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس کے حق میں پیغمبراکرم ﷺ (افزائش) علم کے سلسلہ میں دعاکی ہواوراذن واعیہ(گوش شنوا) کا خدا سے مطالبہ کیاہو،جس طرح میرے حق میں دعاکی؟ انہوں نے کہا:خدا گواہ ہے،نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں کوئی ہے جو پیغمبراکرم ﷺ سے رشتہ داری میں مجھ سے زیادہ نزدیک ہواور جس کو پیغمبر خدا ﷺ نے اپنا نفس،اس کے بیٹوں کو اپنے بیٹے کہا ہو؟ انہوں نے کہا:خدا گواہ ہے،نہیں۔ ''

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد،کہ جنھیں پیغمبراکرم ﷺ اپنے ساتھ لائے تھے وہ،علی،فاطمہ،حسن،وحسین (علیہم السلام) کی ذات تک محدود ہیں۔

حدیث کا معتبراور صحیح ہونا :اہل سنت کی احادیث کے بارے میں ہم صرف مذکورہ احادیث ہی پراکتفا کرتے ہیں،اوران احادیث کے مضمون کی صحت کے بارے میں یعنی مباہلہ میں صرف پنجتن آل عبا (پیغمبرؐ کے علاوہ علی،فاطمہ حسن وحسین علیہم السلام) ہی شامل تھے اس حوالے سے صرف حاکم نیشابوری کے درج ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:وہ اپنی کتاب ''معرفةعلوم الحدیث''[1] میں پہلے آیہء مباہلہ کے نزول کو ابن عباس سے نقل کرتا ہے اور وہ انفسنا سے حضرت علی علیہ السلام، ''نساء نا'' سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ''أبناء نا'' سے حسن وحسین علیہما السلام مراد لیتا ہے۔اس کے بعد ابن عباس اور دوسروں سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی روایتوں کو متواتر جانتے ہوئے کہ اہل بیت (ع) کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش: ''ہؤلاء أبناء ناوأنفسنا ونساء نا'' کے سلسلہ میں یاددہانی کراتا ہے۔چنانچہ اس باب میں اصحاب کے ایک گروہ جیسے جابربن

[1] معر فۃ علوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

عبداللہ،ابن عباس اور امیر المؤمنین کے حوالے سے مختلف طرق سے احادیث نقل ہوئی ہیں،اس مختصر کتاب میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے،

اس لئے ہم حاشیہ میں بعض ان منابع کی طرف اشارہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں[1]۔شیعہ امامیہ کی احادیث شیعہ روایتوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں بہت سی فراوان احادیث موجود ہیں،یہاں پر ہم ان میں سے چند احادیث کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

پہلی حدیث امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ،جب نجران کے عیسائی پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آئے،ان کی نماز کا وقت ہو گیا وہیں پر گھنٹی بجائی اور (اپنے طریقہ سے)نماز پڑھنا شروع کیا۔اصحاب نے کہا:اللہ کے رسول یہ لوگ آپکی مسجد میںیوں عمل کررہے ہیں!آپ نے فرمایا:انھیں عمل کرنے دو۔جب نماز سے فارغ ہوئے،پیغمبر اکرم ﷺ کے قریب آئے اور کہا:ہمیں آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہو[2]؟

آپؐ نے فرمایا:اس کی دعوت دیتا ہوں کہ،خدائے واحد کی پرستش کرو،میں خدا کا رسول ہوں اور عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے مخلوق ہیں وہ کھاتے اور پیتے ہیں نیز قضائے حاجت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا:اگر وہ خدا کے بندے ہیں تو اس کا باپ کون ہے؟

---

[1] احکام القرآن ،جصاص،ج۲،ص۱۴دارالکتاب العربی بیروت، اختصاص مفید،ص۵۶،من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ، اسباب النزول ،ص۶۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت،اسد الغابۃ،ج۴،ص۲۵،داراحیاء التراث العربی بیروت الا صابہ،ج۲،جزء ۴،ص۲۷۱، البحر المحیط،ج۳،ص۴۷۹،داراحیاء التراث العربی بیروت،البدایۃ و النہایۃ،ج۵،ص۴۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت، البرہان،ج۱،ص۲۸۹، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، التاج الجامع للاصول،ج۳،ص۳۳۳،داراحیاء التراث العربی بیروت، تاریخ مدینہ دمشق،ج۴۲،ص۱۳۴، دارالفکر، تذکرہ خواص الامۃ،ص۱۷، چاپ نجف، تفسیر ابن کثیر،ج۱،ص۳۷۸،دارالنعرفۃ بیروت،تفسیربیضاوی،ج۱،ص۱۶۳،دارالکتب العلمیۃ بیروت،تفسیرخازن(الباب التأویل)،ج۱،ص۲۳۶،دارالفکر، تفسیر الرازی،ج۸،ص۸۰،داراحیاء التراث العربی بیروت،تفسیرالسمر قندی(بحرالعلوم)،ج۱ص۲۷۴دارالکتب العلمیۃ بیروت،تفسیرطبری،ج۳،ص۲۹۹-۳۰۱،دالفکر،تفسیر طنطاوی،ج۲،ص۱۳۰،دارالمعارف القاہرۃ، تفسیر علی بن ابراہیم قمی ،ج۱،ص۱۰۴، تفسیر الماوردی،ج۱،ص۳۸۹و۳۹۹،مؤسسۃالکتب الثقافیۃ،دارالکتب العلمیۃبیروت، التفسیر المنیر،ج۳،ص۲۴۸،۲۴۹،۲۴۵،دارالفکر، تفسیرالنسفی(درحاشیہء خازن)،ج۱،ص۲۳۶،دارالفکر،تفسیر

[2] النیشابوری،ج۳،ص۲۱۳،دارالمعرفۃ بیروت،تلخیص المستدرک،ج۳،ص۱۵۰،دارالمعرفۃ بیروت،جامع احکام لقرآن،قرطبی،ج۴،ص۱۰۴،دارالفکر، جامع الاصول،ج۹،ص۴۶۹داراحیاء التراث العربی،الجامع الصحیح للترمذی،ج۵،ص۵۹۶،دارالفکر، الدرالمنثور،ج۲،ص۲۳۳-۲۳۰،دارالفکر، دلائل النبوۃ ابونعیم اصفہانی،ص۲۹۷، ذخائر لعقبی،ص۲۵،مؤسسۃالوفاء بیروت، روح المعانی،ج۳،ص۱۸۹،داراحیاء التراث العربی، الریاض النضرۃ،ج۳،ص۱۳۴،دارالندوۃ الجدید بیروت، زاد المسیر فی علم التفسیر،ج۱،ص۳۳۹،دارالفکر، شواہد التنزیل،حاکم حسکانی،ج۱،ص۱۶۷-۱۵۵،مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیۃ، صحیح مسلم،ج۵،ص۲۳،کتاب فضائل الصحابۃ،باب فضائل علی بن ابی طالب ،ح۳۲،مؤ سسۃ عزّالدین، الصواعق المحرقۃ،ص۱۴۵،مکتبۃ القاہرۃ، فتح القدیر،ج۱،ص۳۱۶،ط مصر (بہ نقل احقاق)، فرائد السمطین،ج۲،ص۲۴،۲۳،مؤ سسۃالمحمودیبیروت، الفصول المہمۃ،ص۲۵-۱۲۶،۲۳-۱۲۷،منشورات الاعلمی، کتاب التسہیل لعلوم التنزیل ،ج۱،ص۱۰۹،دارالفکر، الکشاف،ج۱،دارالمعرفۃ بیروت، مدارج النبوۃ،ص۵۰۰بمبئی(بہ نقل احقاق)،المستدرک علی الصحیحن،ج۳،ص۱۵۰،دارالعرفۃبیروت،مسند احمد،ج۱،ص۱۸۵،دار صادربیروت، مشکوۃالمصابیح،ج۳،ص۱۷۳۱،المکتب الاسلامی، مصابیح السنۃ،ج۴،ص۱۸۳،دارالمعرفۃ بیروت، مطالب السؤل،ص۷،چاپ تہران، معالم التنزیل ،ج۱،ص۴۸۰،دارالفکر، معرفۃ اصول الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت، مناقب ابن مغازلی ،ص۲۶۳،المکتبۃ الاسلامیۃ تہران

پیغمبر خدا ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ اے رسول ان سے کہہ دیجئے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟وہ خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور کھاتے اور پیتے ہیں۔اور نکاح کرتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا:اگر خدا کے ہر بندے اور مخلوق کے لئے کوئی باپ ہونا چاہئے تو آدم علیہ السلام کا باپ کون ہے؟وہ جواب دینے سے قاصر رہے۔خدائے متعال نے درج ذیل دو آیتیں نازل فرمائیں:(إن مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ۔۔۔ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاء ک من العلم قل تعالوا ندع أبناء نا وأبناء کم ونساء نا ونساء کم وأنفسنا وأنفسکم[1]) ''عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہو جا تو وہ پیدا ہو گئے۔اے پیغمبر!علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ ٹھیک ہے تم اپنے فرزند،اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاؤ اور ہم بھی اپنے فرزند،اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں پھر خدا کی بارگاہ میں دونوں ملکر دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں'' پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:''میرے ساتھ مباہلہ کرو،اگر میں نے سچ کہا ہوگا تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہوگا اور اگر میں نے جھوٹ کہا ہوگا تو مجھ پر عذاب نازل ہوگا''انہوں نے کہا:آپؐ نے منصفانہ نظریہ پیش کیا ہے اور مباہلہ کو قبول کیا۔جب وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹے،ان کے سرداروں نے ان سے کہا:اگر محمد ﷺ اپنی قوم کے ہمراہ مباہلہ کے لئے تشریف لائیں،تو وہ پیغمبر نہیں ہیں،اس صورت میں ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں گے،لیکن اگر وہ اپنے اہل بیت(علیہم السلام)اور اعزہ کے ہمراہ تشریف لائیں تو ہم ان کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔

صبح کے وقت جب وہ میدان مباہلہ میں آگئے تو دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔اس وقت انہوں نے پوچھا:یہ کون لوگ ہیں؟ان سے کہا گیا:وہ مرد ان کا چچا زاد بھائی اور داماد علی بن ابیطالب ہیں اور وہ عورت ان کی بیٹی فاطمہ ہے اور وہ دو بچے حسن اور حسین(علیہما السلام)ہیں۔انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا:''ہم آپؐ کی رضایت کے طالب ہیں۔ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔''آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ صلح کی اور طے پایا کہ وہ جزیہ

---

[1] آل عمران ،۶۱

ادا کریں[1]دوسری حدیث سید بحرانی، تفسیر ''البرہان''میں ابن بابویہ سے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں '': حضرت (امام رضا علیہ السلام) نے مامون اور علماء کے ساتھ (عترت وامت میں فرق اور عترت کی امت پر فضیلت کے بارے میں)اپنی گفتگو میں فرمایا :جہاں پر خدائے متعال ان افراد کے بارے میں بیان فرماتاہے جو خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں،اور خدا اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کوحکم دیتاہے کہ مباہلہ کے لئے اپنے اہل بیت کو اپنے ساتھ لائیں اور فرماتاہے:(فقل:تعالوا ندع أبناء نا وأبناءکم ونساء نا ونساءکم وأنفسنا وأنفسکم)علماء نے حضرت سے کہا :آیہ میں ''أنفسنا''سے مراد خود پیغمبر ﷺ ہیں!امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔بلکہ ''أنفسنا''سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام)ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بنی ولیعہ سے فرمایا: ''أولأبعثن إلیهم رجلاً کنفسی''یعنی: ''بنی ولیعہ کواپنے امور سے دست بر دار ہو جا نا چاہئے،ورنہ میں اپنے مانند ایک مرد کوان کی طرف روانہ کروں گا۔''''أبنا ء نا''کے مصداق حسن وحسین (علیہما السلام)ہیں اور ''نساء نا''سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا)ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے،جس تک کوئی نہیں پہونچ سکااور یہ ایسی بلندی ہے جس تک انسان کاپہنچنااس کے بس کی بات نہیں ہے اور یہ ایسی شرافت ہے جسے کوئی حاصل نہیں کر سکتاہے۔یعنی علی (علیہ السلام)کے نفس کواپنے نفس کے برابر قرار دیا[2]۔

تیسری حدیث اس حدیث میں،ہارون رشید،موسی بن جعفر علیہ السلام سے کہتاہے:آپ کس طرح اپنے آپ کوپیغمبر ﷺ کی اولاد جانتے ہیں جبکہ انسانی نسل بیٹے سے پھیلتی ہے اورآپ پیغمبر ﷺ کی بیٹی کے بیٹے ہیں؟امام (علیہ السلام)نے اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہی ۔ہارون نے کہا :اس مسئلہ میںآپ کواپنی دلیل ضرور بیان کرنا ہوگی آپ فرزندان،علی علیہ السلام کا یہ دعوی ہے آپ لوگ قرآن مجید کامکل علم رکھتے ہیں نیز آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کاایک حرف بھی آپ کے علم سے خارج نہیں

[1] تفسیر علی بن ابراهیم،مطبعۃ النجف ،ج۱،ص۱۰۴،البرہان ج۱،ص۲۸۵
[2] تفسیر البرہان،ج۱،ص۲۸۹،مؤسسہ مطبو عاتی اسما عیلیان

ہے اوراس سلسلہ میں خداوندمتعال کے قول:(ما فرطنا فی الکتاب من شیء[1])
سے استدلال کرتے ہیں اوراس طرح علماء کی رائے اوران کے قیاس سے اپنے آپ کوبے نیاز جانتے ہو!
حضرت(امام موسی کاظم علیہ السلام)نے ہارون کے جواب میں اس آیہء شریفہ کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کوحضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت تایاگیا ہے:(و من ذرّیتہ داود و سلیمان و أیوب و یوسف و موسی و ہارون و کذٰلک نجزی
المحسنین زکریا و یحی و عیسی وإلیاس[2]۔ ۔)'اور پھرابراھیم کی اولاد میں داؤد، سلیمان،ایوب،یوسف،موسیٰ اورہارون قراردیا اور ہم اسی
طرح نیک عمل کرنے والوں کوجزادیتے ہیں۔اورزکریا،یحیٰ،عیسیٰ اورالیاس کو بھی رکھاجوسب کے سب نیک عمل انجام دینے
والے ہیں ۔''اس کے بعد امام (علیہ السلام)نے ہارون سے سوال کیا:حضرت عیسیٰ(علیہ السلام)کاباپ کون تھا؟اس نے
جواب میں کہا:عیسیٰ(علیہ السلام)بغیرباپ کے پیدا ہوئے ہیں۔امام (ع)نے فرمایا:جس طرح خدائے متعال نے جناب عیسی
کوحضرت مریم (سلام اللہ علیہا)کے ذریعہ ذریت انبیاء(علیہم السلام)سے ملحق کیاہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہ
زہراء سلام اللہ علیہاکے ذریعہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق فرمایاہے۔

اس کے بعد حضرت(ع)نے ہارون کے لئے ایک اور دلیل پیش کی اور اس کے لئے آیہء مباہلہ کی تلاوت کی اور فرمایا:کسی نے یہ
دعوی نہیں کیاہے کہ مباہلہ کے دوران پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اورکو زیرکساء داخل
کیاہو۔اس بناء پر آیہء شریفہ میں''أبناء نا''سے مرادحسن وحسین(علیہما السلام)''نساء نا''سے مرادفاطمہ (سلام اللہ علیہا)
اور''أنفسنا''سے مرادعلی علیہ السلام ہیں[3]۔

[1] انعام،۳۸
[2] انعام،۸۴۔۵
[3] البرہان ،ج۱،ص۲۸۹،مؤسسہ مطبو عاتی اسماعیلیان

چوتھی حدیث اس حدیث میں کہ جسے شیخ مفید نے ''الاختصاص'' میں ذکر کیا ہے۔ موسی بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا :پوری امت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ نے اہل نجران کو مباہلہ کے لئے بلایا تو زیر کساء (وہ چادر جس کے نیچے اہل بیت رسولؐ تشریف فرما تھے)علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔اس بناء پر خدائے متعال کے قول:(فقل تعالوا ندع أبناء نا و أبناء کم و نساء نا و نساء کم و أنفسنا و أنفسکم)میں ''أبناء نا'' سے حسن وحسین (علیہما السلام) ''نساء نا'' سے فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ''أنفسنا'' سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں[1]۔شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا سے ایک گفتگو صاحب گفتگو صاحب تفسیر ''المنار'' پہلے تو فرماتے ہیں کہ ''روایت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے باہلہ کے لئے علی (ع)وفاطمہ (س)اوران کے دونوں بیٹوں کہ خدا کا ان پر درودو سلام ہو کا انتخاب کیا اورانھیں میدان میں لائے اور ان سے فرمایا: ''اگر میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا'' روایت کو جاری رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ مسلم اور ترمذی کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں :استاد امام (شیخ محمد عبدہ)نے کہا ہے:اس سلسلہ میں روایتیں متفق علیہ ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے مباہلہ کے لئے علی (ع)فاطمہ (س)اوران کے بیٹوں کو منتخب کیا ہے اورآیہء شریفہ میں لفظ ''نساء نا'' فاطمہء کے لئے اور لفظ ''أنفسنا'' کا استعمال علی کے لئے ہوا ہے۔

لیکن ان روایتوں کا سرچشمہ شیعہ منابع ہیں (اورانہوں نے یہ احادیث گھڑلی ہیں)اور اس سے ان کا مقصد بھی معلوم ہے۔وہ حتی الامکان ان احادیث کو شائع و مشہور کرنا چاہتے ہیں اوران کی یہ روش بہت سے سنّیوں میں بھی عام ہو گئی ہے!لیکن جنھوں نے ان روایتوں کو گھڑا ہے،وہ ٹھیک طریقہ سے ان روایتوں کو آیتوں پر منطبق نہیں کر سکے ہیں،کیونکہ لفظ ''نساء'' کا استعمال کسی بھی عربی لغت میں کسی کی بیٹی کے لئے نہیں ہوا ہے،بالخصوص اس وقت جب کہ خود اس کی بیویاں موجود ہوں،اور یہ عربی لغت کے خلاف ہے اوراس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ ''أنفسنا'' سے مراد علی (ع)کو لیا جائے[2]استاد محمد عبدہ کی یہ بات کہ جن کا شمار بزرگ علماء

---

[1] المنار،ج ۳،ص۳۲۲،دار المعرفۃ بیروت

[2] الاختصاص،ص۵۶،من منشورات جماعۃالمدرسین فی الحوزۃالعلمیۃ

اور مصلحین میں ہوتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے ان روایتوں کی کثرت اور ان کے متفق علیہ ہونے کو تسلیم کیا ہے، پھر بھی انھیں جعلی اور من گھڑت کہا ہے۔

کیا ایک عام مسلمان، چہ جائیکہ ایک بہت بڑا عالم اس بات کی جرائت کر سکتا ہے کہ ایک ایسی حقیقت کو آسانی کے ساتھ جھٹلادے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی صحیح و معتبر سنّت میں مستحکم اور پائدار بنیاد رکھتی ہو؟! اگر معتبر صحاح اور مسانید میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل ہوئی ہے وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں کہ جو اہل سنّت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد دو معتبر ترین کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے، اس طرح بے اعتبار کی جائے، تو مذاہب اسلامی میں ایک مطلب کو ثابت کرنے یا مسترد کرنے کے سلسلہ میں کس منبع و ماخذ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟! اگر ائمہ مذاہب کی زبانی متواتر احادیث معتبر نہیں ہو ں گی تو پھر کونسی حدیث معتبر ہوگی؟! کیا حدیث کو قبول اور مسترد کرنے کے لئے کوئی قاعدہ و ضابطہ ہے یا ہر کوئی اپنے ذوق و سلیقہ نیز مرضی کے مطابق ہر حدیث کو قبول یا مسترد کر سکتا ہے؟ کیا یہ عمل سنّت رسول ﷺ کے ساتھ زیادتی اور اس کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟ شیخ محمد عبدہ نے آیہء شریفہ کے معنی پر دقت سے توجہ نہیں کی ہے اور خیال کیا ہے کہ لفظ ''نساء نا''، حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ جبکہ ''نساء نا''، خود اپنے ہی معنی میں استعمال ہوا ہے، رہا سوال رسول خدا ﷺ کی بیویوں کا کہ جن کی تعداد اس وقت نو تھی ان میں سے کسی ایک میں بھی وہ بلند مرتبہ صلاحیت موجود نہیں تھی اور خاندان پیغمبر ﷺ میں تنہا عورت، جو آپؐ کے اہل بیت میں شمار ہوتی تھیں اور مذکورہ صلاحیت کی مالک تھیں، حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) تھیں، جنھیں آنحضرت ﷺ اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے۔ انفسنا''، کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بحث ہو چکی ہے انشا اللہ بعد والے محور میں بھی اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔

---

[1] اس سلسلہ میں بحث، آیہء تطہیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک جعلی حدیث اوراہل سنّت کااس سے انکارمذکورہ روایتوں سے ایک دوسرا مسئلہ جوواضح ہوگیاوہ یہ تھاکہ خامس آل عبا (پنجتن پاک علیہم السلام)کے علاوہ کوئی شخص میدان مباہلہ میں نہیں لایاگیا تھا۔مذکورہ باتوں کے پیش نظربعض کتابوں میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کی گئی روایت کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہے،جس میں کہاگیاہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکراوران کے فرزندوں،عمراوران کے فرزندوں،عثمان اوران کے فرزندوں اورعلی علیہ السلام اوران کے فرزندوں کواپنے ساتھ لائے تھے۔ ایک تو یہ کہ علماء و محققین،جیسے آلوسی کی روح المعانی[1] میںیادہانی کے مطابق،یہ حدیث جمہورعلماء کی روایت کے خلاف ہے،اس لئے قابل اعتمادنہیں ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی سند میں چند ایسے افرادہیں جن پر جھوٹے ہونے کاالزام ہے،جیسے:سعیدبن عنبسہ رازی،کہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میںیحییٰ بن معین کے حوالے سے کہاہے کہ:''وہ انتہائی جھوٹ بولنے والاہے''اورابوحاتم نے کہاہے کہ:''وہ سچ نہیں بولتاہے۔''اس کے علاوہ اس کی سند میںہیثم بن عدی ہے کہ جس کے بارے میں ذہبی کاسیراعلام النبلاء۳میں کہناہے:ابن معین اورابن داؤدنے کہاہے:''وہ انتہائی جھوٹ بولنے والاہے''اس کے علاوہ نسائی اوردوسروں نے اسے متروک الحدیث جانا ہے۔افسوس ہے کہ مذکورہ جعلی حدیث کاجھوٹا مضمون حضرت امام صادق اورحضرت امام باقر (علیہماالسلام)سے منسوب کرکے نقل کیاگیاہے!

چھوتھا محورعلی(ع)نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میگزشتہ بحثوں میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ''أنفسنا''سے مرادکاخودپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوسکتے ہیں اورچونکہ مذکورہ احادیث کی بناء پرمباہلہ میں شامل ہونے والے افرادمیں صرف علی،فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام تھے،لہذاآیہء شریفہ میں''أنفسنا''کامصداق علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتاہے۔یہ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی واضح بلکہ برترین فضیلتوں میں سے ہے۔قرآن مجید کی اس تعبیرمیں،علی علیہ السلام،نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے پہنوائے گئے ہیں۔چونکہ ہرشخص کاصرف ایک نفس ہوتا ہے،اس لئے حضرت علی علیہ السلام کاحقیقت میں نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بے معنی

[1] میزان الاعتدال،ج۲،ص۱۵۴،دارالفکر

ہے۔ معلوم ہوتاہے کہ یہ اطلاق،اطلاق حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مرادمانند اورمماثلت ہے۔چونکہ یہاں پر یہ مماثلت مطلق ہے اس لئے اس اطلاق کاتقاضاہے کہ جوبھی خصوصیت اور منصبی کمال پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں موجود ہے وہ حضرت علی علیہ السلام میں بھی پایاجانا چاہئے،مگر یہ کہ دلیل کی بناء پر کوئی فضیلت ہو،جیسے آپ پیغمبر نہیں ہیں۔

رسالت وپیغمبری کے علاوہ دوسری خصوصیات اورکمالات میں آپ رسول کے ساتھ شریک ہیں،من جملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے قیادت وزعامت اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سارے جہاں،یہاں تک گزشتہ انبیاء پر افضلیت۔اس بناء پرآیہء شریفہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پردلالت کرنے کے علاوہ بعد از پیغمبر ان کی امت کے علاوہ تمام دوسرے انبیاء سے بھی افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔آیت کے استدلال میں فخررازی کابیان فخررازی نے تفسیرکبیرمیں لکھاہے ”:شہرری میں ایک شیعہ اثناعشری شخص،معلم تھا اس کاخیال تھاکہ حضرت علی (علیہ السلام)حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء (علیہم السلام)سے افضل وبرترہیں،اوریوں کہتا تھا:جوچیزاس مطلب پردلالت کرتی ہے،وہ آیہء مباہلہ میں خداوندمتعال کایہ قول (وأنفسنا وأنفسکم)ہے کیونکہ ”أنفسنا“ سے مرادپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں،کیونکہ انسان خودکونہیں پکارتاہے۔اس بناء پر نفس سے مرادآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہے اوراس بات پر اجماع ہے کہ نفس سے مرادعلی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں لہذاآیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام)سے مراد درحقیقت نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے،اس لئے ناچارآپ کا مقصدیہ ہے کہ نفس علی نفس رسول کے مانندہے اوراس کالازمہ یہ ہے کہ ا۔یہ بزرگ مرد،کہ جس کے بارے میں فخررازی نے یوں بیان کیاہے،جیسے کہ اس کی زندگی کے حالات کی تشریح کتابوں میں کی گئی ہے،شیعوں کے ایک بڑے مجتہداور عظیم عقیدہ شناس اورفخر رازی کے استاد تھے۔مرحوم محدث قمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:شیخ سدید الدین محمودبن علی بن الحسن حمصی رازی،علاّمہ فاضل، متکلم اور

علم کلام میں کتاب ''التعلیق العراقی''کے مصنف تھے۔شیخ بہائی سے ایک تحریر کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ وہ شیعہ علماء ومجتہدین میں سے تھے اور ری کے حمص نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے،کہ اس وقت وہ گاؤں ویران ہوچکا ہے[1]۔

مرحوم سید محسن امین جبل عاملی کتاب ''التعلیق العراقی یا کتاب المنقذ من التقلید''کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لکھا گیا تھا: ''أنہا من إملاء مولانا الشیخ الکبیر العالم سدید الدین حجتا لاسلام والمسلمین لسان الطائفتوا لمتکلمین اسد المناظرین محمودبن علی بن الحسن الحمصی ادام اللہ فی العزّبقاءہ وکبت فی الذلّ حسدتہ واعداہ ''یعنی :یہ نسخہ استاد بزرگ اوردانشورسدیدالدین حجتالاسلام والمسلمین، مذہب شیعیت کے ترجمان اور متکلمین،فن مناظرہ کے ماہر محمود بن علی بن الحسن الحمصی کا املا ہے کہ خدائے متعال اس کی عزت کو پائدار بنادے اور اس کے حاسدوں اور دشمنوں کو نابود کردے[2]۔

فیروزآبادی کتاب ''القاموس المحیط''میں کہتاہے: ''محمودبن الحمصی متکلم اخذ عنہ الامام فخر الدین[3]''فیروزآبادی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم عقیدہ شناس فخررازی کا استاد تھالیکن فخررازی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ یہ نفس تمام جہت سے اس نفس کے برابرہے۔اوراس کلیت سے صرف دوچیزیں خارج ہیں:ایک نبوت اوردوسرے افضلیت،کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علی (علیہ السلام)پیغمبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پیغمبر ﷺ سے افضل ہیں۔ان ومطالب کے علاوہ،دوسرے تمام امور ومسائل میں یہ اطلاق اپنی جگہ باقی ہے اوراس پراجماع ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے الہی سے افضل ہیں،لہذا علی (علیہ السلام)بھی ان سب سے افضل ہوں گے۔''مزید اس نے کہاہے'':اس استدلال کی ایک ایسی حدیث سے تائید ہوتی ہے،جس کو موافق ومخالف سب قبول کرتے ہیں اوروہ حدیث وہ قول پیغمبراکرم ﷺ ہے کہ جس میںآپ نے فرمایا:جوآدم (علیہ السلام)کو ان کے علم میں،نوح (علیہ السلام)کوان کی اطاعت میں اورابراھیم (علیہ السلام)کو

---

[1] سفینۃ البحار،ج۱،ص۳۴۰،انتشارات کتاب خانہ محمودی
[2] اعیا الشیعہ ،ج۱۰،ص۱۵۵،دارالتعارف للمطبو عات،بیروت
[3] القاموس المحیط،ج۲،ص۲۹۹،دار المعرفۃ،بیروت

ان کی خُلّت میں،موسیٰ(علیہ السلام)کوان کی ہیبت میں اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی صفوت میں دیکھنا چاہے تواسے علی بن ابیطالب(علیہ السلام)پر نظرڈالنا چاہئے۔''

فخررازی نے اپنی بات کوجاری رکھتے ہوئے مزید لکھاہے''شیعہ علماء مذکورہء آیہء شریفہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی(علیہ السلام)تمام اصحاب سے افضل ہیں۔کیونکہ جب آیت دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام)نفس رسول ﷺ کے مانند ہے،سواء اس کے جو چیز دلیل سے خارج ہے اور نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اصحاب سے افضل ہے،لہذا نفس علی(علیہ السلام)بھی تمام اصحاب سے افضل قرار پائیگا''فخررازی نے اس استدلال کے ایک جملہ پر اعتراض کیا ہے کہ ہم اس آیہء شریفہ سے مربوط سوالات کے ضمن میں آیندہ اس کا جواب دیں گے۔علی(ع)کونفس رسولؐ جاننے والی احادیث حضرت علی علیہ السلام کونفس رسول ﷺ کے طورپر معرفی کرنے والی احادیث کوتین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے:پہلاگروہ:وہ حدیثیں جوآیہء مباہلہ کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں:ان احادیث کا ایک پہلو خامس آل عبا علیہم السلام کے مباہلہ میں شرکت سے مربوط تھا کہ جس کو پہلے بیان کیاگیاہے اوریہاں خلاصہ کے طورپر ہم پیش کرتے ہیں:الف:ابن عباس آیہء شریفہ کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:''وعلی نفسہ''''علی(ع)نفس پیغمبر(ص)ہیں۔''یہ ذکرآیہء مباہلہ میآیاہے[1]۔ اب:شعبی،اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جابر بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:''أبناء نا'' سے حسن وحسین(علیہم السلام)''نساء نا''سے جناب فاطمہ(سلام اللہ علیہا)اور''أنفسنا''سے علی بن ابیطالب(علیہ السلام)مرادہیں[2]۔

[1] معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت
[2] اسباب النزول،ص۴۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت

ج:حاکم نیشابوری،عبداللہ بن عباس اوردیگر اصحاب سے،پیغمبراکرم ﷺ کے ذریعہ مباہلہ میں علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لانے والی روایت کومتواترجانتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ ''أبناء نا''سے حسن وحسین علیہم السلام،''نساء نا''سے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہااور ''أنفسنا''سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مرادہیں[1]۔

د۔حضرت علی علیہ السلام کی وہ حدیث،جس میںآپ(ع)اصحاب شوریٰ کوقسم دے کراپنے فضائل کا ان سے اقرار لیا ہے آپ فرماتے ہیں''نشدتکم اللہ ہل فیکم أحد أقرب إلیرسول اللہ ﷺ فی الرحم ومن جعلہ رسول اللہ نفسہ وإبناء ہ غیری؟''''یعنی:میں تمھیں خداکی قسم دیتا ہوں!کیا تم لوگوں میں قرابت اور رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی ہے جومجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو؟کوئی ہے جسے آنحضرت ﷺ نے اپنا نفس اوراسکے بیٹوں کواپنابیٹا قراردیا ہو؟انہوں نے جواب میں کہا:خدا شاہدہے کہ ہم میں کوئی ایسا،نہیں ہے۔''دوسراگروہ:وہ حدیثیں جوقبیلہء بنی ولیعہ سے مربوط ہیں:یہ احادیث اصحاب کے ایک گروہ جیسے ابوذر،جابربن عبداللہ اورعبداللہ بن خطب سے نقل ہوئی ہیں۔ان حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبراکرم ﷺ نے(ابوذر کے بقول) فرمایا''ولینتہین بنوولیعہ أولأبعثن إلیہم رجلاًکنفسی یمضی فیہم أمری فیقتل المقا تلہ ولیسبی الذریۃ[2] قبیلہء بنی ولیعہ کواپنے امور سے باز آجاناچاہئے،اگر انھوں نے ایسانہیں کیاتو میں ان کی طرف اپنے مانند ایک شخص کوبھیجوں گا جومیرے حکم کوان میں جاری کرے گا۔جنگ کرنے والوں کو وہ قتل کرے گااوران کی ذرّیت کواسیربنائے گا۔عمر،جو میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا:آنحضرت ﷺ کااس سے مرادکون ہے؟میں نے جواب دیاتم اور تمہارادوست(ابوبکر)اس سے مرادنہیں ہے تو اس نے اس کے محقق نے اس ضمن میں کہاہے:اس حدیث کی سند میں موثق راوی موجود ہیں۔المنصف لأبن أبی شیبۃ،ج۶،ص۳۷۴، دارالتاج،المعجم الأوسط للطبرانی،ج۴،ص۴۷۷،مکتبۃ المعارف،الریاض۔یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ''المعجم الاوسط''میں عمداً یا غلطی سے ''کنفسی''کے بجائے''لنفسی''آیا ہے،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی سے''کنفسی''روایت کی ہے۔مجمع الزوائد۔مجمع

---

[1] معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

[2] تاریخ مدینتہ دمشق،ج۴۲،ص۴۱۳۱،دارالفکر

[3] السنن الکبیر للنسائی،ج۵،ص۱۲۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت۔

الزوائد ھیثمی ،ج۷،ص۱۱۰،دارالکتاب العربی و ص۲۴۰،دارالفکر۔ کہاکون مراد ہے؟میں نے کہا :اس سے مراد وہ ہے جو اس وقت اپنی جوتیوں کوپیوند لگانے میں مصروف ہے۔ کہا تو پھر علی (علیہ السلام) ہیں جواپنی جوتیوں کوٹانکے میں مصروف ہیں۔ تیسرا گروہ :وہ حدیثیں جوپیغمبر (ص)کے نزدیک محبوب ترین افراد کے بارے میں ہیں۔

بعض ایسی حدیثیں ہیں کہ جس میں پیغمبراکرم صل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوتاہے کہآپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟جواب کے بعدآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علی(علیہ السلام)کی محبوبیت یا افضلیت کے بارے میں سوال کیا جاتاہے۔پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں: ''إن ہذا یسألنی من النفسی''یعنی:یہ سوال مجھ سے خود میرے بارے میں ہےیعنی علی(علیہ السلام)میرا نفس ہے[1]۔ان میں سے بعض احادیث میں، حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا)پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتی ہیں،کیاآپ نے علی(علیہ السلام)کے بارے میں کچھ نہیں فرمایاہے؟آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں'':علیّ نفسی فمن رأیتہ أن یقول فی نفسہ شیئاً[2]''یعنی:علی(علیہ السلام)میرا نفس ہے تم نے کس کودیکھاہے،جواپنے نفس کے بارے میں کچھ کہے؟یہ احادیث عمروعاص،عائشہ اورجد عمروبن شعیب جیسے بعض اصحاب سے نقل ہوئی ہیں۔اس طرح کی حدیثیں مختلف زبانوں سے روایت ہوئی ہیں اوران کی تعدادزیادہ ہے۔جس سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ علی علیہ السلام،نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اورآیہء شریفہ کی دلالت پرتاکید کرتی ہے، سواء اس کے کہ کوئی قطعی ضرورت اورخارجی دلالت کی وجہ سے اس اطلاق سے خارج ہوا جائے(جیسے نبوت جواس سے خارج ہے)لہذاآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے تمام عہدے من جملہ تمام امت اسلامیہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت نیز قیادت وزعامت اس اطلاق میں داخل ہے۔

پانچواں محورآیت کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات آلوسی سے ایک گفتگو:آلوسی،اپنی تفسیر ''روح المعانی[1]''میں اس آیہء شریفہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتاہے'':اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل اللہ ہونے کی فضیلت کے بارے میں اس آیہء شریفہ کی

---

[1] جامع الاحادیث،سیوطی،ج۱۶،ص۲۵۷۔۲۵۶،دارالفکر،کنز العمال،ج۱۳،ص۱۴۳۔۱۴۲،مؤسسہ الرسالہ
[2] مناقب خوارزمی،ص۱۴۸،مؤسسہ النشرالاسلامی،مقتل الحسین علیہ السلام،ص۴۳،مکتبہ المفید۔

دلالت کسی بھی مومن کے لئے ناقابل انکار ہے اوراگرکوئی اس فضیلت کوان سے جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تویہ ایک قسم کی ناصبیت وعناد ہے اورعناد و ناصبیت ایمان کے نابود کرنے کا سبب ہے۔''شیعوں کا استدلال اس کے بعد (آلوسی)آیہء مذکورہ سے رسول خدا ﷺ کے بعد علی علیہ السلام کے بلافصل خلیفہ ہونے کے سلسلہ میں شیعوں کے استدلال کوبیان کرتاہے اوراس روایت سے استناد کرتاہے کہ آیہء کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ مباہلہ کے لئے علی،فاطمہ،اور حسنین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لائے،اس کے بعد کہتاہے'':اس طرح سے ''أبناء نا ''کا مراد سے حسن وحسین (علیہما السلام)،''نساء نا ''سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا)اور ''أنفسنا ''سے مراد علی (علیہ السلام)ہیں۔

جب علی (علیہ السلام)نفس رسول قرار پائیں گے تو اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال محال ہو گا (کیونکہ١۔روح المعانی،ج٣،ص١٨٩،داراحیاء التراث العربی حقیقت میں علی علیہ السلام خود رسول اللہ ﷺ نہیں ہو سکتے ہیں) لہذا قھراً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مساوی اورمماثل ہیں۔چونکہ پیغمبر اسلام ﷺ امور مسلمین میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں افضل اوراولیٰ ہیں،لہذا جو بھی ان کے مماثل ہو گاوہ بھی ایسا ہی ہوگا۔اس طرح سے پوری امت کے حوالے سے حضرت علی (علیہ السلام)کی افضلیت اورامت پر ان کی سرپرستی اس آیہء شریفہ سے ثابت ہوتی ہے۔''شیعوں کے استدلال کے سلسلہ میںآلوسی کا پہلااعتراض اس کے بعدآلوسی شیعوں کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے کہتاہے:شیعوں کے اس قسم کے استدلال کا جواب یوں دیاجاسکتاہے:ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ''أنفسنا ''سے مراد حضرت امیرالمؤمنین (علیہ السلام)ہوں گے،بلکہ نفس سے مراد خود پیغمبر ﷺ ہی ہیں اور حضرت امیر (علیہ السلام) ''أبناء نا ''میں داخل ہیں کیونکہ داماد کو عرفاًبیٹا کہتے ہیں۔اس کے بعد شیعوں کے ایک عظیم مفسر شیخ طبرسی کا بیان نقل کرتاہے کہ انھوں نے کہاہے کہ ''أنفسنا ''سے مراد خود پیغمبر ﷺ نہیں ہو سکتے ہیں،کیونکہ انسان کبھی بھی اپنے آپ کونہیں بلاتاہے،اس نے (شیخ کی)اس بات کوہذیان سے نسبت دی ہے؟! اس اعتراض کا جواب آلوسی اپنی بات کی ابتداء میں اس چیز کو تسلیم کرتاہے کہ آیہء کریمہ پیغمبر ﷺ وکے خاندان کی فضیلت پر

دلالت کرتی ہے اور اس فضیلت سے انکار کو ایک طرح کے بغض و عناد سے تعبیر کرتا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم فضیلت کو آنحضرت ﷺ کے خاندان سے منحرف کرنے کے لئے کس طرح وہ خود کوشش کرتا ہے اور اپنے اس عمل سے اس سلسلہ میں بیان کی گئی تمام احادیث کی مخالفت کرتا ہے اور جس چیز کو ابن تیمیہ نے بھی انجام نہیں دیا ہے (یعنی ''أنفسنا'' کے علی علیہ السلام پر انطباق سے انکار کرنا)اسے انجام دیتا ہے۔

اگرچہ ہم نے بحث کی ابتداء میں ''أنفسنا'' کے بارے میں اور یہ کہ اس سے مراد خود پیغمبر اسلام ﷺ نہیں ہو سکتے ہیں بیان کیا ہے،لیکن یہاں پر بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر ''أنفسنا'' سے مراد خود پیغمبر اسلام ﷺ ہوں اور علی علیہ السلام کو ''أبناء نا'' کے زمرے میں داخل کر لیا جائے تو یہ غلط ہے اور دوسرے یہ کہ خلاف دلیل ہے۔اس کا غلط ہونا اس لحاظ سے ہے کہ آیہ شریفہ میں ''بلانا اپنے''،حقیقی معنی میں ہے۔اور جو آلوسی نے بعض استعمالات جیسے ''دعتہ نفسہ''کو رائج و مرسوم جانا ہے،اس نے اس نکتہ سے غفلت کی ہے کہ اس قسم کے استعمالات مجازی ہیں اور ان کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آیہء مذکورہ میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے،بلکہ یہاں پر ''دعتہ نفسہ''کے معنی اپنے آپ کو مجبور اور مصمم کرنا ہے نہ اپنے آپ کو بلانا اور طلب کرنا۔ اس کے علاوہ ''أبناء نا'' کے زمرے میں امیر المؤمنین (علیہ السلام) کو شامل کرنا صرف اس لئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے داماد تھے گویا لفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں ہے اور لفظ کو اس کے معانی مجازی میں بغیر قرینہ کے حمل کرتا ہے۔اس لئے ''أبناء نا''کا حمل حسنین علیہما السلام کے علاوہ کسی اور ذات پر درست نہیں ہے اور ''أنفسنا''کا لفظ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہوتا ہے۔اگر کہا جائے کہ:کونسا مرجح ہے کہ لفظ ''ندع''کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہو اور ''أنفسنا''کا استعمال حضرت علی علیہ السلام پر مجازی ہو،بلکہ ممکن ہے کہا جائے ''أنفسنا''خود انسان اور اس کی ذات پر اطلاق ہو جو حقیقی معنی ہے اور ''ندع''کے معنی میں تصرف کر کے ''نحضر''کے معنی لئے جائی یعنی اپنے آپ کو حاضر کریں۔جواب یہ ہے کہ:اگر ''ندع''کا استعمال اپنے حقیقی معنی میں ہو تو ایک سے زیادہ مجاز درکار نہیں ہے اور وہ ہے ''أنفسنا''کا حضرت علی علیہ

السلام کی ذات پر اطلاق ہونا لیکن اگر ''ندع''کو اس کے مجازی معنی پر حمل کریں تو اس سے دوسرے کا مجاز ہونا بھی لازم آتا ہے یعنی علی علیہ السلام کا ''أبناء نا''پر اطلاق ہونا،جو آنحضرت صلی ﷺ کے داماد ہیں اور اس قسم کے مجاز کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

لفظ ''أنفسنا'' کے علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونے کا قرینہ ''ندع''و ''أنفسنا'' کے درمیان پائی جانے والی مغایرت ہے کہ جو عقلاًو عرفاً ظہور رکھتی ہے۔اس فرض میں ''ندع''بھی اپنے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ''أبناء نا''بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ کہ آلوسی کی بات دلیل کے خلاف ہے،کیونکہ اتنی ساری احادیث جو نقل کی گئی ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ ''أنفسنا'' سے مراد علی علیہ السلام ہیں اور یہ دعویٰ تواتر کے ذریعہ بھی ثابت ہے لہذا وہ سب احادیث اس قول کے خلاف ہیں۔شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا اعتراض شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا جواب یہ ہے:اگر فرض کریں کہ ''أنفسنا''کا مقصداق علی(علیہ السلام)ہوں،پھر بھی آیہ شریفہ حضرت علی(ع)کی بلافصل خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔کیونکہ ''أنفسنا''کا اطلاق حضرت علی(ع)پر اس لحاظ سے ہے کہ نفس کے معنی قربت اور نزدیک ہونے کے ہیں اور دین و آئین میں شریک ہونے کے معنی میں ہے اور اس لفظ کا اطلاق حضرت علی(ع)کے لئے شاید اس وجہ سے ہوا ان کا پیغمبر ﷺ کے ساتھ دامادی کا رشتہ تھا اور دین میں دونوں کا اتحاد تھا۔اس کے علاوہ اگر مقصود وہ شخص ہو جو پیغمبر اکرم ﷺ کے مساوی ہے تو کیا مساوی ہونے کا معنی تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں؟اگر تمام صفات میں مساوی ہونا مقصود ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ علی(علیہ السلام)پیغمبر ﷺ کی نبوت اور خاتمیت اور تمام امت پر آپکی بعثت میں شریک ہیں اور اس قسم کا مساوی ہونا متفقہ طور پر باطل ہے۔اور اگر مساوی ہونے کا مقصد بعض صفات میں ہے یہ شیعوں کی افضلیت وبلا فصل امامت کے مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث،ص ۵۰،دار الکتب العلمیہ،بیروت

اس اعتراض کا جواب آلوسی کے اس اعتراض واستدلال کا جواب دیناچند جہتوں سے ممکن ہے :سب سے پہلے تو یہ کہ: ''نفس کے معنی قربت و نزدیکی''اوردین وآئین میں شریک ہونا کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے،جبکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتاہے کہ یہ اطلاق حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے ایک حدیث کے مطابق سعدبن ابی وقاص نے معاویہ کے سامنے اسی معنی کوبیان کیااوراسے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سب وشتم سے انکار کی دلیل کے طورپر پیش کیاہے۔دوسرے یہ کہ :نفس کے معنی کا اطلاق دین و آئین میں شریک ہونایارشتہ داری وقرابتداری کے معنی مجازی ہے اوراس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اوریہاں پرایسا کوئی قرینہ موجودنہیں ہے۔تیسرے یہ کہ:جب نفس کے معنی کااطلاق اس کے حقیقی معنی میں ممکن نہ ہوتواس سے مرادوہ شخص ہے جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہواوریہ جانشینی اورمساوی ہونا مطلقاًہے اوراس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف اورعہدے شامل ہیں،صرف نبوت قطعی دلیل کی بناءپراس دائرہ سے خارج ہے۔چوتھے یہ کہ:اس صورت میں آلوسی کی بعد والی گفتگو کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ مساوات تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں،کیونکہ مساوات تمام صفات میں اس کے اطلاق کی وجہ سے ہے،صرف وہ چیزیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کو قطعی دلیلوں کے ذریعہ خارج و مستثنی کیا گیا ہے جیسے نبوت و رسالت ۔

لہذا پیغمبراکرم ﷺ کی افضیلت اور امت کی سرپرستی نیز اسی طرح کے اور تمام صفات میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے شریک نیز ان کے برابر کے جانشین ہیں ۔شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا تیسرا اعتراض آلوسی کا کہنا ہے:اگریہ آیت حضرت علی(علیہ السلام) کی خلافت پر کسی اعتبار سے دلالت کرتی بھی ہے تواس کا لازمہ یہ ہوگا کہ:حضرت علی(ع)پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں امام ہوں اوریہ متفقہ طورپر باطل ہے۔اگر یہ خلافت کسی خاص وقت کے لئے ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ اس قید کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اہل سنت بھی اسے قبول کرتے ہیںیعنی حضرت علی(ع)ایک خاص وقت، میں کہ جوان کی خلافت کازمانہ تھا،اس میں وہ اس منصب پرفائز تھے۔

اس اعتراض کا جواب سب سے پہلی بات یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی آنحضرت صل ﷺ کے زمانہ میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے لئے واضح ترین حدیث،حدیث منزلت ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر ﷺ کی نسبت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، واضح رہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے جانشین تھے کیوں کہ قرآن مجید حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا ''أخلفنی فی قومی''[1]''تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔''اس بناء پر جب کبھی پیغمبر اکرم ﷺ حاضر نہیں ہوتے تھے حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوتے تھے (چنانچہ جنگ تبوک میں ایسا ہی تھا)اس مسئلہ کی حدیث منزلت میں مکمل وضاحت کی گئی ہے[2]۔دوسرے یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کا نفس پیغمبر ﷺ قرار دیا جانا جیسا کہ آیہء شریفہ مباہلہ سے یہ مطلب واضح ہے،اور اگر کوئی اجماع واقع ہو جائے کہ آنحضرت کی زندگی میں حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے جانشین نہیں تھے،تو یہ اجماع اس اطلاق کو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مقید و محدود کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ اطلاق آنحضرت ﷺ کی رحلت کے وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔لہذا یہ واضح ہوگیا کہ آلوسی کے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں اور آیہء شریفہ کی دلالت حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلافصل خلافت پر بلا مناقشہ ہے۔فخر رازی کا اعتراض: فخر رازی نے اس آیہء شریفہ کے ذیل میں محمود بن حسن حصمی[3] کے استدلال کو،کہ جو انھوں نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے،نقل کرنے کے بعد (ان کے استدلال کو تفصیل سے ذکر کیا ہے)اپنے اعتراض کو یوں ذکر کیا ہے:ایک تو یہ کہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ پیغمبر ﷺ غیر پیغمبر سے افضل ہوتا ہے۔دوسرے: اس بات پر بھی اجماع ہے کہ (علی علیہ السلام)پیغمبر نہیں

---

[1] اعراف ،۱۴۲۲۔

[2] اس سلسلہ میں مصنف کا پمفلٹ''حدیث غدیر،ثقلین ومنزلت کی روشنی میں امامت''ملاحظ فرمائیں۔

[3] شیعوں کاایک بڑا عقیدہ شناس عالم جس کا پہلے ذکرآیا ہے۔

تھے۔مذکورہ ان دومقدموں کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہ شریفہ حضرت علی(علیہ السلام)کی گزشتہ انبیاء(علیہم السلام)پرافضلیت کوثابت نہیں کرتی ہے۔

فخررازی کے اعتراض کا جوابہم فخررازی کے جواب میں کہتے ہیں:پہلی بات یہ کہ اس پر اجماع ہے کہ ہر ''نبی غیر نبی سے افضل ہے''اس میں عمومیت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت کریں کہ ،ہر نبی دوسرے تمام افرادپر حتی اپنی امت کے علاوہ دیگر افراد پر بھی فوقیت وبرتری رکھتا ہے،بلکہ جو چیز قابل یقین ہے وہ یہ کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے۔اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ کہاجائے:''مرد عورت سے افضل ہے''اور یہ اس میں معنی ہے کہ مردوں کی صنف عورتوں کی صنف سے افضل ہے نہ یہ کہ مردوں میں سے ہر شخص تمام عورتوں پر فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔اس بناء پراس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔دوسرے یہ کہ:مذکورہ مطلب پر اجماع کاواقع ہونا ثابت نہیں ہے،کیونکہ شیعہ علماء نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے اوروہ اپنے ائمہ معصومین(علیہم السلام)کو قطعی دلیل کی بناء پر گزشتہ انبیاء سے برتر جانتے ہیں۔ ابوحیان اندلسی نے تفسیر''البحرالمحیط[1]''میں شیعوں کے استدلال پرآیت میں نفس سے مراد تمام صفات میں ہم مثل اور مساوی ہونا ہے)فخررازی[2] کا ایک اور اعتراض نقل کیا ہے جس میں یہ کہا ہے''نفس کے اطلاق میں یہ ضروری نہیں ہے تمام اوصاف میںیکسانیت ویکجہتی ہو،چنانچہ متکلمین نے کہا ہے:''صفات نفس میں یک جہتی اوریک سوئی یہ متکلمین کی ایک اصطلاح ہے،اورعربی لغت میںیکسانیت کابعض صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔عرب کہتے ہیں:''ہذا من أنفسنا''یعنی:یہ''اپنوں میں سے ہے،یعنی ہمارے قبیلہ میں سے ہے۔''اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صفات یابعض صفات میں یکسانیت ویکجہتی یہ نہ تو لغوی بحث ہے اور نہ ہی کلامی بلکہ یہ بحث اصول فقہ سے مربوط ہے،کیونکہ جب نفس کا اس کے حقیقی معنی میں استعمال ناممکن ہو تو اسے اس کے مجازی معنی پر عمل کرنا چاہئے اور اس کے حقیقی معنی سے نزدیک ترین معنی کہ جس کو اقرب المجازات سے تعبیرکیا جاتا ہے)کواخذ کرنا چاہئے

---

[1] البحرالمحیط،ج۲،ص۴۸۱،مؤسسہ التاریخ العربی ،داراحیاء التراث العربی

[2] اگرابوحیان کارازی سے مقصودوہی فخررازی ہے توان اعتراضات کواس کی دوسری کتابوں سے پیداکرناچاہئے،کیونکہ تفسیرکبیرمیں صرف وہی اعتراضات بیان کئے گئے ہیں جوذکرہوئے۔

اور ''نفس'' کے حقیقی معنی میں اقرب المجازات مانند و مثل ہونا ہے۔ یہ مانند و مثل ہونا مطلق ہے اور اس کی کوئی محدودیت نہیں ہے اور اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ علی علیہ السلام تمام صفات میں پیغمبر اکرم ﷺ کے مانند و مثل ہیں، صرف نبوت و رسالت جیسے مسائل قطعی دلائل کی بنا پر اس مانند و مثل کے دائرے سے خارج ہیں۔

اس وضاحت کے پیش نظر تمام اوصاف اور عہدے اس اطلاق میں داخل ہیں لہذا من جملہ تمام انبیاء پر فضیلت اور تمام امت پر سرپرستی کے حوالے سے آپ (علیہ السلام) علی الاطلاق رسول ﷺ کے مانند ہیں۔ ابن تیمیہ کا اعتراض ابن تیمیہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر علامہ حلی کے استدلال کو آیہء مباہلہ سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ''یہ کہ پیغمبر اکرم ﷺ مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السلام) کو اپنے ساتھ لے گئے یہ صحیح حدیث میں آیا ہے ا، لیکن یہ علی (علیہ السلام) کی امامت اور ان کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ دلالت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کے پیغمبر ﷺ کے مساوی ہونے پر دلالت کرے حالانکہ آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص پیغمبر ﷺ کے مساوی نہیں ہے، نہ علی (علیہ السلام) اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور۔ دوسرے یہ کہ ''أنفسنا'' کا لفظ عربی لغت میں مساوات کا معنی میں نہیں آیا ہے ۲ اور صرف ہم جنس اور مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض امور مشابہت، جیسے ایمان یا دین میں اشتراک کافی ہے اور اگر نسب میں بھی اشتراک ہو تو اور اچھا ہے۔ اس بنا پر آیہء شریفہ (۔أنفسنا وأنفسکم۔) میں ''أنفسنا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اور نسب میں دوسروں سے زیادہ نزدیک ہوں۔ اس لحاظ سے آنحضرت ﷺ۔ بیٹوں میں سے حسن و حسین (علیہما السلام) اور عورتوں میں سے فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) اور مردوں میں سے علی (علیہ ا لسلام) کو اپنے ساتھ لے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ان سے زیادہ نزدیک تر کوئی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ مباہلہ اقرباء سے انجام پاتا ہے نہ ان افراد سے جو انسان سے دور ہوں، اگرچہ یہ دور والے افراد خدا کے نزدیک افضل و برتر ہوں۔ ا۔ ابن تیمیہ نے قبول کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں ''انفسنا'' مذکورہ حدیث کے پیش نظر علی علیہ السلام پر انطباق کرتا ہے

۲۔ابن تیمیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مجید کی پانچ آیتوں کو بیان کیا ہے،من جملہ ان میںیہ آیتیں ہیں:الف۔ (و لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسھم خیراً[1] "آخرایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کو سنا تو مومن و مومنات اپنے بارے میں خیر کا گمان کرتے"،مقصود یہ ہے کہ کیوں ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پر اچھا گمان نہیں رکھتے ہیں۔ب۔ "ولا تلمزوا أنفسکم[2]" "آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہیں دینا" ابن تیمیہ کہ جس نے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک ہونے کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس کہ جو رشتہ داری کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ قریب تھے اور زندہ تھے۔ کے بارے میں کہتا ہے": عباس اگرچہ زندہ تھے،لیکن سابقین اولین (دعوت اسلام کو پہلے قبول کر نے والے) میں ان کا شمار نہیں تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائیوں میں بھی کوئی شخص علی (علیہ السلام) سے زیادہ آپ سے نزدیک نہیں تھا۔اس بنا پر مباہلہ کے لئے علی (علیہ السلام) کی جگہ پُر کر نے والا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کو آپ انتخاب کرتے یہ مطلب کسی بھی جہت سے علی (علیہ السلام) کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مساوی ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے۔" ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب ابن تیمیہ کا جواب چند نکتوں میں دیا جاسکتا ہے:۱۔ اس کا کہنا ہے: "پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی و مانند کوئی نہیں ہوسکتا ہے"۔ اگر مساوی ہونے کا مفہوم و مقصد تمام صفات،من جملہ نبوت و رسالت میں ہے تو یہ صحیح ہے۔لیکن جیسا کہ بیان ہوا مساوی ہونے کا اطلاق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی دلیلوں کی وجہ سے مقید ہے اور اس کے علاوہ دوسرے تمام امور میں پیغمبر کے مانند و مساوی ہونا مکمل طور پر اپنی جگہ باقی ہے اور اس کے اطلاق کو ثابت کرتا ہے دوسری طرف سے اس کی یہ بات کہ "أنفسنا" کا لفظ عربی لغت میں مساوات کے معنی کا اقتضاء نہیں کرتا ہے" صحیح نہیں ہے اگرچہ اس نے قرآن مجید کی چند ایسی آیتوں کو بھی شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے جن میں "أنفسھم یا أنفسکم" کا لفظ استعمال ہوا ہے،حتی کہ ان آیتوں میں بھی مساوی مراد ہے۔مثلاً لفظ "ولاتلمزوا أنفسکم" یعنی "اپنی عیب جوئی نہ کرو" جب لفظ "أنفس" کا اطلاق دوسرے

---

[1] نور،۱۲

[2] حجرات،۱۱

افراد پر ہوتا ہے،تو معنی نہیں رکھتا ہے وہ حقیقت میں خود عین انسان ہوں۔ناچاران کے مساوی اور مشابہ ہونے کا مقصد مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت میں ہے اور معلوم ہے کہ وہ جہت اس طرح کے استعمالات میں کسی ایمانی مجموعہء یا قبیلہ کے مجموعہ کا ایک جزو ہے۔اس بناء پران اطلاقات میں بھی مساوی ہونے کا لحاظ ہوا ہے،لیکن اس میں قرینہ موجود ہے کہ یہ مساوی ایک خاص امر میں ہے اور یہ اس سے منافات نہیں رکھتا ہے اور اگر کسی جگہ پر قرینہ نہیں ہے تو مساوی ہونے کا قصد مطلق ہے،بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اسے خارج کرے۔

۲۔ابن تیمیہ نے قرابت یا رشتہ داری کو نسب سے مرتبط جانا ہے،یہ بات دو دلیلوں سے صحیح نہیں ہے:سب سے پہلے بات تو یہ، مطلب آیہء شریفہ ''نساءنا ونساءکم'' سے سازگار نہیں ہے،کیونکہ ''نساءنا'' کا عنوان نسبی رشتہ سے کوئی ربطہ نہیں رکھتا ہے۔البتہ یہ منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا آنحضرت ﷺ کی دختر گرامی تھیں اور آپ سے نسبی قرابت رکھتی تھیں،کیونکہ واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ''بنا تنا'' ''ہماری'' بٹیاں (جو نسبی قرابت کی دلیل ہے) کے ذریعہ تعبیر نہیں کیا گیا ہے،بلکہ ''نساءنا'' کی تعبیر آئی ہے،اس لحاظ سے چونکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس خاندان کی عورتوں میں سے ہیں اس لئے اس مجموعہ میں شامل ہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور عورت کہ جو اس لائق ہوکہ مباہلہ میں شریک ہو سکے وجود نہیں رکھتی تھی ۔ا دوسرے یہ کہ اگر معیار قرابت نسبی اور رشتہ داری ہے تو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس (ع) اس جہت سے آنحضرت ﷺ سے زیادہ نزدیک تھے لیکن اس زمرے میں انھیں شریک نہیں کیا گیا ہے!ا۔جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے قرابت یعنی نزدیک ہونے سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ سے معنوی قرابت ہے۔جس کا ابن تیمیہ نے مجبور ہوکر اعتراف کیا ہے اور کہتا ہے ''علی (علیہ السلام) سابقین اور اولین میں سے تھے،اس لحاظ سے دوسروں کی نسبت آنحضرت ﷺ سے زیادہ نزدیک تھے۔''احادیث کی رو سے مباہلہ میں شامل ہونے والے افراد پیغمبر اسلام ﷺ کے خاص رشتہ دار تھے کہ حدیث میں انھیں اہل بیت رسول علیہم السلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان میں سے ہرایک اہل بیت پیغمبر (علیہم السلام) ہونے کے علاوہ ایک خاص عنوان کا مالک ہے یعنی ان میں سے بعض ''أبناء نا'' کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض ''نساء نا'' کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض دوسرے ''أنفسنا'' کے عنوان میں شامل ہیں۔ مذکورہ وضاحت کے پیش نظر یہ واضح ہوگیا کہ ''أنفسنا'' کے اطلاق سے نسبی رشتہ داری کا تبادر وانصراف نہیں ہوتا ہے اور علی علیہ السلام کا پیغمبر خدا ﷺ کے مانند و مساوی ہونا تمام صفات، خصوصیات اور عہدوں سے متعلق ہے، مگر یہ کہ کوئی چیز دلیل کی بنیاد پر اس سے خارج ہوئی ہو۔ اہل بیت علیہم السلام کے مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد واضح ہوگیا کہ مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد کی دعا رسول خدا ﷺ کی دعا کے برابر تھی اور ان افراد کی دعاؤں کا بھی وہی اثر تھا جو آنحضرت ﷺ کی دعا کا تھا اور یہ اس مقدس خاندان کے لئے ایک بلند و برتر مرتبہ و مقام ہے۔

تیسرا باب

امامت آیہ اولی الامر کی روشنی میں امامت، آیہ اولی الامر کی روشنی میں (یا أیّها الّذین آمنوا أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول واولی الأمر منکم فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی اللہ و الرّسول إن کنتم تؤمنون با اللہ و الیوم الأخر، ذلک خیر و أحسن تأویلاً[1]) ''اے صاحبان ایمان! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی تمھارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔'' خداوند متعال نے اس آیہ شریفہ میں مومنین سے خطاب کیا ہے اور انھیں اپنی اطاعت، پیغمبر اسلام ﷺ کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ پہلے مرحلہ میں خداوند متعال کی اطاعت، ان احکام کے بارے میں ہے کہ جو خداوند متعال نے انھیں قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے اور پیغمبر ﷺ نے ان احکام کو لوگوں تک پہنچایا ہے، جیسے کہ یہ حکم: (أقیموا الصلوٰ ة وآتوا الزکوٰة) پیغمبر ﷺ کے فرامین کی اطاعت دو حیثیت سے ممکن ہے: ۱۔ وہ فرمان

[1] نساء، ۵۹

جوسنّت کے عنوان سے آنحضرت (ص) کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں: یہ اوامر اگرچہ احکام الٰہی ہیں جو آنحضرت ﷺ پر بصورت وحی نازل ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے انھیں لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے، لیکن جن مواقع پر یہ اوامر ''أمرکم بکذا او أنهاکم من هذا'' (میں تم کو اس امر کا حکم دیتا ہو یا اس چیز سے منع کرتا ہوں) کی تعبیر کے ساتھ ہوں (کہ فقہ کے باب میں اس طرح کی تعبیریں بہت ہیں) ان اوامر اور نواہی کو خود آنحضرت ﷺ کے اوامر و نواحی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے نتیجہ کے طور پر ان کی اطاعت آنحضرت کی اطاعت ہوگی، چونکہ مذکورہ احکام خدا کی طرف سے ہیں، اس لئے ان احکام پر عمل کرنا بھی خدا کی اطاعت ہوگی۔

۲۔ وہ فرمان، جو آنحضرت (ص) نے مسلمانوں کے لئے ولی اور حاکم کی حیثیت سے جاری کئے ہیں۔

یہ وہ احکام ہیں جو تبلیغ الٰہی کا عنوان نہیں رکھتے ہیں بلکہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لحاظ سے جاری فرمایا ہے کہ آپ مسلمانوں کے ولی، سرپرست اور حاکم تھے، جیسے جنگ و صلح نیز حکومت اسلامی کو ادارہ کرنے اور امت کی سیاست کے سلسلہ میں جاری کئے جانے والے فرامین۔ آیہ شریفہ میں (وأطیعوا الرّسول) کا جملہ مذکورہ دونوں قسم کے فرمانوں پر مشتمل ہے۔ تمام اوامر و نواہی میں پیغمبر (ص) کی عصمت پیغمبر اکرم ﷺ کی عصمت کو ثابت کرنے کے بارے میں علم کلام میں بیان شدہ قطعی دلائل کے پیش نظر، آنحضرت ﷺ ہر شی کا حکم دینے یا کسی چیز سے منع کرنے کے سلسلہ میں بھی معصوم ہیں۔ آپ (ع) نہ صرف معصیت و گناہ کا حکم نہیں دیتے ہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ، امر و نہی میں بھی خطا کرنے سے محفوظ ہیں۔ ہم اس آیہ شریفہ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت مطلق اور کسی قید و شرط کے بغیر بیان ہوئی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے امر و نہی کرنے کے سلسلہ میں کوئی خطا ممکن ہوتی یا اس قسم کا احتمال ہوتا تو آیہ شریفہ میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا حکم قید و شرط کے ساتھ ہوتا اور خاص مواقع سے مربوط ہوتا۔ ماں باپ کی اطاعت جیسے مسائل میں، کہ جس کی اہمیت پیغمبر ﷺ کی اطاعت سے بہت کم ہے، لیکن جب خدائے متعال والدین سے نیکی کرنے کا حکم بیان کرتا ہے، تو فرماتا ہے: (و وصّینا الأنسان بوالدیه حسناً و إن جاهدک

لتشرک بی ما لیسلک بہ علم فلا تطعھا[1])''اور ہم نے انسان کوماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کی وصیت کی ہے اور بتایا ہے کہ اگروہ تم کو میرا شریک قرار دینے پر مجبور کریں کہ جس کہ کا تمھیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا۔''

جب احتمال ہوکہ والدین شرک کی طرف ہدایت کریں تو شرک میں ان کی اطاعت کرنے سے منع فرماتاہے،لیکن آیہء کریمہ (أولیٰ الأمر)میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کوکسی قید و شرط سے محدود نہیں کیاہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو کسی قید و شرط کے بغیر تائید وتاکید کرنے کے سلسلہ میں ایک اورنکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میںآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت خداوند متعال کی اطاعت کے ساتھ اور لفظ ''أطیعوا''کی تکرار کے بغیر ذکر ہوئے۔آیہء شریفہ (وأطیعوا اللہ والرّسول لعلّکم ترحمون)یعنی ''خدااوررسول کی اطاعت کروتاکہ موردرحمت قرارپاؤ''مذکورہ میں صرف ایک لفظ ''أطیعوا''کا خدااورپیغمبرؐ دونوں کے لئے استعمال ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا واجب ہوناخداکی اطاعت کے واجب ہونے کے مانندہے۔اس بناء پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امرپراطاعت کرنا قطعی طورپراطلاق رکھتا ہے اورناقابل شک وشبہ ہے۔اولوالامرکی اطاعت ائمہ علیہم السلام کی امامت عصمت کے سلسلہ میں آیتۂکورہ سے استفادہ کر نے کے لئے مندرجہ چندابعادپرتوجہ کرناضروری ہے:١۔اولوالامرکامفہوم ٢۔اولوالامرکامصداق ٣۔اولوالامراو رحدیث ''منزلت''حدیث ''اطاعت''اورحدیث ''ثقلین''٤۔شیعہ اورسنی منابع میں اولوالامرکے بارے میں چنداحادیث اولوالامرکامفہوم اولو الامر کا عنوان ایک مرکب مفہوم پر مشتمل ہے۔اس جہت سے پہلے لفظ ''اولوا''اورپھر لفظ ''الامر''پرتوجہ کرنی چاہئے:اصطلاح ''اولوا''صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اور لفظ ''امر''دومعنی میںآیاہے:ایک ''فرمان''کے معنی میں دوسرا ''شان اورکام''کے معنی میں۔ ''شان وکام''کامعنی زیادہ واضح اور روشن ہے،کیونکہ اسی سورۂ نساء کی ایک دوسری آیت میں لفظ ''اولی الامر''بیان ہواہے:(و إذجاء ہم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا بہ و لوردّوہ إلی الرّسول و إلی أولی الأمر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم[2])''اورجب ان کے پاس امن یاخوف کی خبرآتی ہے

[1] عنکبوت،٨
[2] نساء،٨٣

توفوراً نشر کردیتے ہیں حالانکہ اگر رسولؐ اور صاحبان امر کی طرف پلٹادیتے تو ان میں ایسے افراد تھے کہ جو حقیقت حال کا علم پیدا کر لیتے''...

اس آیہء شریفہ میں دوسرا معنی مقصود ہے یعنی جو لوگ زندگی کے امور اور اس کے مختلف حالتوں میں صاحب اختیار ہیں، اس آیت کے قرینہ کی وجہ سے ''اولی الامر'' کا لفظ مورد بحث آیت میں بھی واضح ہوجاتا ہے۔ مورد نظر آیت میں اولوالامر کے مفہوم کے پیش نظر ہم اس نکتہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ''اولوالامر'' کا لفظ صرف ان لوگوں کو شامل ہے جو در حقیقت فطری طور پر امور کی سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے لائق ہیں اور چونکہ خداوند متعال ذاتی طور پر صاحب اختیار ہے اور تمام امور میں سرپرستی کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے اس نے یہ سرپرستی انھیں عطا کی ہے۔ خواہ اگر بظاہر انھیں اس عہدے سے محروم کر دیا گیا ہو نہ ان لوگوں کو جو زور و زبردستی اور ناحق طریقہ سے مسلط ہو کر لوگوں کے حکمران بن گئے ہیں۔ اس لئے کہ صاحب خانہ وہ ہے جو حقیقت میں اس کا مالک ہو چاہے وہ غصب کر لیا گیا ہو نہ کہ وہ شخص جس نے زور و زبردستی یا مکر و فریب سے اس گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔

اولوالامر کا مصداق اولوالامر کے مصادیق کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال پیش کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو نظریات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں: ۱۔ امراء ۲۔ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۔ مہاجرین وانصار ۴۔ اصحاب اور تابعین ۵۔ چار و خلفاء ۶۔ ابوبکر و عمر ۷۔ علماء ۸۔ جنگ کے کمانڈر ۹۔ ائمہء معصومین (علیہم السلام) ۱۰۔ علی (علیہ السلام) ۱۱۔ وہ لوگ جو شرعی لحاظ سے ایک قسم کی ولایت اور سرپرستی رکھتے ہیں۔ ۱۲۔ اہل حل وعقد ۱۳۔ امرائے حق ان اقوال پر تحقیق اور تنقید کرنے سے پہلے ہم خود آیہء کریمہ میں موجود نکات اور قرائن پر غور کرتے ہیں: آیت میں اولوالامر کا مرتبہ بحث کے اس مرحلہ میں آیہء شریفہ میں اولوالامر کی اطاعت کرنے کی کیفیت قابل توجہ ہے: پہلا نکتہ: اولوالامر کی اطاعت میں اطلاق آیہء شریفہ میں اولوالامر کی اطاعت مطلق طور پر ذکر ہوئی ہے اور اس کے لئے کسی قسم کی قید و شرط بیان نہیں ہوئی ہے، جیسا کہ رسول اکرم صل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] تفسیر البحر المحیط، ج ۳، ص ۲۷۸، التفسیر الکبیر

اطاعت میں اس بات کی تشریح کی گئی۔یہ اطلاق اثبات کرتاہے کہ اولوالامر مطلق اطاعت کے حامل و سزاوارہیں اوران کی اطاعت خاص دستور، مخصوص حکم یا کسی خاص شرائط کے تحت محدود نہیں ہے،بلکہ ان کے تمام اوامرونواہی واجب الاطاعت ہیں۔دوسرانکتہ:اولوالامرکی اطاعت،خدااوررسولؐکی اطاعت کے سیاق میں‌یعنی ان تین مقامات کی اطاعت میں کوئی قیدوشرط نہیں ہےاوریہ سیاق مذکورہ اطلاق کی تاکید کرتاہے۔تیسرانکتہ:اولوالامرمیں ’’أطیعوا‘‘کاتکرارنہ ہونا۔

گزشتہ نکات سے اہم تراس نکتہ کامقصدیہ ہے کہ خدا ورسولؐکی اطاعت کے لئے آیہء شریفہ میں ہرایک کے لئے الگ سے ایک ’’أطیعوا‘‘لایاگیاہے اور فرمایاہے: (۔۔۔أطیعوااللہ وأطیعواالرّسول)لیکناولوالامرکی اطاعت کے لئے ’’أطیعوا‘‘کے لفظ کی تکرارنہیں ہوئی ہے بلکہاولی الامر ’’الرسول‘‘پر عطف ہے،اس بناپروہی ’’أطیعوا‘‘جورسول کے لئے آیا ہے وہ اولی الامرسے بھی متعلق ہے۔اس عطف سے معلوم ہوتاہے کہ ’’اولوالامر‘‘اور ’’رسول‘‘کے لئے اطاعت کے حوالے سے دوالگ الگ واجب نہیں ہیں بلکہ وجوب اطاعت اولوالامروہی ہے جو وجوب اطاعت رسولؐہے یہ اس امرکی دلیل ہے کہ اولوالامرکی اطاعت تمام امرونہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے مانندہے اوراس کانتیجہ گناہ وخطاسے اولوالامرکی عصمت،تمام اوامرونواہی میں رسولؐ کے مانندہے۔اس برہان کی مزیدوضاحت کے لئے کہاجاسکتاہے:آیہء شریفہ میں رسول اکرم صل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراولوالامرکی اطاعت کے لئے ایک ’’أطیعوا‘‘سے زیادہ استعمال نہیں ہوا ہے اوریہ ’’أطیعوا‘‘ایک ہی وقت میں مطلق بھی ہواورمقید بھی یہ نہیں ہوسکتاہے یعنی یہ نہیں کہا جاسکتاہے کہ یہ ’’أطیعوا‘‘رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلق ہے اوراولوالامرکے بارے میں مقیدہے،کیونکہ اطلاق اور قید قابل جمع نہیں ہیں۔اگر ’’أطیعوا‘‘پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلق ہے اورکسی قسم کی قید نہیں رکھتا ہے،(مثلاًاس سے مقید نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امرونہی گناہ یا اشتباہ کی وجہ سے نہ ہو)تواولوالامرکی اطاعت بھی مطلق اوربلا قید ہونی چاہئے ورنہ نقیضین کا جمع ہونا لازم ہوگا۔

ان نکات کے پیش نظر یہ واضح ہوگیا کہ آیہ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں ''اولوالامر'' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند معصوم ہیں۔یہ مطلب کہ ''اولوالامر کی اطاعت'' آیہ کریمہ میں مذکورہ خصوصیات کے پیش نظر،اولوالامر کی عصمت پر دلالت ہے،بعض اہل سنّت[1] مفسرین،من جملہ فخر رازی کی توجہ کا سبب بنا ہے۔اس لحاظ سے یہاں پر ان کے بیان کا خلاصہ جو اس مطلب پر پر قطعی استدلال ہے کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے:آیہ اولوالامر کے بارے میں فخر رازی کا قول فخر رازی نے بھی ''اولوالامر'' کی عصمت کو آیہ شریفہ سے استفادہ کیا ہے ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے'' :خداوند متعال نے آیہ کریمہ میں ''اولوالامر'' کی اطاعت کو قطعی طور پر ضروری جانا ہے،اور جس کسی کے لئے اس قسم کی اطاعت واجب ہو اس کا خطا واشتباہ سے معصوم ہونا ناگزیر ہے،کیونکہ اگر وہ خطا واشتباہ سے معصوم نہ ہو اور بالفرض وہ خطا کا مرتکب ہو جائے تو ،اس آیت کے مطابق اس کی اطاعت کرنی ہوگی!اور یہ ایک امر خطا واشتباہ کی اطاعت ہوگی،جبکہ خطا اور اشتباہ کی نہی کی جاتی ہے لہذا انہیں چاہئے کہ اس کے امر کی پیروی کیجائے،کیونکہ اس قسم کے فرض کا نتیجہ فعل واحد میں امر ونہی کا جمع ہونا ہے (جو محال ہے[2]) ۔

فخر رازی اولوالامر کی عصمت کو آیہ سے استدلال کرنے کے بعد یہ مشخص کرنے کے لئے کہ اولوالامر سے مراد کون لوگ ہیں کہ جن کا معصوم ہونا ضروری ہے کہتا ہے:

۲۔

فخر رازی کا جواب

یہ بات کہ اولوالامر سے مراد اہل حل وعقد ہیں اور وہ اپنے حکم اور فیصلہ میں معصوم ہیں،مندرجہ ذیل دلائل کے پیش نظر صحیح نہیں ہے:

---

[1] غرائب القرآن،نیشا بوری،ج۲،ص۴۳۴،دار الکتب العلمیۃ بیروت،تفسیر المنار،شیخ محمد عبدہ ورشید رضا،ج۵،ص۱۸۱دار المعرفۃ بیروت

[2] التفسیر الکبیر،آیت کے ذیل میں ''اولوالامر سے مراد شیعہ امامیہ کے ائمہ معصو مین علیہم السلام(ع)نہیں ہو سکتے ہیں،بلکہ اس سے مراد اہل حل وعقد(جن کے ذمہ معاشرہ کے اہم مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری ہے)کہ جو اپنے حکم اور فیصلے میں معصوم ہوتے ہیں اور ان کے فیصلے سو فیصد صحیح اور مطابق واقع ہوتے ہیں''۔

۱۔آیہء کریمہ میں ''اولوالامر''کا لفظ جمع اور عام ہے کہ جو عمومیت و استغراق پر دلالت کرتا ہے۔اگر اس سے مراد اہل حل وعقد ہوں گے تو اس کی دلالت ایک مجموعی واحد پر ہو گی اور یہ خلاف ظاہر ہے۔ وضاحت یہ ہے کہ آیہء کریمہ کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ ایسے صاحبان امر کی اطاعت لازم ہے جن میں سے ہر کوئی، واجب الاطاعت ہو نہ یہ کہ وہ تمام افراد (ایک مشترک فیصلہ کی بنیاد پر)ایک حکم رکھتے ہوں اور اس حکم کی اطاعت کرنا واجب ہو ۔

۲۔عصمت،ایک تحفظ الٰہی ہے،ایک ملکہ نفسانی اور حقیقی صفت ہے اوراس کے لئے ایک حقیقی موصوف کا ہوناضرودری ہے اوریہ لازمی طور پرایک امرواقعی پر قائم ہونا چاہئے جبکہ اہل حل وعقدایک مجموعی واحدہے اور مجموعی واحد ایک امراعتباری ہوتا ہے اورامر واقعی کا امراعتباری پر قائم ہونا محال ہے۔

۳۔مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ شیعوں کے ائمہ اورانبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ائمہء معصومین (ع)کی امامت پر فخررازی کے اعتراضات اس کے بعد فخررازی نے شیعہ امامیہ کے عقیدہ، یعنی ''اولوالامر''سے مرادبارہ ائمہ معصومین ہیں،کے بارے میں چنداعتراضات کئے ہیں:پہلا اعتراض:ائمہء معصومین (علیہم السلام) کی اطاعت کا واجب ہونا یا مطلقاً ہے یعنی اس میں ان کی معرفت وشناخت نیزان تک رسائی کی شرط نہیں ہے،تو اس صورت میں تکلیف مالایطاق کا ہونا لازم آتا ہے،کیونکہ اس فرض کی بنیاد پر اگر ہم انھیں نہ پہچان سکیں اوران تک ہماری رسائی نہ ہو سکے،تو ہم کیسے ان کی اطاعت کریں گے؟یا ان کی شناخت اور معرفت کی شرط ہے،اگر ایسا ہے تویہ بھی صحیح نہیں ہے،کیونکہ اس بات کا لازمہ ان کی اطاعت کا واجب ہونا مشروط ہوگا،جبکہ آیہء شریفہ میں ان کی اطاعت کا واجب ہونا مطلقاً ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قیدوشرط نہیں ہے ۔

جواب:ائمہء معصومین کی اطاعت کے واجب ہونے میں ان کی معرفت شرط نہیں ہے تاکہ اگرکوئی انھیں نہ پہچانے تواس پران کی اطاعت واجب نہ ہو،بلکہ ان کی اطاعت بذات خود مشروط ہے۔نتیجہ کے طور پر انھیں پہچاننا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جا سکے اوران دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

مزید وضاحت:بعض اوقات شرط، شرط وجوب ہے اور بعض اوقات شرط، شرط واجب ہے۔ مثلاً وجوب حج کے لئے استطاعت کی شرط ہے اور خود استطاعت وجوب حج کی شرط ہے۔ اس بناء پر اگر استطاعت نہ ہو تو حج واجب نہیں ہو گا۔ لیکن نماز میں طہارت شرط واجب ہے یعنی نماز جو واجب ہے اس کے لئے طہارت شرط ہے۔ اس بناء پر اگر کسی نے طہارت نہیں کی ہے تو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، وہ گناہ کا مرتکب ہوگا، کیونکہ اس پر واجب تھا کہ طہارت کرے تاکہ نماز پڑھے۔ لیکن حج کے مسئلہ میں، اگر استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اس پر حج واجب نہیں ہے اور وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی پیغمبر ﷺ اور امام (ع) دونوں کی اطاعت کے لئے ان کی معرفت کی شرط ہے۔ اس لحاظ سے ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جا سکے۔ پس ان کی اطاعت کا وجوب مطلقاً ہے، لیکن خود اطاعت مشروط ہے۔

خدائے متعال نے بھی قطعی دلالت سے اس معرفت کے مقدمات فراہم کئے ہیں۔ جس طرح پیغمبر اکرم ﷺ قطعی دلائل کی بنا پر پہنچانے جاتے ہیں، اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کو بھی جو آپکے جانشین ہیں قطعی اور واضح دلائل کی بنا پر جیسا کہ شیعوں کے کلام اور حدیث کی کتابوں میں مفصل طور پر آیا ہے اور ان کے بارے میں معرفت اور آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے، جبکہ ''اولوالامر'' جمع ہے اور متعدد اماموں کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ جواب: اگرچہ ہر زمانے میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے، لیکن ائمہ کی اطاعت مختلف و متعدد زمانوں کے لحاظ سے ہے، اور یہ ہر زمانہ میں ایک امام کی اطاعت کے واجب ہونے کے منافی نہیں ہے۔ نتیجہ کے طور پر مختلف زمانوں میں مومنین پر واجب ہے کہ جس آئمہ معصوم کی طرف سے حکم ان تک پہنچے، اس کی اطاعت کریں۔

تیسرا اعتراض: اگر آیہء شریفہ میں ''اولوالامر'' سے مراد آئمہ معصومین ہیں تو آیہء شریفہ کے ذیل میں جو حکم دیا گیا ہے کہ اختلافی مسائل کے سلسلہ میں خدائے متعال اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں، اس میں ائمہ معصومین (ع) کی طرف لوٹنے کا بھی

ذکر ہونا چاہئے تھا جبکہ آیت میں یوں کہا گیا ہے: (فإن تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ والرسول) ''پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسولؐ کی طرف ارجاع دو۔''، جبکہ یہاں پر ''اولوالامر''ذکر نہیں ہوا ہے۔

جواب: چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام اختلافات کو حل کرنے اور اختلافی مسائل کے بارے میں حکم دینے میں قرآن مجید اور سنّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کتاب و سنّت کے بارے میں مکمل علم و آگاہی رکھتے ہیں، اس لئے اختلافی مسائل میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اسی لئے ''اولوالامر'' کا ذکر اور اس کی تکرار کرنا یہاں پر ضروری نہیں تھا۔ جملہء شرطیہ میں ''فائے تفریع'' ایک اور نکتہ جو ''اولوالامر'' کے معنی کو ثابت کرنے کے لئے بہت مؤثر ہے وہ جملہء شرطیہ میں (أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر) کے بعد ''فائے تفریع'' کا پایا جانا ہے۔

یہ جملہء شرطیہ یوں آیا ہے: (فإن تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ و رسول) اختلافی مسائل کو خدائے متعال اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹانے کا وجوب، خدا، رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کے وجوب پر متفرع ہوا ہے، اور اس بیان سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ اختلافی مسائل کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی طرف پلٹانے میں اولوالامر کی اطاعت دخالت رکھتی ہے۔ یہ تفریع دو بنیادی مطلب کی حامل ہے:

۱۔ اولوالامر کی عصمت: اس لحاظ سے کہ اگر اولوالامر خطا اور گناہ کا مرتکب ہو گا اور اختلافی مسائل میں غلط فیصلہ دے گا تو اس کے اس فیصلہ کا کتاب وسنت سے کوئی ربط نہیں ہو گا جبکہ تفریع دلالت کرتی ہے کہ چونکہ اولی الامر کی اطاعت ضروری ہے لہذا چاہیئے کہ، اختلافی مسائل کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹا یا جائے۔

۲۔ کتاب وسنت کے بارے میں کامل و وسیع معلومات: اس لحاظ سے اگر اولی الامر کتاب وسنت کے ایک حکم سے بھی جاہل ہو اور اس سلسلہ میں غلط حکم جاری کرے تو اس حکم میں اس کی طرف رجوع کرنا گویا کتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کرنے کے مترادف ہے۔ جبکہ ''فائے تفریع'' سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مسلسل اختلافی مسائل کو کتاب وسنت کی طرف

پلٹانے کا سبب ہے۔اس لئے آیہء شریفہ میں فائے تفریع، کا وجود اولی الامر کے تعین کے لئے کہ جس سے مراد ائمہ معصومین (ع)واضح قرینہ ہے۔مذکورہ نکات سے استفادہ کی صورت میں اب تک درج ذیل چند مطالب واضح ہوگئے:

ا۔آیہء شریفہ میں ''اولی الامر ''سے مراد جو بھی ہیں ان کا امر و نہی کرنے میں گناہ اور خطا سے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۲۔اولی الامر کا انطباق اہل حل وعقد پر صحیح و درست نہیں ہے۔(جیسا کہ فخر رازی کا نظریہ ہے)

۳۔اب تک جو کچھ ثابت ہوچکا ہے اس کے پیش نظر اگر ''اولی الامر ''کے بارے میں ہمارے بیان کئے گئے گیارہ اقوال رنظر ڈالیں،تو آیہء کریمہ کی روشنی میں ''اولی الامر ''سے مراد تنہا شیعہ امامیہ کا نظریہ قابل قبول ہے اور یہ امر ان کے علاوہ دوسروں کے عدم عصمت پر اجماع ہونے کی بھی تاکید کرتا ہے۔

ظالم حکام اولوالامر نہیں ہیں اولوالامر کے مفہوم میں اشارہ کیا گیا کہ اولوالامر میں صرف وہ لوگ شامل ہیں،جو امت کی سرپرستی ان کے امور کے مالک ہوں،اور یہ عنوان ان پر بھی صادق ہے کہ جنھیں ظلم اور ناحق طریقہ سے امت کی سرپرستی سے علیحدہ کیا گیا ہے۔اس کی مثال اس مالک مکان کی جیسی ہے،جس کے مکان پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسے نکال باہر کر دیا گیا ہو۔دوسرا نکتہ جو ''اولوالامر ''کے مقام کی عظمت اور اس کے بلند مرتبہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ ''اولوالامر ''کا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر عطف ہونا ہے۔مطلقاً وجوب اطاعت میں خدا و رسول کے ساتھ یہ اشتراک و مقارنت ایک ایسا رتبہ ہے جو ان کے قدر و منزلت کے لائق افراد کے علاوہ دوسروں کے لئے میسر نہیں ہے۔

یہ دو اہم نکتے (مفہوم ''اولوالامر ''اور وجوب اطاعت کے سلسلہ میں الوالامر کا خدا اور رسولؐ پر عطف ہونا) خود ''اولوالامر ''کے دائرے سے ظالم حکام کے خارج ہونے کو واضح کرتا ہے۔زمخشری کا تفسیر الکشاف میں اس آیہء شریفہ کے ذیل میں کہنا ہے:

''خدااوررسول ﷺظالم حکام سے بیزار ہیں اوروہ خداورسول کی اطاعت کے واجب ہونے پر عطف کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ان کے لئے شائستہ ترین نام ''اللصوص المتغلبه''ہے۔

یعنی ایسے راہزن کہ جو لوگوں کی سر نوشت پرزبردستی مسلط ہوگئے ہیں۔''اس بیان سے معروف مفسر قرآن،طبری کے نظریہ کاقابل اعتراض ہوناواضح ہوجاتاہے،جس نے ظالم کام کو بھی اولوالامر کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے ان کی اطاعت کے ضروری ہونے کی طرف اشارہ کیاہے۔اولوالامرکے بارے میں طبری کا قول مناسب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں طبری کے بیان اورا ستدلال کی طرف اشارہ کریں:أولی الأقوال فی ذلک بالصواب قول من قال: ''ہم الأمراؤالو لاۃلصحۃ الأخبارعن رسول اللہ ﷺ بالأمربطاعۃ الأئمۃ والولاۃفیماکان طاعۃ وللمسلمین مصلحۃ''کالذی حدثنی علی بن مسلم الطوسی قال:ثنا ابن أبی فدیک قال:ثنی عبداللہ ابن محمدبن عروۃ،عن ہشام بن عروۃ،عن أبی صالح السمان،عن أبی ہریرۃ:أن النبیّ۔ ﷺ وسلم۔قال: سیلیکم بعدی ولاۃ،فیلیکم البرّببرّہ،والفاجر بفجورہ۔فاسمعوالہم وأطیعوافی کل ماوافق الحق وصلواوراء ہم!فإن أحسنوا فلکم ولہم،وإن أساؤوا فلکم وعلیہم!وحدثنا ابن المثنی قال:ثنا یحیی بن عبیداللہ قال:أخبرنی نافع،عن عبداللہ،عن النبیّ۔ﷺ۔قال:علی المرء المسلم الطاعۃ فیما أحب وکرہ إلاّأن یؤمر بمعصیۃ،فمن أمر بمعصیۃ فلا طاعۃ۔ حدثنا ابن المثنی قال:ثنی خالدبن عبیداللہ،عن نافع،عن أبی عمر،عن النبیّ۔ ﷺ۔ نحوہ[1]۔طبری نے تمام اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ جس میں ''اولوالامر''سے مراد مطلق حکام (نیک وبد)لیا گیاہے۔اوراس سلسلہ میں ان دواحادیث سے استدلال کیا ہے،جن میں حکمران اور فرمانرواؤں کی اطاعت کو مطلق طور پر ضروری جا ناکیا گیا ہے۔نہ صرف''اولی الامر''کا مفہوم اوراس کا رسول ﷺ پر عطف ہونااس نظریہ کو مسترد کرتا ہے،بلکہ ایسی صورت میں طبری کے نظریہ پر چند اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں:پہلا اعتراض:یہ احادیث قابل اعتبار اورحجت نہیں ہیں،کیونکہ حدیث کی سند میں پہلے ابن ابی فدیک کا نام ہے کہ اہل سنّت کے رجال وحدیث کے ایک امام،ابن سعد کا اس کے بارے میں کہنا ہے:

[1] تفسیرطبری،ج۵،ص۹۵،دارالمعرفۃ،بیروت

''کان کثیرالحدیث ولیس بحجۃ''[1] ''اس سے کافی احادیث رو ایت ہوئی ہیں اور (اس کی بات) حجت نہیں ہے'' ابن حبان نے اسے خطا اوراشتباہ کرنے والا جانا ہے[2]۔ اس کے علاوہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عروۃ ہے کہ جس کا علم رجال کی معروف کتابوں میں موثق ہونا ثابت نہیں ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں بھی بعض ضعیف اور مجہول افراد پائے جاتے ہیں، جیسے یحییٰ بن عبیداللہ، کے متعلق اہل سنت کے ائمہء رجال جیسے ابوحاتم، ابن عینہ، یحییٰ القطان، ابن معین، ابن شیبہ، نسائی اوردار قطنی نے اسے ضعیف اور قابل مذمت قراردیا ہے[3]۔

دوسرااعتراض: ان احادیث کا آیہء ''اولی الامر'' سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ احادیث اس آیت کی تفسیر نہیں کرتی ہیں۔ تیسرااعترض: طبری کی یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیات سے تناقص رکھتی ہے، من جملہ یہ آیہء شریفہ: (ولا تطیعوا أمر المسرفین الذین یفسدون فی الأرض ولا یصلحون[4]) ''اورزیادتی کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو، جوزمین میں فساد برپاکرتے ہیں اوراصلاح کے درپی نہیں ہیں'' علماء بھی اولوالامر نہیں ہیں ''اولوالامر'' کا مفہوم سرپرستی اورولایت کو بیان کرتا ہے اور علماء کا کردار لوگوں کووضاحت اور آگاہی دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ: ایک تو، ''اولوالامر'' کے عنوان سے صاحبان علم وفقہ ذہن میں نہیں آتے ہیں مگریہ کہ خارج سے اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود ہو جس کے روسے علماء اوردانشوروں کو سرپرستی حاصل ہو جائے اوریہ دلالت آیت کے علاوہ ہے جنہوں نے اس قول کو پیش کیاہے، وہ اس لحاظ سے ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے معاملات میں علماء کی اطاعت کرکے ان کی راہنمائی سے استفادہ کریں۔ دوسرے یہ کہ: اس آیہء شریفہ سے قبل والی آیت میں خداوند متعال نے حکام کے فرائض بیان کئے ہیں: (وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل) ''جب کوئی فیصلہ کرو توانصاف کے ساتھ کرو''

---

[1] الطبقات الکبری، ج۵، ص۴۳۷، داربیروت للطباعۃوالنشر
[2] کتاب الثقات، ج۹، ص۴۲، مؤسسۃالکتب الثقافیۃ
[3] تہذیب التہذیب، ج۱۱، ص۲۲۱، دارالفکر
[4] شعراء، ۱۵۲۔۱۵۱

زیر بحث آیت میں ''اولوالامر'' کی نسبت لوگوں کی ذمہ داریوں کوبیان کیا گیا ہے اوراس سے واضح ہوتا ہے کہ ''اولوالامر'' سے مراد مذکورہ صفات کے حامل وہی حکام ہیں،نہ علماء تیسرے یہ کہ:اگراس سے مراد علماء ہیں توکیا یہ علماء بہ طور عام اور بہ حیثیت مجموعی مراد ہیں یا یہ کہ بہ حیثیت استغراقی،ان میں ہرفرد ولی امر ہے اوراس کی اطاعت واجب ہے؟اگر پہلا فرض مراد ہے،تواس پر اعتراض اہل حل وعقد والے قول اورفخررازی کے نظریہ کے سلسلہ میں بیان ہوچکا ہے،اوراگردوسری صورت مراد ہے توآیہء شریفہ میں مطلقا طور پر کس طرح ان کی اطاعت واجب ہوئی ہے،جبکہ اگرایسا ہے تواس کے ضوابط اور شرائط قرآن وحدیث میں بیان ہونے چاہئے تھے۔

چوتھے یہ کہ: پچھلی آیت میں ''فائے تفریع''کی وضاحت میں آیہء شریفہ کے بعد والے جملہ میں آیاہے:(فإن تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ إلی اللّٰہ والرّسول) یہ جملہ فائے تفریع کے ذریعہ پہلے والے جملہ سے مربوط ہے کہ اس کے معنی اختلافی صورت میں خدا اوررسول کی طرف رجوع کرناخدا ورسول نیز اولی الامر کی مطلقاً اطاعت کے وجوب پر متفرع ہے۔ اس جملہ سے واضح ہو جاتاہے کہ اختلافی مسائل میں خدااوررسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے،یہ رجوع کرنا 'اولوالامر'' کی اطاعت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔اوربعد والے جملہ میں لفظ ''اولوالامر''کو نہ لانے کا مقصد بھی اسی مطلب کو واضح کرتا ہے یعنی تنہا ''اولوالامر'' ہے جوکتاب وسنت کے معانی و مفاہیم نیز تمام پہلوؤں سے آگاہ ہے لہذا اختلافی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرنا درحقیقت خدااوررسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مطلقاً یعنی بہ طور کلی علماء ایسے نہیں ہیں سواء ان لوگوں کے کہ جو منجانب اللہ گناہ وخطاء سے محفوظ ہیں۔ آیہء کریمہ کے بارے میں چند دیگر نکاتاس قول کے بارے میں کہ ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہیں،مفسرین کے بیانات میں بعض قابل غور باتیں دیکھنے میں آتی ہیں،شائستہ نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیت میں غور وخوص ان اعتراضات کو واضح کر دیتا ہے پہلا نکتہ:(فإن تنازعتم)میں مخاطبین وہی ہیں جو(یاایہا الذین آمنوا)میں مخاطبین ہیں۔ ''آیت میں مخاطب مومنین''کا اولوالامر کے درمیان تقابل کا قرینہ متقاضی ہے کہ ''الذین آمنوا''''اولوالامر'' کے علاوہ ہوں کہ جس میں حاکم و فرمانرواااولوالامر اور مطیع

وفرمانبردار مومنین قرار دیئے جائیں ۔دوسرا نکتہ:اس نکتہ کے پیش نظر،مومنین کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہیں نہ ان کے اور اولوالامر کے درمیان کے اختلافات۔

تیسرا نکتہ: یہ کہ مومنین سے خطاب مورد توجہ واقع ہو اور اس کو اولی الامر کی طرف موڑ دیا جائے یہ سیاق آیت کے خلاف ہے اوراس توجہ کے بارے میں آیہء شریفہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔چند نظریات پرتنقید قرطبی اور جصّاص نے جملہ (فإن تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ إلی اللہ والرّسول)کواس پر دلیل قرار دیا کہ ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہیں،اورچونکہ جو علماء نہیں ہیں وہ خدا ورسولؐ کی طرف پلٹانے کی کیفیت کو نہیں جانتے ہیں،اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے علماء کوخطاب کیا ہے اورانھیں جھگڑے اوراختلاف کی صورت میں حکم دیاہے کہ اختلافی مسئلہ کو خدا اور رسول کی طرف پلٹادیں[1]۔ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں اس قول کو پیش کیا ہے اورمذکورہ دو مفسروں نے جو کچھ کہا ہے،اس کے خلاف ہے:جملہء ''فإن تنازعتم''اس کی دلیل ہے کہ اولوالامر سے مراد علماء نہیں ہو سکتے ہیں،کیونکہ مقلد مجتہد کے حکم کے بارے میں اس سے اختلاف نہیں کرسکتا ہے،مگر یہ کہ ہم کہیں کہ جملہ ''فإن تنازعتم''کا مقلدین سے کوئی ربط نہیں ہے اوریہ خطاب صرف علماء سے ہے اوراس سلسلہ میں کسی حد تک التفات ملاحظہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی بعید ہے[2]۔قرطبی اورجصّاص کے لئے یہ اعتراض ہے کہ وہ التفات(توجہ) کے قائل ہوئے ہیں اور جملہ ''تنازعتم'' کو علماء سے خطاب جاناہے جبکہ بظاہر یہ ہے کہ ''تنازعتم''کا خطاب تمام مومنین سے ہے اوراس التفات کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ابوالسعود کا اشکال یہ ہے کہ اس نے آیہء شریفہ میں اختلاف کو ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہونے کی صورت میں اختلاف بین علماء اور مقلدین سمجھا ہے ،جبکہ مؤمنین سے خطاب ہے،چونکہ مؤمنین آیہء شریفہ میں اولوالامر کے مقابلہ میں قراردئے گئے ہیں ،لہذاان کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہوں گے،نہ کہ علماء کے فرض کرنے کی صورت میں اولوالامر کے ساتھ یہاں تک واضح ہوا کہ مذکورہ نکات کے پیش نظر ''اولوالامر'' سے مراد علمائنہیں ہوسکتے ہیں۔قرطبی اورجصاص کا نظریہ بھی صحیح نہیں

[1] جامع احکام القرآن،ج۵،ص۲۶۰،دارالفکر۔احکام القرآن جصاص،ج۲،ص۲۱۰،دارالکناف العربی۔
[2] ارشاد العقل السلیم ،تفسیر ابوالسعود،ج۲،ص۱۹۳،داراحیاء التراث العربی ،بیروت۔

ہے،جنھوں نے التفات کا سہارالے کر اس قولکو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے اورابوالسعود کا نظریہ بھی درست نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مسترد ہونا واضح ہے۔

اصحاب اور تابعین بھی اولوالامر نہیں ہیں۔آیہء شریفہ میں چند دوسرے ایسے نکات بھی موجود ہیں کہ جن کی روشنی میں اصحاب یا اصحاب وتابعین یا مہا جرین وانصار کا اولوالامر نہ ہوناثابت کیا جاسکتا ہے:ا۔آیہء شریفہ میں عموماً مؤمنین سے خطاب کیا گیا ہے اور ایسے افراد کہ جن کی اطاعت کرنا مؤمنین کے لئے بطور مطلق واجب ہے،ان کا ذکر ہے لہذا مؤمنین وہ لوگ ہیں کہ جن کی شان اطاعت وفرمانبرداری ہے اورخدا ورسولؐ نیز اولوالامر کی شان مو منین کے اوپر مطلقاً اختیار اور فرمانروائی ہے ،ان دونوں کا (مفہوم)ایک دوسرے کے مد مقابل واقع ہونا واضح قرینہ ہے کہ مؤمنین ''اولوالامر'' کے علاوہ ہیں۔مؤمنین کی حیثیت صرف فرمانبرداری ہے،اوران کے مقابل یعنی خداورسولؐ نیزاولوالامر کی حیثیت فرماں روائی ہے۔یہ مغایرت جس چیزکی تاکید کرتی ہے،وہ یہ ہے کہ اولوالامرکا تذکرہ خداورسولؐ کے ساتھ ایک سیاق میں واقع ہے اورآیت میں خدا اورسولؐ کی حیثیت سواء مطاع (جس کی اطاعت کی جائے)کے کچھ نہیں ہے،لہذا اولوالامرکی بھی وہی حیثیت ہونی چاہئے۔

اس مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ اولوالامر،اصحاب ،تابعین یا مہاجرین وانصارکے زمرے سے نہیں ہوں گے کیوں کہ ایسی صورت میں مذکورہ مغایرت موجود نہیں رہے گی،حالانکہ جو مؤمنین آیہء شریفہ کے نزول کے وقت اس کے مخاطب واقع ہوئے ہیں وہ،وہی اصحاب ،مہاجرین اور انصا رہیں۔ ۲۔دوسرانکتہ یہ ہے کہ اگر اولوالامر کے مصداق اصحاب ہوگے، توکیا یہ تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی ہیں یا بنحواستغراقی ؟مزید واضح لفظوں میں کیا اصحاب میں سے ہر ایک فرد بہ طور مستقل اولوالامر ہے اور قوم کی سرپرستی کا اختیار رکھتاہے، یا تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی اس عہدے کے مالک ہیں؟ فطری بات ہے کہ دوسری صورت کے اعتبار پر سب کا اجماع اور اتفاق ہوگا؟دوسرا فرض (یعنی عام بہ حیثیت مجموع) ظاہر کے خلاف ہے، جیسا کہ فخررازی کے بیان میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے ، اور پہلا فرض یعنی اصحاب میں سے ہر ایک بہ طور مستقل صاحب ولایت ہوگا، یہ بھی ظاہر اور اصحاب کی

سیرت کے خلاف ہے ۔ کیونکہ اصحاب کے زمانہ میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ ہر ایک دوسرے کے لئے (وہ بھی مطلقاً) وجوب اطاعت کا مالک ہوا ۔

اس کے علاوہ اصحاب علمی اور عملی لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے۔ان میں کافی تعداد میں ایسے افراد بھی تھے جن میں علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کا فقدان تھا ۔مثال کے طور پر ولیدبن عقبہ[1] کے فاسق ہونے کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ جس کی خبر کی تحقیق واجب وضروری ہے ان حالات کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ ''اولوالامر'' کے مصداق بہ طور مطلق اصحاب یا مہاجرین و انصار ہوں؟سریہ کے سردار بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:اسی طرح ''اولوالامر'' کے مصداق سریہ ۲کے کمانڈو بھی نہیں ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا،اس کے علاوہ ''اولوالامر'' کا رسول ﷺ پر عطف ہونا، ''اولوالامر'' کی مطلق اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جملہ ''فإن تنازعتم'' کا متفرع ہونا،خدا و

۱۔ اصحاب کے بارے میں مصنف کی کتاب ''عدالت صحابہ در میزان کتاب و سنت'' ملاحظہ ہو

۳۔ جن جنگوں میں پیغمبر اکرم صلی للہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر شرکت نہیں کی ہے،انھیں سریہ کہتے ہیں۔

پیغمبرؐ اور اولوالامرکی مطلق اطاعت نیز ''اولوالامر'' کی عصمت پر دلیل ہیں ۔ سریہ کے کمانڈ معصوم نہیں ہیں،اس سلسلہ میں اصحاب اورتابعین کی طرف سے کچھ آثار نقل ہوئے ہیں جو اس مطلب کی تائید کرتے ہیں۔ ہم یہاں پر ان آثار میں سے چند کی طرف اشارہ کررہے ہیں:۱۔ابن عباس سے ایک حدیث میں روایت کی گئی ہے:آیۂ ''اولی الامر'' ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے،کہ جسے پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک سریہ میں (سرپرست و سربراہ کے عنوان سے) بھیجا تھا[1]۔اس حدیث کی سند میں

[1] تفسیر طبری،ج۵،ص۹۲،دار المعرفۃ،بیروت

حجاج بن محمد کا نام آیا ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے ''کان قد تغیّر فی آخر عمرہ''[1]یعنی:آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔اورابن حجر نے کہا ہے کہ اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے[2]فطری بات ہے کہ اس کیفیت و حالت کے پیش نظر اس کی روایت معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔

۲۔ایک دوسری حدیث میں میمون بن مہران سے روایت ہوئی ہے کہ ''اولوالامر'' وہ لوگ ہیں جو سریہ (جنگوں) میں شرکت کرتے تھے[3]۔اس حدیث کی سند میں عنبسۃ بن سعید ضریس کا نام ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے: ''کان یخطیٔ[4]''یعنی :وہ مسلسل خطا کا مرتکب ہوتا تھا۔''طبری نے ایک حدیث میں سدی سے نقل کیا ہے[5] کہ اس نے آیہء ''اولوالامر'' کو اس قضیہ سے مرتبط جانا ہے کہ ایک سریہ (جنگ) میں خالد بن ولید کو کمانڈر مقرر کیا گیا تھا اور اس سریہ میں عمار یاسر بھی موجود تھے اور انہوں نے ایک مسلمان کو دئے گئے امان کے سلسلہ میں خالد سے اختلاف رای کا اظہار کیا تھا[6]۔ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے،کیونکہ ایک تو یہ مرسل ہے اور دوسرے سدی کے بارے میں یحییٰ بن معین اور عقیلی سے نقل ہوا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور جوزجانے اسے کافی جھوٹا بتایا ہے[7]۔

۳۔بخاری نے آیہء ''اولوالامر'' کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ یوں ہے ''حدثنا صدقۃ بن الفضل،أخبرنا حج ابن محمد،عن ابن جریج،عن یعلی بن مسلم،عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما:''أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم''قال:نزلت فی عبداللہ بن حذافۃ ابن قیس بن عدی اذ بعثہ النبی ﷺ فی سریۃ''۔اس حدیث میں سعید بن جبیر ان نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آیہء (أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم) عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جب رسول خدا ﷺ نے اس

---

[1] تہذیب التہذیب،ج۲،ص۱۸۱
[2] تفسیر طبری ،ج۵،ص۹۲،دار المعرفۃ،بیروت
[3] تہذیب التہذیب،ج۸،ص۱۳۸
[4] تفسیر طبری ،ص۹۲،دار المعرفۃ
[5] تفسیر طبری ،ص۹۲،دار المعرفہ
[6] تہذیب التہذیب،ج۱،ص۲۷۳
[7] صحیح بخاری،ج۳،ص۳۷۶،کتاب التفسیر،باب قولہ(أطیعواللہ...)ح۱۰۱۰،دار القلم

سے ایک سریہ کے لئے روانہ کیا۔چونکہ یہ حدیث فتح الباری میں ابن حجر کے کلام سے اخذ کی گئی ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ روایت سنید بن داؤد مصیصی سے روایت ہوئی ہو جیسا کہ ابن سکن سے منقول ہے نہ کہ صدقہ بن ،بیرو تفضل سے جیسا کہ اکثر نے نقل کیا ہے اور موجودہ صحیح بخاری میں بھی اسی کے حوآلے سے آیا ہے اور سنید بن داؤد کو ابی حاتم ونسائی نے ضعیف جانا ہے۔[1] اس بناپر ایک تو یہ بات مسلّم ویقینی نہیں ہے کہ بخاری میں موجود روایت صدقہ بن فضل سے ہوگی،بلکہ ممکن ہے سنید سے ہو جبکہ وہ ضعیف شمار ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ:اس کی سند میں حجاج بن محمد ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے ''کان قد تغیر فی آخر عمرہ ''،یعنی:آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔''اور ابن حجر نے کہاہے:اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے[2]۔ابوبکراور عمر بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں مذکورہ وجوہ کے پیش نظر واضح ہوگیا کہ ابوبکر اور عمر بھی ''اولوالامر ''کے مصداق نہیں ہیں نیزان وجوہ کے علاوہ دین وشریعت سے متعلق سوالات کے جوابات میں ان کی لاعلمی ناتوانی اوراحکام الٰہی کے خلاف ان کا اظہار نظر بھی اس کا بین ثبوت ہے کہ جو تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کثرت سے درج ہے۔اس سلسلہ میں کتاب الغدیر کی جلد ۶اور ۷ کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے۔اہل سنت کی بعض کتابوں میں درج یہ حدیث کہ جس میں ان کی اقتداء کرنے کا اشارہ ہواہے:''إقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر''کئی جہات سے باعث نزاع ہے۔من جملہ یہ کہ اس کی سند میں عبدالملک بن عمیر ہے کہ تہذیب الکم[3]میں احمد بن حنبل سے اس کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے:عبد الملک بن عمیر بہت زیادہ مضطرب البیان ہے اس سے منقول میں نے ۵۰۰سو وایتیں دیکھی ہیں کہ جن میں اکثر غلط ہیں عبدالملک بن عمیر مضطرب الحدیث جداً۔اأری لہ خمسأءۃ حدیث، وقد غلط فی کثیر منہا'' اور احمد بن خلیل نے بھی اس کے ضعیف ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔اور ابو حاتم سے نقل کیا ہے:(عبدالملک)لیس بحاف*۔تغیر حفظہ قبل موتہ''عبدالملک کا حافظ درست نہیں ہے اور موت سے پہلے اس کا حافظ کھوگیا تھا۔

---

[1] فتح الباری،ج۸،ص۲۵۳
[2] تہذیب التہذیب،ج۲،ص۱۸۱
[3] سنن ترمذی ،ج۵،ص۵۷۰،ح۳۶۶۳

اورترمذی کی سند میں سالم بن علاء مرادی ہے کہ ابن معین اور نسائی نے اسے ضعیف جانا ہے[1]۔اس کے علاوہ ترمذی کی سند میں سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی ہے کہ ابن حجر نے صالح بن محمد سے نقل کیا ہے: ''إنہ کان یغلط ''یعنی: ''وہ مسلسل غلطی کرتا تھا[2]۔''اس ،اس کے علاوہ اگر اس قسم کی احادیث ثابت ہوتیں توابو بکر اور عمر سقیفہ میں ان سے استدلال کرتے اور خلافت کے لئے اپنی صلاحیت ثابت کرتے جبکہ اس قسم کی کوئی چیز قطعی طورپر نقل نہیں ہوئی ہے اور یہ قطعی طورپرثابت ہے کہ مذکورہ حدیث صادر نہیں ہوئی ہے اور جعلی ہے۔اولیاء شرعی (باپ) بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں :باپ،دادا وغیرہ کہ جو ولایت شرعی رکھتے ہیں وہ بھی بہ طور مطلق ''اولوالامر'' نہیں ہیں۔گزشتہ موارد میں ذکر شدہ مطالب سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتاہے۔

''اولوالامر''اور حدیث نزلت،حدیث اطاعت اور حدیث ثقلین حدیث منزلت:حاکم حسکانی[3] نے ''شواہد التنزیل[4] ''میں آیہء اولوالامر کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے اوراپنی سند سے مجاہد سے روایت کی ہے'' :۔وأولی الأمر منکم''قال:نزلت فی أمیرالمؤمنین حین خلفہ رسول اللہ بالمدینۃ فقال:أتخلفنی علی النساء والصبیان؟ فقال: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلۃ ہارون من موسی،حین قال لہ ''أخلفنی فی قومی وأصلح''فقال اللہ: ''۔وأولی الأمر منکم۔'' فقال: ہوعلی بن ابی طالب، ولاّہ اللہ الامر بعد محمد فی حیاتہ حین خلفہ رسول اللہ بالمدینۃفأمراللہ العباد بطاعتہ وترک خلافہ''''(آیہء شریفہ کے بارے میں)(۔وأولی الأمر منکم۔)مجاہد نے یوں کہا ہے:آیہء شریفہ امیرالمؤمنین علی (علیہ السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جب رسول خدا ﷺ نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔اس وقت علی (علیہ السلام)نے کہا :کیامجھے عورتوں اور بچوں پر جانشین قرار دے رہے ہیں؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا:کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تمھاری نسبت میرے الحکانی القاضی المحدث ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ ۔۔۔ محمد بن حساکان القرشی العامری اللینسا بوری الخفی الحاکم، و یعرف با بن الحذاء ، شیخ متقن ذو عنایۃ تامۃ بعلم الحدیث، حکانی،قاضی محدث ابوالقاسم

---

[1] میزان الاعتدال،ج۲،ص۱۱۲،دارالفکر
[2] تہذیب التہذیب ،ج۴،ص۸۶
[3] حاکم حسکانی اہل سنّت کے بڑے محدثین میں سے ہے۔ذہبی اس کے بارے میں کہتاہے:
[4] شواہد التنزیل ،ج۲،ص۱۹۰،مؤسسہ الطبع والنشر

عبیداللہ بن عبداللہ... محمد بن حسکانی قرشی عامری نیشابوری حنفی مذہب وحاکم ،ابن خداء کے نام سے معروف ہے۔ وہ علم حدیث کے بارے میں قوی اور متقن استاد (شیخ) ہے۔

ساتھ وہی ہے جو ہارون کی نسبت موسیٰ (علیہ السلام) سے تھی جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا (أخلفنی فی قومی) ''میری قوم میں میرے جانشین ہو اور اصلاح کرو'' (اس آیہ شریفہ میں) خدا وند متعال نے فرمایا ہے: (وأولی الأمر منکم) ''اولوالامر'' (کا مصداق) علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں کہ خداوند متعال نے انھیں پیغمبر ﷺ کی حیات میںآپ کے بعد امت کے لئے سرپرست قرار دیا ہے،جب انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔لہذا خداوند متعال نے اپنے بندوں کوان کی اطاعت کرنے اوران کی مخالفت ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔اس حدیث میں،اس مجاہد نامی تابعی دانشور اور مفسر نے آیہ شریفہ ''اولی الامر'' کی شان نزول کے لئے وہ وقت جانا ہے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین قرار دیا تھا۔اس حدیث میں ہارون کی وہ تمام منزلتیں جو وہ موسیٰ کے حوالے سے رکھتے تھے،علی علیہ السلام کے لئے رسول خدا ﷺ کے حوالے سے قرار دی گئی ہیں۔من جملہ ان میں سے ایک موسیٰ (علیہ السلام) کی نسبت سے ہارون کی جانشینی ہے۔یہ جانشینی،جس کا لازمہ پوری امت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کا واجب ہونا ہے،علی علیہ السلام کے لئے معین کی گئی ہے۔یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس ان نزول سے قطع نظر،حدیث منزلت فریقین (شیعہ وسنی) کے درمیان ثابت اور مسلّم احادیث میں سے ہے،اس طرح کہ حدیث منزلت کو بیان کرنے کے بعد مذکورہ شان نزول کے سلسلہ میں حاکم حسکانی کا کہنا ہے: ''وہذا ھوحدیث المنزلۃ الذی کان شیخنا ابوحازم الحافظ یقول: خرجتہ بخمستآلاف إسناد'' یہ وہی حدیث منزلت ہے کہ ہمارے شیخ (ہمارے استاد) ابوحازم حافظ (اس کے بارے میں) کہتے ہیں:میں نے اس (حدیث) کو پانچ ہزار اسنادسے استخراج کیا ہے۔''لہذا،اس حدیث کے معتبر ہونے کے سلسلے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ابن عساکر جیسے بڑے محدثین نے اپنی

کتابوں میں اسے اصحاب کی ایک بڑی تعداد سے نقل کیا ہے[1]۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل اور سب سے اعلم نیز آنحضرت ﷺ کی حیات اور آپؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے جانشین ہیں۔

حدیث اطاعت:

دوسری دلیل جو ''اولوالامر''کو علی علیہ السلام پر منطبق کرنے کی تاکید کرتی ہے،وہ ''حدیث اطاعت'' ہے۔یہ حدیث گوناگوں طریقوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے:حاکم نیشا پوری نے اپنی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین''[2] میں اسے نقل کیا ہے اور ذہبی نے ذیل صفحہ تلخیص کرتے ہوئے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے۔حدیث کا متن یوں ہے ''قال رسول اللہ ﷺ من أطاعنی فقداطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن أطاع علیاً فقد أطاعنی ومن عصی علیاً فقد عصانی''''پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرنی (معصیت) کی گویا اس نے خدا کی نافرمانی کی

اور جس نے علی (علیہ السلام) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جو نے علی (علیہ السلام) سے نافرمانی کرے گا اس نے مجھ سے نافرمانی کی ہے۔اس حدیث میں پیغمبر اسلام ﷺ نے علی علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے متلازم قرار دیا ہے اور اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت سے متلازم جا نا ہے۔اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کیا ہے اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا ہے۔یہ حدیث واضح طور پر علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر ﷺ کے مانند

---

[1] شواہد التنزیل ،ج۲،ص۱۹۵،مؤسسۃ الطبع والنشر

[2] المستدرک ،ج۳،ص۱۲۱،دارالمعرفۃ،بیروت

ہے۔

واجب الاطاعت ہونے کی دلیل ہے۔اس کا مضمون آیہء شریفہ ''اولوالامر'' کے مضمون کی طرح ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اولوالامر کی اطاعت گویا رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث آیہء شریفہء اولی الامر کے حضرت علی بن بیطالب علیہ السلام پر انطباق کے لئے مفسر ہے۔

اسی طرح یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی عصمت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اطاعت حکم اورامرپر متفرع ہے کیونکہ جب تک کوئی حکم و امر نہیں ہوگا اطاعت موضوع و معنی نہیں رکھتی ہے اور حکم وامر ارادہ پر موقوف ہے،اورارادہ شوق نیزدرک مصلحت در فعل کا معلول ہے۔جب حدیث کے تقاضے کے مطابق علی علیہ السلام کی اطاعت پیغمبر ﷺ کی اطاعت کے ملازم بلکہ اس کا ایک حصہ ہے،تواس کا امر بھی پیغمبر ﷺ کا امر اور اس کا ارادہ بھی آنحضرت ﷺ کا ارادہ اوراس کا درک مصلحت بھی عین درک مصلحت پیغمبراکرم ﷺ ہوگا اوریہ حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔

حدیث ثقلین:

ایک اور دلیل جو آیہ شریفہ ''اولوالامر''کو پیغمبراسلام ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام (ائمہء معصوم)پرانطباق کی تاکید کرتی ہے،وہ حدیث ثقلین ہے۔یہ حدیث شیعہ وسنی کے نزدیک مسلّم اور قطعی ہے اور بہت سے طریقوں اور اسناد سے احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اگر چہ یہ حدیث متعدد مواقع پر مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے،لیکن اس میں دوجملے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اوریہ دوجملے حسب ذیل ہیں''؛إنی تارک فیکم الثقلین :کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ماإن تمسکتم بہما لن تضلّوا ابداً۔وإنّہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض[1]''میں تم میں دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:ایک کتاب خدااور دوسرے میری عترت کہ جواہل بیت (علیہم السلام)ہیں اگر تم انھیں اختیار کئے رہوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض

[1] صحیح ترمذی، ج۵، ص۶۲۱-۶۲۲دارالفکر۔ مسنداحمد، ج۳، ص۱۷و۵۹وج۵، ص۱۸۱و۸۹ ۱دارصادر، بیروت۔مستدرک حاکم ج۳،ص۱۰۹-۱۱۰،دارالمعرفۃ،بیروت۔حضائص النسائی ،ص۹۳،مکتبۃنینویٰ۔اس کے علاوہ اس اسلسلہ میں دوسرے بہت سے منا بع کے لئے کتاب اللہ واھل البیت فی حدیث ثقلین''کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

کوثرپر میرے پاس وارد ہوں گے ۔ ''ابن حجر نے اپنی کتاب ''الصواق المحرقۃ[1]میں اس حدیث کے بارے میں کہاہے'': ثقلین سے تمسک کرنے کی حدیث کے بارے میں بہت سے طریقے ہیں۔یہ حدیث بیس سے زیادہ اصحاب سے نقل ہوئی ہے۔ان طریقوں میں سے بعض میں آیاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس وقت مدینہ میں ارشاد فرمایا کہ جب آپؐبستر علالت پر تھے اوراصحاب آپؐ کے حجرۂ مبارک میںآپؐ کے گرد جمع تھے۔بعض دوسرے طریقوں سے نقل ہواہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے غدیر خم میں بیان فرمایا ہے۔بعض دوسرے منابع میںآیاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طائف سے واپسی کے موقع پر فرمایاہے۔ان سب روایتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔کیونکہ ممکن ہے قرآن وعترت کی اہمیت کے پیش ظران تمام مواقع اور ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی اس حدیث کوبیان فرمایا ہوگا۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم،علامہ بحرانی نے اپنی کتاب ''غایتالمرام[2]۔میں حدیث ثقلین کو اہل سنت کے ۳۹ طریقوں سے اور شیعوں کے ۸۲ طریقوں سے نقل کیا ہے۔اس حدیث شریف میں پہلے، امت کوگمراہی سے بچنے کے لئے دوچیزوں(قرآن جیداور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علہیم السلام)سے تمسک اور پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے،جو اس بات پر دلالت ہے کہ اگر ان دونوں کی یاان میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی گئی تو ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہونا یقینی ہے اور یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت(علیہم السلام) اور قرآن مجید ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اورہرگزایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔یہ دو جملے واضح طورپر دلالت کرتے ہیں کہ ،اہل بیت علیہم السلام ،جن میں سر فہرست حضرت علی علیہ السلام ہیں ،لوگوں کوچاہیئے وہ قرآن مجید کے مانندان سے متمسک رہیں اوران کے اوامر کی اطاعت کریں ۔اور یہ کہ وہ قرآن مجید سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ،واضح طورپر ان کی عصمت کی دلیل ہے ،کیونکہ اگروہ گناہ وخطا کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ قرآن مجید سے جدا ہوجائیں گے،جبکہ حدیث ثقلین کے مطابق وہ کبھی قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے۔

---

[1] الصواعق المحرقۃ،ص۱۵۰،مکتبۃ القاہرۃ
[2] غایۃالمرام،ج۲،ص۳۶۷۔۳۰۴

شیعہ وسنی منابع میں اولوالامر سے متعلق حدیثیں آیہء شریفہ ''اولوالامر'' کے علی علیہ السلام اورآپ (ع) کے گیارہ معصوم فرزندوں (شیعوں کے بارہ اماموں) پرانطباق کی دلائل میں سے ایک اوردلیل،وہ حدیثیں ہیں،جو شیعہ و سنی کی حدیث کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں اور اولوالامر کی تفسیر علی (علیہ السلام)،اورآپ (ع) کے بعدآپ (ع) کے گیارہ معصوم اماموں کی صورت میں کرتی ہیں۔ ہم یہاں پر ان احادیث میں سے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

پہلی حدیث:

ابرھیم بن محمد بن مؤید جومنی[1] کتاب ''فرائدا لسطین''[2] میں اپنے اسناد سے اورشیخ صدوق ابن بابویہ قمی کتاب ''کمال الدین[3] میں سلیم بن قیس سے روایت کرتے ہیں '':میں نے خلافت عثمان کے زمانہ میں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھا کہ حضرت علی (علیہ السلام) مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ لوگ آپس میں گفتگو کرنے میں مشغول تھے۔وہ قریش اوران کے فضائل نیز ان کے سوابق اور جوکچھ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے بارے میں فرمایا ہے، کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اوراسی طرح انصار کی فضیلت اوران کے شاندار ماضی اورقرآن مجید میں ان کے بارے میں خدا وند متعال کی تعریف و تمجید کا ذکر رہے تھے اورہر گروہ اپنی اپنی فضیلت گنوا رہا تھا۔اس گفتگو میں دوسو سے زیادہ لوگ شریک تھے ان میں حضرت علی (علیہ السلام) سعد بن ابی وقاص،عبدالرحمن بن عوف،طلحہ،زبیر،مقداد،ابوذر،حسن وحسین (علیہما السلام) اورابن عباس...بھی شامل تھے۔ ''ابراھیم بن محمد۔الامام الکبیر المحدث شیخ المشایخ'' یعنی:بہت بڑے امام محدث اور استادالاساتذہ ۶۴۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۲۲ھ ہجری میں خراسان میں و فات پائی ۔ابن حجرکتاب ''الدررالکامنہ'' ج۱،ص۶۷ میں کہتے ہیں:''وسمع بالحلۃ وتبریز۔ولہ رحلۃ واسعۃ وعنی بھذاالشأن وکتب وحصل۔وکان

---

[1] ذہبی ،کتاب''المعجم المختص بالمحدثین''ص۶۵ ،طبع مکتبۃالصدیق سعودی،طائفمیں لکھاہے:
[2] فرائدالبطین ،ج۱،ص۲۱۲ ،مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر،بیروت اسماعیل با شا کتاب ایضاح المکنون میں کشف الظنون،ج۴،ص۱۸۲ ،دارالفکر کے ذیل میں کہتا ہے:
[3] کمال الدین،ص۲۷۴

دینا وقوراً ملیح الشکل جید القراء ہ ۔'' یعنی: حلہ اور تبریز میں (حدیث کے اساتذہ کے دوسرے شہروں کے بارے میں) سنا ے ۔ علم حدیث کے بارے میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے ۔

اور متدین ،باوقار،خوبصورت اوراچھی قرائت کے مالک تھے ۔ فرائد السطین،فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسطین لأبی عبداللہ ابراھیم بن سعد الدین محمد بن أبی بکر بن محمد بن حمویہ الجوینی ۔ فرغ منہ سنۃ۷۱۶، یہ جلسہ صبح سے ظہر تک جاری رہا اور علی (علیہ السلام) بدستور خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے آپ (ع) کی طرف مخاطب ہوکر آپ سے کچھ فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: تم دونوں گروہوں میں سے ہرایک نے اپنی فضیلت بیان کی اور اپنی گفتگو کا حق ادا کیا ۔ میں قریش وانصار دونوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں: خدا وند متعال نے یہ فضیلت تمھیں کس کے ذریعہ عطاکی ہے؟ کیا تم لوگ اپنی اوراپنے قبیلے کی خصوصیات کی وجہ سے ان فضیلتوں کے مالک بنے ہو؟ یاکسی دوسرے کی وجہ سے یہ فضیلتیں تمھیں عطا کی گئی ہیں؟ انہوں نے کہا: خدا وندمتعال نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپ کے اہل بیت (علیہم السلام) کے طفیل میں ہمیں یہ فضیلتیں عطا کی ہیں۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: صحیح کہا تم لوگوں نے اے گروہ انصار وقریش! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جوکچھ تم کوخیر دینا آخرت سے ملا ہے وہ صرف ہم اہل بیت (ع) کی وجہ سے تھا؟ اس کے بعد حضرت علی (علیہ السلام) نے اپنے اور اپنے اہل بیت (علیہم السلام) کے بعض فضائل گنوائے اوران سے تصدیق اور گواہی چاہی انہوں نے گواہی دی،آپ (ع) نے من جملہ رمایا: فأنشدکم اللہ،أتعلمون حیث نزلت (یاأیہاالذین آمنوا أطیعوااللہ وأطیعواالرّسول وأولی الأمر منکم[1]) وحیث نزلت (إنّماولیّکم اللہ ورسولہ والّذین آمنواالذین یقیمون الصلوۃ ویؤ تون الزکوۃ وھمراکعون)[2]،وحیث نزلت (أم حسبتم أن تترکواولمّا یعلم اللہ الّذیم جاہدوامنکم ولم یتخذ وا من دون اللہ ولا رسولہ ولاالمؤمنین ولیجۃ[3])،قال الناس: یا رسول اللہ،خاصۃ فی بعض المؤمنین أم عامۃ لجمیعھم؟فأمراللہ عزّوجلّ نبیّہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنیعلّمھم ولاۃأمرھم وأن یفسّر لھم من الولایۃ مافسّرلھم من صلا تھم وزکاتھم وحجھم،فینصبنی للناس بغدیر

[1] نساء،۵۹
[2] مائدہ،۵۵
[3] توبہ،۱۶

خم۔ثمّ خطب وقال:أيّهاالنّاس،إن الله أرسلني برسالة ضاق بها صدري وظننت أن الناس مكذبي۔فاوعدني لأ بلّغها أوليعذّبني۔ثمّ أمرفنودي بالصلاة جامعة۔ثمّ خطب فقال:أيّهاالناس ،أتعلمون أنالله عزّوجل مولاي أنامولى المؤمنين،وأنا أولى بهم من أنفسهم؟ قالوا :بلى يارسول الله۔قال:قُم ياعليّ۔فقمت فقال: ''من كنت مولاه فهذاعليّ مولاه،اللّهمّ وال من والاه،وعادمن عاداه۔''فقام سلمان فقال:يارسول الله،ولاء كماذا؟فقال:ولاء كولايتي، منكنت أولى به من نفسه فأنزل الله تعالى ذكره :(اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا[1]) فكبّرالنبيّ صلّى الله عليه وآله وسلّم وقال:الله أكبر،تمام نبوّتي وتمام دين الله عليّ بعدي۔فقام أبوبكروعمرفقالا:يارسول الله،هؤلاء لآيات خاصّتةفي عليّ؟قال:بلى،فيه وفي أوصيائي إلى يوم القيامة۔قالا:يارسول الله،بيّنهم لنا ۔قال:عليّ أخي ووزيري ووارثي ووصيّ وخليفتي في أمّتي ووليّ كلّ مؤمن بعدي۔ثمّ ابني الحسن ثمّ الحسين ثمّ تسعة من ولدابني الحسين واحد بعد واحد،القرآن معهم وهم مع القرآن لايفارقونه لايفارقهم حتى يردوا عليّ الحوض۔

فقالوا كلّهم:اللّهمّ نعم،قد سمعناذلك وشهدناكماقلت سواء۔ وقال بعضهم:قد حفظناجلّ ماقلت ولم نحفظه كلّه،وهؤلاء الّذين حفظواأخيارناوأفاضلنا ۔یعنی:میں تمھیں خدا کی قسم دلاتاہوں،کیا تم جانتے ہو کہ جب خداوندمتعال کا یہ فرمان:(یا أیّہاالذین آمنواأطیعواللہ وأطیعوا الرّسول واولی الأمرمنکم)نازل ہوا اورجب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی:(إنّما ولیّکم اللہ ورسولہ۔)(یعنی بس تمہاراولی اللہ ہے اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نمازقائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)اسی طرح جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی:(أم حسبتم أن تترکوا۔۔۔)(یعنی :کیاتمہارا خیال ہے کہ تم کواسی طرح چھوڑدیا جائے گا جب کہ ابھی ان لوگوں نے کہ جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور خدا و رسول نیز مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا محرم راز نہیں بنا یا ہے مشخص نہیں ہوئے ہیں؟ تو لوگوں نے کہا :یارسول اللہ!کیا یہ آیتیں بعض مؤمنین سے مخصوص ہیں یا عام ہیں اوران میں تمام مؤمنین شامل ہیں؟ خداوند متعال نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا :تاکہ ان(مومنین)کے امور کے سلسلہ میں ان کے سرپرست کا اعلان کردیں اور جس طرح

[1] مائدہ۳

نماز،زکوٰۃ،اور حج کی ان کے لئے تفسیر بیان کی ہے،مسئلہ ولایت و سر پرستی کو بھی ان کے لئے واضح کر دیں۔(اور خدا نے حکم دیا)تاکہ غدیر خم میں مجھے اپنا جانشین منصوب کریں۔

اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا''اے لوگو!خدا وند متعال نے مجھے ایک ایسی رسالت سونپی ہے کہ جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگی محسوس کر رہا ہے اور میں نے گمان کیا کہ لوگ میری اس رسالت کو جھٹلادیں گے۔پھر مجھے خدا نے تہدید دی کہ یا میں اس(رسالت) کوپہنچاؤں یا اگر نہیں پہونچاتا تووہ مجھے عذاب کرے گا۔''اس کے بعد پیغمبراکرم ﷺ نے حکم دیا اور لوگ جمع ہو گئے اور آنحضرت نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:اے لوگو!کیا تم جانتے ہوکہ خداوند متعال میرا مولا (میرا صاحب اختیار)ہے اور میں مؤمنین کا مولا ہوں اور مجھے ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق ہے؟انہوں نے کہا:ہاں،یارسول اللہ۔فرمایا:اے علی(علیہ السلام)کھڑے ہوجاؤ!میں کھڑا ہوا۔فرمایا:جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی(ع)بھی مولا ہیں۔خداوندا!اس کو دوست رکھ جو علی(ع)کودوست رکھے اوراس کو اپنا دشمن قرار دے جو علی(ع)سے دشمنی کرے۔

سلمان اٹھے اور کہا:یارسول اللہ!یہ کونسی ولایت ہے؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا:یہ ولایت وہی ہے جو میں رکھتا ہوں ۔جس کی جان کے بارے میں،میں اولیٰ ہوں علی(ع)بھی اسی طرح اس کی جان کے بارے میں اولیٰ ہے۔اس کے بعد خدا وند متعال نے یہ آیۂ شریفہ نازل فرمائی:(الیوم أکملت لکم دینکم۔)یعنی:''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اوراپنی نعمتوں کوتمام کر دیا ہے اورتمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''اس کے بعد ابوبکراور عمر اٹھے اور کہا:یارسول اللہ !کیا یہ آیتیں علی(ع)سے مخصوص ہیں؟فرمایا:جی ہاں،یہ علی(ع)اور میرے قیامت تک کے دوسرے اوصیاء سے مخصوص ہیں۔انہوں نے کہا:یارسول اللہ!ان کو ہمارے لئے بیان کر دیجئے آنحضرت نے فرمایا:میرا بھائی علی،امت کے لئے میراوزیر،وارث،وصی اور جانشین ہے اور میرے بعد ہرمؤمن کا سرپرست ہے۔اس کے بعد میرے فرزند حسن وحسین(ع)اس کے بعد یکے بعد دیگرے میرے حسین(ع)کے نوفرزند ہیں۔قرآن مجید ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن مجید کے ساتھ ہیں۔وہ قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے

ورقرآن مجیدان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔اس کے بعد علی علیہ السلام نے اس مجمع میں موجود ان لوگوں سے،کہ جومیدان غدیر میں موجوتھے اور پیغمبراکرم ﷺ کی ان باتوں کواپنے کانوں سے سن چکے تھے،کہا کہ اٹھ کراس کی گواہی دیں۔

زیدبن ارقم،براء بن عازب،سلمان،ابوذراورمقداداپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا :ہم شہادت دیتے ہیں اورپیغمبر ﷺ کے بیانات یاد ہیں کہ آنحضرتؐ منبرپرکھڑے تھے اوران کے ساتھ آپ(ع)بھی ان کی بغل میں کھڑے تھے اورآنحضرتؐفرمارہے تھے ''اے لوگو!خداوند متعال نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے امام کہ جو میرے بعد تم لوگوں کی رہنمائی اور سرپرستی کرے اورمیراوصی اورجانشین ہو،کو نصب کروں،اس کونصب کروں جس کی اطاعت کوخداوند متعال نے اپنی کتاب میں واجب قراردیا ہے نیزاس کی اطاعت کواپنی اورمیری اطاعت کے برابرقراردیا ہے کہ جس سے(آیہ اولوالامرکی طرف اشارہ ہے) اے لوگو!خداوند متعال نے تمھیں نماز،زکوٰۃ،روزہ اورحج کا حکم دیا ۔میں نے تمہارے لئے اس کی تشریح ووضاحت کی ۔اوراس نے تمھیں ولایت(کا ایمان رکھنے) کا بھی حکم دیااورمیں، تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ ولایت اس(شخص)سے مربوط ہے (یہ جملہ بیان فرماتے وقت آنحضرتؐ اپنادست مبارک علی(ع)کے شانہ پر رکھے ہوئے تھے)اوران کے بعداس کے دونوں بیٹوں(حسن وحسین(ع) اوران کے بعد ان کے فرزندوں میں سے ان کے جانشیوں سے مربوط ہے''...حدیث مفصل و طولانی ہے۔ہم نے اس میں سے فقط اتنے ہی حصہ پراکتفا کیا کہ جوآیہء شریفہ ''اولوالامر''سے مربوط ہے ۔ محققین مذکورہ منابع میں مفصل حدیث کا مطلعہ کر سکتے ہیں۔

دوسری حدیث

یہ وہ حدیث ہے جسے مرحوم شیخ صدوق نے ''کمال الدین[1]'' میں جابر بن یزید جعفی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے '': میں نے سنا کہ جابر بن عبداللہ انصاری کہتے تھے:جب خدا وند متعال نے اپنے پیغمبر ﷺ پر یہ آیہء شریفہ :(یاایھاالذین آمنوأطیعوااللہ وأطیعواالرسول واولی الأمر منکم)نازل فرمائی،تو میں نے کہا :یارسول اللہ!ہم نے خدا اوراس کے رسولؐ کو پہچان لیا ۔اب وہ ولوالامرکہ جن کی اطاعت کو خداوند متعال نے آپؐ کی اطاعت سے مربوط قرار دیا ہے،وہ کون ہیں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے جابر!وہ میرے جانشین ہیں اورمیرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں۔ان میں سب سے پہلے لی بن ابیطالب، پھر حسن و حسین،پھر علی بن حسین،پھر محمد بن علی،جوتوریت میں باقر کے نام سے معروف ہیں اوراے جابر!تم جلدی ہی اس سے ملاقات کروگے لہذا جب انھیں دیکھنا توانھیں میرا سلام پہنچانا۔پھر صادق جعفر بن محمد،پھر موسیٰ بن جعفر،پھر علی بن موسیٰ،پھر محمد بن علی،پھر علی بن محمد،پھر حسن بن علی،پھر میرا ہم نام اورہم کنیت (جو)زمین پر خدا کی حجت اورخدا کی طرف سے اس کے بندوں کے درمیان باقی رہنے والا حسن بن علی (عسکری)کا فرزند ہے،جس کے ذریعہ خدا وند متعال مشرق ومغرب کی زمین کو فتح کرے گا۔وہ شیعوں اور ان کے چاہنے والوں کی نظروں سے غائب ہوگا۔وہ ایسی غیبت ہوگی کہ ان کی امامت پر خدا کی طرف سے ایمان کے سلسلہ میں آزمائے گئے دلوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہے گا''

تیسری حدیث:

یہ حدیث اصول کافی[2] میں برید عجلی سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں '':امام باقر (علیہ السلام) نے فرمایا:خدا وند متعال نے(آیہء شریفہ) (یا أیّہا الذین آمنوا أطیعو اللہ و أطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم)کے بارے میں صرف ہمارا قصد کیا ہے۔تمام مؤمنین کو قیامت تک ہماری (ائمہ معصومین) اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔''اس کے علاوہ شیعہ وسنی منابع میں اوربھی احادیث

[1] کمال الدین،ص۲۵۳
[2] اصول کافی،ج۱،ص۲۱۷

نقل کی گئی ہیں جن میں ''اولوالامر''سے مراد ائمہء معصومین کو لیا گیا ہے۔اہل تحقیق،''فرائد السمطین''اور''ینابیع المودۃ''جیسی سنی تابوں اور''اصول کافی''،''غایتالمرام''اور''منتخب الاثر'' جیسی شیعوں کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

چوتھا باب

امامت آیہء ولایت کی روشنی میں

امامت آیہء ولایت کی روشنی میں

(إنّما ولیکم اللہ ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون[1]) ''بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں،جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں''۔امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلافصل ولایت کے سلسلہ میں شیعہ امامیہ کی ایک اور دلیل آیہء شریفہ ولایت ہے۔آیہء شریفہ کے استدلال کی تکمیل کے سلسلہ میں پہلے چند موضوعات کا ثابت کرنا ضروری ہے:

۱۔آیہء شریفہ میں ''إنما'' حصر کے لئے ہے۔

۲۔آیہء شریفہ میں لفظ ''ولی'' حص کے معنی اولی بالتصرف اور صاحب اختیار نیز سرپرست ہونے کے ہے۔

۳۔آیت میں ''راکعون'' سے مراد نماز میں رکوع ہے،نہ کہ خضوع وخشوع۔

۴۔اس آیہء شریفہ کے شان نزول میں،کہ جو امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ہے،ذکر ہوا ہے کہ حضرت(ع)نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی،(یعنی اپنے مال کو خدا کی راہ میں انفاق کیا ہو)ثابت ہو۔اس باب میں ہم ان موضوعات کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور آخر پر اس آیہء شریفہ سے مربوط چند سوالا ت کا جواب دیں گے۔

---

[1] مائدہ ۵۵

لفظ ''إنما ''کی حصرپر دلالتعلما ئے لغت اورادبیات نے اس بات کی تاکید کیہے کہ لفظ ''إنما ''حصرپر دلالت کرتا ہے۔یعنی عربی لغت میں یہ لفظ حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

ابن منظورنے کہاہے:اگر ''إن''پر ''ما''کا اضافہ ہو جائے تو تعیین و تشخص پر دلالت کرتاہے۔جیسے خداوند متعال کا قول ہے:(إنّما الصدقات للفقراء والمساکین۔[1]چونکہ اس کی دلالت اس پر ہے کہ حکم مذکور کوثابت کرتا ہے اوراس کے غیر کی نفی کرتا ہے[2]۔جوہری نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے[3]۔فیروزآبادی نے کہاہے:''أنّما''،''إنّما''کے مانند مفید حصرہے۔اور یہ دونوں دونوں لفظ آیہء شریفہء:(قل إنّمایوحی إلیّ أنّماإلٰھکم إلٰہ واحد[4])میں جمع ہوئے ہیں[5]۔ابن ہشام نے بھی ایساہی کہا ہے[6]۔اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ ''إنّما''کوحصرکے لئے وضع کیا گیاہے۔اگرکوئی قرینہ موجو ہوتواس قرینہ کی وجہ سے غیر حصرکے لئے استفادہ کیاجاسکتا ہے،لیکن اس صورت میں ''إنّما''کااستعمال مجازی ہوگا۔ ''ولیّ''کے معنی کے بارے میں تحقیق

''ولّی''ولایت سے مشتق ہے۔اگرچہ یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے موارد استعمال کی جستجو و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی معنی سر پرستی ،اولویت دارالکتب العلمیة بیروتاور صاحب اختیارہو نے کے ہے۔ابن منظورکا ''لسان العرب''میں کہنا ہے ''الولیّ ولیّ الیتیم الذّی یلی أمرہ ویقوم بکفایتہ،وولیّ المرءۃالذّی یلی عقدالنکاح علیھا۔وفی الحدیث:أیّماامرءۃ نکحت بغیرإذن مولیھا فنکاحھاباطل۔وفی روایۃ:''ولیّھا''أی متولّی أمرہا''یتیم کا ولی وہ ہے جو یتیم کے امور اور اس کی کفالت کا ذمہ دار ہےاوراس کے امورکی نگران کرتا ہے۔عورت کا ولی وہ ہے کہ جس کے اوپر اس کے عقد ونکاح کی ذمہ داری ہو۔حدیث میں آیا

---

[1] توبہ۶۰
[2] لسان العرب،ج۱،ص۲۴۵
[3] صحاح اللغۃ،ج۵،ص۲۰۷۳
[4] انبیاء۱۰۸
[5] القاموس المحیط،ج۴،ص۱۹۸،دارالمعرفۃ،بیروت۔
[6] مغنی اللبیب ،ج۱،ص۸۸،
[7] لسان العرب ،ج۱۵،ص۱۰۴،دار احیاء التراث العربی ،بیروت

ہے:جوبھی عورت اپنے مولا(سرپرست)کی اجازت کے بغیرشادی کرے تواس کا نکاح باطل ہے۔ایک روایت میں لفظ''ولیھا''کے بجائے لفظ''مولیھا''آیا ہے کہ جس کے معنی سرپرست اورصاحب اختیار کے ہیں۔فیومی''المصباح المنیر''میں کہتا ہے'':الولیّ فعیل بہ معنی فاعل من ولیہ إذقام بہ۔ومنہ(اللہ ولیّ الّذین آمنوا)،والجمع أولیاء،قال ابن فارس:وکلّ من ولی أمرأحد فھوولیہ۔وقد یطلق الولیّ أیضاًعلی المعتق والعتیق،وابن العم والناصر۔والصدیق۔ویکون الولیّ بمعنی مفعول فی حق المطیع،فیقال:المؤمن ولیّ اللہ''[1]۔''فعیل(کے وزن پر)ولی فاعل کے معنی میں ہے[2]۔(کہا جاتا ہے):ولیہ یہ اس ''فیومی نے اپنے بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیہ شریفہ میں ''فعیل''فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ مؤمن کو کہا جاتا ہے''ولی خدا''یعنی جس کے امورکی تدبیر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے اپنے الطاف سے نوازتا ہے۔

صورت میں ہے جب کسی کے امور کے لئے عملاً قیام کرے اس کے کام کواپنے ذمہ لے لے۔آیہ شریفہ:(اللہ ولیّ الذین آمنوا)میں ولایت اسی کی ہے۔یعنی خداوند متعال مؤمنین کے امور کے حوالے سے صاحب اختیارا ور اولی بالتصرف ہے۔ابن فارس نے کہا ہے:جو بھی کسی کے امورکاذمہ دار ہوگا وہ اس کا ''ولی''ہوگا۔اور بعض اوقات''ولی''(دوسرے معانی میں جیسے)غلام کوآزاد کرنے والاآزاد شدہ غلام،چچازاد بھائی،یاوراوردوست کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ان بزرگ ماہرین لغت کے بیان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ یاور اوردوست جیسے مفاہیم ولی کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی ان معنوں میں استعمال ہو تا ہے اوراس قسم کا استعمال مجازی ہے۔''ولی''کے معنی میں یہ جملہ معمولاًلغت[3]کی کتابوں میں بہ کثرت نظر آتا ہے وہ ناقابل اعتناء ہے ''من ولی أمر أحدفھوولیہ''یعنی:''جو کسی کے کام کی سر پرستی اپنے ذمہ لے لے وہ اس کا ولی ہے'' ان معانی کے پیش نظر،ایسا لگتا ہے کہ لفظ''ولی''کا حقیقی اور معروف ومشہور معنی وہی صاحب اختیاروسرپرست ہوناہے۔قرآن

---

[1] المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰،طبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر

[2] فعیل''صفت مشبہ ہے۔کبھی فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتاہے،جیسے''شریف''اورکبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔

[3] لسان العرب،ج۱۵،ص۴۱۰،المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰طبع مصطفی البابی الحلبی بمصر،النہا یۃج۵،ص۲۲۸المکتبۃ العلمیۃ،بیروت،منتہی الارب ،ج۴،ص۱۳۳۹،انتشارات کتابخانہ سنائی،مجمع البحرین،ج۲ص۵۵۴،دفتر نشر فرہنگ اسلامی،الصحاح،ص۲۵۲۹،دارالعلم للملایین ،المفردات،ص۵۳۵،دفتر نشر کتابمعجم مقا ییس اللغۃ،ج۶،ص۱۴۱۔

مجید میں اس لفظ کے استعمال پر جستجو و تحقیق بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے۔ ہم لفظ ''ولی'' کے قرآن مجید میں استعمال ہونے کے بعض موارد کا ذکر کرکے بعض دوسرے موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں[1]: چند بنیادی نکات کی یاد دہانیہاں پر چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:پہلانکتہ:عام طور پر لغت کی کتابوں میں ایک لفظ کے لئے بہت سے موارد استعمال اور مختلف معانی ذکر کئے جاتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لفظ ہر معانی کے لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہے اور وہ لفظ مشترک ہے اور ان معانی میں سے ہرایک،اس کا حقیقی معنی ہے لفظی اشتراک(یعنی ایک لفظ کے کئی معانی ہوں اور ہر معنی حقیقی ہو)اصول کے خلاف ہے۔اور علم لغت اور ادبیات کے ماہرین نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اصل عدم اشتراک ہے۔

الف۔ (أللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات إلی النور[2]) ''اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے وہ انہیں تاریکوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔''

ب۔ (إن ولی اللہ الذی نزل الکتاب و ہویتولی الصالحین[3]) ''بیشک میرا مالک و مختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا ولی ووارث ہے۔'

'ج۔ (ام إتخذوا من دونہ أولیاء فاللہ ہوالولی وہو یحیی الموتی (شوریٰ،۹) ''کیا ان لوگوں نے اس کے علاوہ کو اپنا سرپرست بنایا ہے جب کہ وہی سب کا سرپرست ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔''د۔ (قل أغیر اللہ أتخذوا ولیاً فاطر السموات والارض ہو یطعم ولا یطعم[4]۔) ''آپ کہئے کہ کیا میں خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی بنالوں جب کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا وہی ہے، وہی سب کو کھلاتا ہے اس کو کوئی نہیں کھلاتا ہے۔''

ہ ۔ (وانت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین) (اعراف،۱۵۵) ''تو ہمارا ولی ہے،ہمیں معاف کردے اور ہم پر رحم کر کہ

---

[1] قرآن مجید میں لفظ''ولی''کے استعمال کے مواقع:
[2] بقرہ،۲۵۷
[3] اعراف،۱۹۶
[4] انعام،۱۴

توبڑا بخشنے والا ہے۔''

و۔ (فإن کان الذی علیہ الحق سفیہاً او ضعیفاً اولا یستطیع ان یمل ہو فلیملل ولیہ بالعدل) (بقرہ ۲۸۲) ''اب اگر حق اس کے خلاف ہو اوروہ نادان یا کمزور ہو اور اس کو لکھنے کی صلا حیت نہ ہو تو اس کے ولی کو چاہئیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ اسے لکھے۔

ز۔ (ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً) (اسراء ۳۳) ''جو مظلوم قتل ہوتا ہے ہم اس کے ولی کو بدلہ کا اختیار دیتے ہیں۔

*دوسری آیات: یوسف ۱۰۱، ہود ۱۱۳، شوریٰ ۴۶، فصلت ۳۱، نحل ۶۳، بقرہ ۱۰۷ و ۱۲۰ توبہ ۷۴ و ۱۱۶، عنکبوت ۲۲، شوریٰ ۸ و ۳۱، نساء ۴۵، ۱۲۳، ۸۹، ۷۵ و ۱۷۳، احزاب ۱۷ و ۶۵، فتح ۲۲ (مذکورہ ۵ آیات میں ولی اور نصیر ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں نساء ۱۱۹، مریم ۵، سباء ۴۱، نمل ۴۹، نساء ۱۳۹، یونس ۶۲، اسراء ۹۷، الزمر ۳، شوریٰ ۶، ممتحنہ ۱، آل عمران ۱۷۵، انفال ۴۰، محمد ۱۱، بقرہ ۲۸۶، توبہ ۵۱، حج ۷۸۔

کتاب ''مغنی اللبیب'' کے مصنف، جمال الدین ابن ہشام مصری، جو اہل سنت میں علم نحو کے بڑے عالم مانے جاتے ہیں جب آیہ شریفہ (إن اللہ وملائکتہ یصلّون علی النّبی) میں قرائت رفع (ملائکۃ) کی بنیاد پر بعض علمائے نحو جو ''إن'' کی خبر (یصلّی ہے) کو محذوف اور مقدر جانتے ہیں، نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''واما قول الجماعۃ بعید من جہات: إحداہا اقتضاؤہ للإشتراک والأصل عدمہ لما فیہ من الإلباس حتیّ إن قوماً نفوہ۔ ثمّ المثبتون لہ یقولون: متی عارضہ غیرہ مما یخالف الأصل کالمجاز قدم علیہ۲''

''ان کی بات کئی جہتوں سے حقیقت سے بعید ہے۔ اول اس لحاظ سے کہ ان کے بیان کا لازمہ یہ ہے کہ صلاۃ کو مشترک لفظی تسلیم کریں جبکہ اشتراک خلاف اصل ہے یہاں تک کہ بعض نے اسے بنیادی طور پر مسترد کیا ہے اور جنہوں نے اسے ثابت جانا ہے

انھوں نے اسے مجاز اور اشتراک کی صورت میں مجاز کو اشتراک پر مقدم جانا ہے۔''

فیروزآبادی،صاحب قاموس نے بھی صلوٰت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے کہ جس میں آیہء شریفہ (إن اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیؐ۔۔۔)کے بارے میں تحقیق کی ہے اورمذکورہ بیان کو ابن ہشام سے نقل کیا ہے۔۳

اس بناء پر،ولایت کے مفہوم میں (جو کئی معانی ذکر ہوئے ہیں)سے جو معنی قدر متیقن اوریقینی ہیں وہ سرپرستی اورصاحب اختیار ہو نے کے ہیں،اور دوسرے معانی جیسے،دوستی اوریاری اس کے حقیقی معنی کے حدود سے خارج ہیں اور ان کے بارے میں اشتراک لفظی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۔احزاب۔۵۶

۲۔مغنی اللبیب،ج۲،باب پنجم،ص۳۶۵

۳۔الصلوۃ والبشر فی الصلوۃ علی خیر البشر،ص۳۳،دار الکتب العلمیۃ بیروت

لہذا اگر مادۂ ''ولی''قرینہ کے بغیر استعمال ہو تو وہ سرپرستی اورصاحب اختیار ہو نے کے معنی میں ہوگا۔

دوسرا نکتہ بعض اہل لغت نے مادہ ''ولی''کو ایک اصل پر مبنی جانا ہے اورمفہوم کا اصلی ریشہ (جڑ) کو ''قرب'' قراردیا ہے۔اور بعض مفسرین نے کلمہ ''ولی''کو اسی بنیاد پرذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں چند مطالب کی طرف توجہ کر نا ضروری ہے:

سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ لغوی معنی کے اس طرح کی تحلیل اوراس کا تجزیہ ایک حدس وگمان اور خوامخواہ کے اجتہاد کے سواء کچھ نہیں ہے اوراس پرکوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ چیز جو معنی کے سمجھنے اوراس لفظ سے تبادر کے لئے معیار ہے وہ اس کے استعمال کا زمانہ ہے۔بیشک بہت سے مواقع پر ''ولی''کے معنی سے قرب کا مفہوم ذہن میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔بعض مواقع پرکہ جہاں قرینہ موجود ہو جیسے ''المطر الولی''(وہ

بارش جوپہلی بارش کے بعدیااس کے بہت قریب واقع ہو ئی ہو)میں اس قسم کے استعمال کوقبول کیا جاسکتا ہے۔

اس بناپراگرفرض بھی کر لیاجائے کہ ''قرب''اس معنی کی اصلی بنیاد تھی اورآغاز میں لفظ ''ولی''کامفہوم ''قرب'' کے معنی میں استعمال ہوتا تھا،لیکن موجودہ استعمال میں وہ معنی متروک ہو چکاہے اوراب اس کااستعمال نہیں ہے۔

تیسرا بعض اہل لغت جیسے ابن اثیرنے ''النہایتا'' میں اورابن منظورنے ''لسان العرب۲''میں ''ولی'' کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ولی'' خداکے

۱۔النہا یتہ،ج۵،ص۲۲۸

۲۔لسان العرب ،ج۱۵،ص۱۰۶

ناموں میں سے ایک نام ہے اوریہ ناصرکے معنی میں ہے اورکہاگیاہے کہ اس کے معنی امورجہان کے متولی و منظم کے ہیں۔

اس بیان سے استفادہ ہوتاہے کہ ''ولی''،جوخداکے ناموں میں سے ایک نام ہے،ان کے نزدیک ناصرکے معنی میں ہے،جبکہ مطلب صحیح نہیں ہے کیو نکہ اگر ''ولی''کے معنی ناصر کے ہوں گے(چونکہ ''ولی''کاایک مادہ اورایک ہیئت ہے،اوراس کامادہ ''ولی''''ول ی''وہیئت فعیل ہے)تواس کاتقاضایہ ہے کہ مادہ ''ولی''،نصرکے معنی میں اوراس کی ہیئت(ہیئت فعیل) فاعل کے معنی میں ہے۔

ایک بات یہ کہ یہ دونوں نظریہ،بغیردلیل کے ہیں اوردوسرے یہ کہ:فعیل صفت مشبہ ہے جس کی دلا لت ثبوت پرہے جبکہ فاعل حدوث پردلالت کرتاہے اوریہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے متغائیرہ ہیں۔

اس لئے ''ولی''اسم الہی،اسی صاحب اختیاراورکائنات کے امورمیں متولی کے معنی میں ہے کہ جس کو دونوں اہل لغت نے اپنے مختارنظریہ کے بعد''قیل''کے عنوان سے بیان کیاہے۔

چوتھانکتہ:قرآن مجیدکی بہت سی آیتوں میں ''ولی''،''نصیر'' کے مقابلہ میں آیاہے، جیسے(وماکم من دون اللہ من ولیّ ولانصیراً

۱)تمہارے لئے اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست ہے اورنہ مددگار''

اگر ''نصیر''، ''ولی'' کے معنی میں ہوتاتواس کے مقابلہ میں قرار نہیں دیا جاتااوران دونوں لفظوں کاایک دوسرے سے مقابلہ میں واقع ہو نااس بات کی دلیل ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۱۔بقرہ،۱۰۷

پانچواں نکتہ:بعض افرادنے قرآن مجید کی بہت سی آیات کے بارے میںیہ تصورکیا ہے کہ ولی اورولایت نصرت اورمدد کے معنی میں استعما ل ہوا ہے،جیسے:(مالکم من ولایتھم من شیءا)جب کہ ولایت سے مراد ''نصرت کی ولایت''ہوسکتاہے نہ یہ کہ ولایت ''نصرت'' کے معنی میں ہے،کیونکہ نصرت ومددولایت و سر پرستی کی علا متوں میں سے ایک علا مت ہے اس لحاظ سے ولایت کامعنی سرپرستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اوراس سے نصرت ویاری میں سرپرستی مرادہے۔

''ولی'' کے معنی کے سلسلہ میں جوکچھ بیان کیاگیا،اس کے پیش نظر،آیہء کریمہ میں صرف سرپرست اورصاحب اختیارہی والا معنی مراد ہے۔

اس کے علاوہ آیہء شریفہ میں قطعی ایسے قرینہ موجودہیں کہ جس سے مراد ''دوست''اور''یاور''نہیں ہوسکتے ہیں۔اس کی مزیدوضاحت سوالات کے جواب میںآئے گی۔

رکوع کے معنی

لغت میں''رکوع'' کے معنی جھکنااورخم ہوناہے۔اسی لئے نمازمیں جھکنے کو''رکوع'' کہتے ہیں۔۲ زبیدی''تاج العروس۳''میں کہتاہے:

''اگر رکوع کو تنگدستی اور مفلسی کے لئے استعمال کیا جائے اور ایسے شخص کو جو امیری کے بعد فقیری اور تنگدستی میں مبتلا ہو جائے اور زوال سے دوچار ہو تو اسے ''رکع

۱۔انفال،۷۲

۲۔الصاح جوہری،ج۳،ص۱۲۲۲،دار العلم للملایین،القاموس المحیط،فیروزآبادی،ج۳،ص۳۱،دار المعرفہ،بیروت،المنیر،فیومی،ص۲۵۴،ط مصر،جمھرۃ اللغۃ،ابن درید،ج۲،ص۷۷۰،کتاب العین،خلیل بن احمد فراہیدی،ج۱،ص۲۰۰

۳۔تاج العروس،ج۲۱،ص۱۲۲،دار الہدایۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

الرجل'' کہتے ہیں اور یہ استعمال مجازی ہے۔''

اس لئے رکوع کا حقیقی معنی وہی جھکنا اور خم ہونا ہے اور اگر اسے دوسرے کسی معنی جیسے زوال اور خضوع میں استعمال کیا جائے تو یہ اس کے مجازی معنی میں اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

آیۂ ولایت کی شان نزول

شیعہ اور اہل سنّت تفسیروں کے منابع میں موجود بہت سی احادیث کے مطابق یہ آیۂ شریفہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور (الذین آمنوا۔۔۔) سے مراد وہی حضرت (ع) ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں ایک حدیث کو درج کرتے ہیں، جس کو ثعلبی[۱] نے اپنی تفسیر[۲] میں سنی محدثین اور مفسرین سے نقل کیا ہے اور شیعوں کے بڑے مفسر شیخ طبرسی نے بھی اس کو ''مجمع البیان[۳]'' میں درج کیا ہے:

''۔۔۔عن عباية بن الربعي قال: بينا عبدالله بن عباس جالس على شفير زمزم إذ أقبل رجل متعمم بالعمامة؛ فجعل ابن عباس لايقول: ''قال رسول الله ﷺ إلاّقال الرجل: قال رسول الله ﷺ''!! فقال ابن عباس: سألتك بالله، من أنت؟ قال: فكشف العمامة عن وجهه وقال: يا أيها الناس، من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فأنا''

جندب من جنادۃالبدری،أبوذرالغفاری،سمعت رسول اللہ

۱۔ثعلبی کے بارے میں ذہبی کا قول دوسرے اعتراض کے جواب میں بیان کیاجائے گا۔

۲''الکشف والبیان''ج۴،ص۸۱۔۸۰،داراحیاء التراث العربی

۳۔مجمع البیان،ج۳،ص۳۲۴

صلى الله عليه وآله وسلم بہا تین وإلّاصمتا،ورأیتہ بہا تین وإلّافعمیتا یقول:علیّ قائد البررۃ،وقاتل الکفرۃ،منصورمن نصرہ،مخذول منخذ لہ۔أمّا إنّی صلّیت مع

رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم یوماًمن الأیّام صلاۃالظھر،فدخل سائل فی المسجد فلم یعطہ أحد،فرفع السائل یدہ إلی السّماء وقال:اللّھمّ أشھد إنّی سألت فی

مسجدرسول اللہ فلم یعطنی احد شیئاً وکان علیّ راکعاً فأومی إلیہ بخصرہ الیمنی وکان یتختّم فیھا فأقبل السائل حتیأخذا لخاتم من خنصرہ،وذلک

بعین النبیّ۔

فلمّا فرغ النّبیّ صلى الله عليه وآله وسلم من الصلاۃرفع یدہ إلی السّماء وقال:اللّھمّ إن أخی موسی سألک فقال:(رب اشرح لی صدری ویسّرلی

امری،وأجعل لی وزیراً من أھلی ھارون أخی اشدد بہ أزری)۔فأنزلت علیہ قرآناًناطقاً۔(سنشدّعضدک بأخیک و نجعل لکما سلطا ناً)۔

اللّھمّ وأنامحمّدنبیّک وصفیک۔اللّھمّ فاشرح لی صدری ویسّرلی أمری،وأجعل لی وزیراًمن أھلی علیاً اشددبہ ظھری۔

قال أبوذر:فواللہ مااستتمّ رسول اللہ الکلمۃ حتّی أنزل علیہ جبرئیل من عنداللہ،فقال یامحمّد!إقرأ،فقال:وماأقرأ؟قال:إقرأ:''إنّما ولیّکم اللہ

ورسولہ إلی راکعون''الآیۃ۔

''عبایہ بن ربیع سے روایت ہے کہ اس نے کہا:اس وقت جب عبداللہ بن عباس(مسجد الحرام میں)زمزم کے کنارے بیٹھے تھے

(اور پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے حدیث روایت کررہے تھے)اچانک ایک عمامہ پوش شخص آپہونچا(اوررسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم سے اس

طرح حدیثیں نقل کرنا شروع کیں)کہ جب عبداللہ ابن عباس کہتے تھے:''قال رسول اللہ، صلى الله عليه وآله وسلم''وہ شخص بھی کہتا تھا:''قال

رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم۔''ابن عباس نے کہ:تمھیں خدا کی قسم ہے یہ بتاؤکہ تم کون ہو؟اس شخص نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی

اور کہا :اے لوگو!جو مجھے پہچانتا ہے،وہ پہچانتا ہے،اور جو مجھے نہیں پہچانتا میں اسے اپنے بارے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں جندب،جنادۂ بدری کا بیٹا،ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے رسول خدا ﷺ سے اپنے ان دونوں (کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)کانوں سے سنا اگر یہ بات صحیح نہ ہو تو (میرے کان)بہرے ہو جائیں اور ان دونوآنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)آنکھوں سے دیکھا اگر یہ بات درست نہ ہو تو میری آنکھیں اندھی ہوجائیں (میں نے سنا اور دیکھا) فرما رہے تھے: علی (علیہ السلام) نیکوں کے پیشوا اور کافروں کے قاتل ہیں۔ جو ان کی مدد کرے گا اس کی خدا نصرت کرے گا،اور جو انھیں چھوڑدے گا خدا اسے بھی چھوڑدے گا۔ ایک دن میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے اہل مسجد سے سوال کیا،کسی نے اس کی حاجت پوری نہیں کی۔سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا: خداوندا! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبیؐ میں سوال کیا اور کسی نے میری حاجت پوری نہیں کی۔ علی (علیہ السلام)رکوع کی حالت میں تھے،اپنی چھوٹی (انگلی جس میں انگوٹھی تھی)سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ سائل نے سامنے سے آکر انگوٹھی آپ (ع)کے ہاتھ سے نکال لی۔ رسول خدا ﷺ اس واقع کے شاہد اور گواہ ہیں جب پیغمبر اسلام ﷺ نماز سے فارغ ہوئے آسمان کی طرف رخ کرکے عرض کی:خداوندا!میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) نے تجھ سے سوال کیا اور کہا ''پروردگارا!میرے سینے کو کشادہ کردے،میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہوں کو کھول دے،تا کہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دیدے،اس سے میری پشت کو مضبوط کردے،اسے میرے کام میں شریک بنادے۔''(اس کی درخواست کو بر لا)اور تو نے اس داستان کے بارے میں قرآن مجید میںیوں فرمایا: ''ہم تمھارے بازؤں کو تمھارے بھائی (ہارون)سے مضبوط کردیں گے اور تمھیں ان پر مسلط کردیں گے۔'' خداوندا!میں تیرا بر گزیدہ پیغمبر ہوں،خداوندا!میرے سینے کو کشادہ کردے،میرے کام کو آسان کر،میرے اہل میں سے میرے بھائی علی (ع)کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر۔ (ابوذر کہتے ہیں:)خدا کی قسم رسول خدا ﷺ نے

ابھی اپنی بات تمام بھی نہیں کی تھی کہ جبرئیل امین خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور کہا :اے محمدؐ پڑھئے!(آنحضرتؐ نے)کہا :کیا پڑھوں؟ (جبرئیل نے کہا)پڑھئیے:(إنّما ولیکم اللہ ورسولہ۔۔۔''(

شیخ طبرسی نے اس حدیث کے خاتمہ پر کہا ہے:اس روایت کو ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسی سند سے (کہ جسے میں نے ذکر کی ہے)نقل کیا ہے۔اس شان نزول کو بیان کرنے والی بہت ساری حدیثیں ہیں ان میں سے بعض کو ہم دوسری مناسبتوں کے سلسلہ میں بیان کریں گے اوران میں سے بعض دوسری احادیث کے حوالہ ابن تیمہ کے جواب کے ذیل میں عرض کریں گے۔ان احادیث کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ یہ شان نزول قطعی ہے اوراس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آیہ ولایت کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات

آیہ ولایت کے بارے میں چند سوالات کئے جاتے ہیں،مناسب ہے ہم اس باب میں ان کے جوابات دیں۔

ا۔کیا آیت میں ''ولی''کا معنی دوست نہیں ہے؟

یہ آیہ کریمہ ایسی آیات کے سیاق میں ہے کہ جس میں مومنین کے لئے یہود ونصاریٰ کو اپنے ولی قرار دینے سے نہی کی گئی ہے۔چونکہ ان آیات میں ولی 'یاور''یا 'دوست''کے معنی میں ہے،اس آیت میں بھی اس کے معنی اسی سیاق کے تحت درج ہے،لہذا اسی معنی میں ہونا چاہئے۔اگر ایسا نہ مانیں تو سیاق واحد میں تفکیک لازم آئیگی۔

اس لئے اس آیت کے معنی یوں ہوتے ہیں:''بس تمہارا یاور یا دوست اللہ اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اورحالت خضوع اورانکساری میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔''

جواب:

اوّل یہ کہ:آیہ شریفہ میں سیاق کا پایا جانا منتفی ہے،کیونکہ آیہ کریمہ (چنانچہ اس کی شان نزول کے سلسلہ میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے اوراس کی مزید وضاحت آگے کی جائے گی)ایک مستقل شان نزول رکھتی ہے۔نزول کا مستقل ہونا اس معنی میں ہے کہ یہ آیت اپنے

معانی و مفا ہیم کے لحاظ سے دوسری آیات سے مربوط نہیں ہے۔

بیشک قرآن مجید کی آیات کی ترتیب و تنظیم، جس طرح اس وقت موجود ہے، اسی اعتبار سے ہم اس کی قرائت کرتے ہیں باوجود اس کے کہ ان میں نزول کی ترتیب کے لحاظ سے تناقض پایا جاتا ہے۔ یہاں تک بعض سورہ یا آیات کہ جو پہلے نازل ہوئی ہیں وہ موجودہ ترتیب میں قرآن کے آخر میں نظر آتی ہیں، جیسے: مکی سورے کہ جو قرآن مجید کے آخری پارے میں موجود ہیں اور بہت سی آیات اور سورے اس کے برعکس میں جیسے: سورۂ بقرہ کہ جو موجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے جب کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والا پہلا سورہ ہے۔

لہذا موجودہ ترتیب زمانہ نزول کے مطابق نہیں ہے، اور معلوم ہے کہ آیات کے ظہور کے پیش نظر ترتیب کا معیار زمانہ نزول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: آیات اور سورتوں کی تنظیم، پیغمبر اکرم ﷺ کے زیر نظر انجام پائی ہے اور آنحضرت ﷺ نے آیات کی مناسبت اور معنوی نظم کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر آیہ اور سورہ کو اپنی مناسب جگہ پر قرار دیا ہے۔ اس لئے موجودہ ترتیب کا زمانہ نزول سے مختلف ہو نا سیاق کے لئے ضرر کا باعث نہیں ہے۔

جواب میں کہنا چاہئے: اگر چہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ موجودہ صوت میں قرآن مجید کی آیات کی تنظیم اور ترتیب آنحضرت ﷺ کی نگرانی میں انجام پائی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کوئی مصلحت تھی جس کے پیش نظر ہر آیت یا سورہ کو ایک خاص جگہ پر قرار دیا جائے، لیکن اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ مصلحت نظم و مناسبت کی رعایت اور آیات کے ایک دوسرے سے معنوی رابطہ کی وجہ سے مربوط ہے۔

اس لحاظ سے ہر آیت کا نزول اگر اس کی پچھلی آیات سے دلیل کی بنا پر ثابت ہو جائے تو اس میں سیاق کا وجود ہے اور جس کسی آیت کا نزول مستقل یا مشکوک ہو تو اس آیت کا گزشتہ آیت سے متصل ہونا اس کے سیاق کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ زیر بحث آیت کا نزول بھی مستقل ہے اور مذکورہ بیان کے پیش نظر اس میں سیاق موجود نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: اگر سیاق پا یا بھی جائے پھر بھی گزشتہ آیت میں ثابت نہیں ہے کہ ''ولی'' کا معنی دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

(یاایہاالذین آمنوالا تتخذواالیہودوالنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض۔۔۔) (مائدہ،۵۱)

''ایمان والوبیہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا ولی وسر پرست نہ قرار دو کہ یہ خودآپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ۔''

اس آیت میں بھی(ہمارے مذکورہ اشارہ کے پیش نظر)ولایت،سر پرستی اورصاحب اختیار کے معنی میں ہے۔

تیسرے یہ کہ:اگر آیہء کریمہ میں موجودولایت دوستی یا نصرت کے معنی میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس کا مفہوم خلاف واقع ہو،کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے ''بس تمہارا مدد گار یادوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکواۃ دیتے ہیں۔''جبکہ معلوم ہے کہ مومنین کے مدد گاراوردوست ان افراد تک محدود نہیں ہیں جورکوع کی حالت زکواۃ دیتے ہیں بلکہ تمام مومنین ایک دوسرے کے مدد گاراوردوست ہیں! مگر یہ کہ آیہ کریمہ میں ''راکعون'' کے معنی ''خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرنے والے کے ہیں اور یہ معنی مجازی ہیں اوررکوع کے حقیقی معنی جھکنے اور خم ہونے کے ہیں ان مطالب کے پیش نظر،سیاق کی بات یہاں پر موضوع بحث سے خارج ہے اور اس کے وجودکی صورت میں بھی معنی مقصود کوکوئی ضرر نہیں پہنچاتاہے ۔

۲۔مذکورہ شأن نزول (حالت رکوع میں حضرت علی(ع)کاانفاق کر نا)ثابت نہیں ہے۔

بعض افراد نے آیہ شریفہ کی شأن نزول پراعتراض کیاہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ (امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا نماز کی حالت میں انفاق کرنا اوراس سلسلہ میںآیت کا نازل ہونا)ثابت نہیں ہے۔رہی یہ بات کہ ثعلبی نے اس داستان کو نقل کیاہے تووہ صحیح اورغیر صحیح روایتوں میں تمیزکرنے کی صلاحیت نہیں رکھتاہے،اوربڑے محدثین،جیسے طبری اورابن حاتم وغیرہ نے اس قسم کی جعلی داستانوں کونقل نہیں کیاہے؟!

جواب:

یہ شأن نزول شیعہ واہلسنت کی تفسیر اورحدیث کی بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کی سند معتبرہے۔چونکہ ان سب کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے،اس لئے ہم ان میں سے بعض کے حوالے حاشیہ میں ذکرکرتے ہیں[1]

۱۔ احقاق الحق،ج۳،ص۳۹۹ تا۴۱۱، احکام القرآن جصاص،ج۲،ص۴۴۶، اربعین ابی الفوارس،ص۲۲ مخطوط، ارجح المطالب،ص۱۶۹ طبع لاہور (بہ نقل احقاق الحق)، اسباب النزول،ص۱۳۳ انتشارات شریف رضی، اصول کافی،ج۱،ص۱۴۳،ح۷ وص۱۴۶،ح۱۶ وص۲۲۸،ح۳ المکتبۃ الاسلامیہ، انساب الاشراف،ج۲،ص۳۸۱ دار الفکر، البدایۃ والنہایۃ (تاریخ ابن کثیر)،ج۷،ص۳۷۱ دارالکتب العلمیہ، بحرالعلوم (تفسیر السمرقندی)،ج۱،ص۴۴۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت البحر المحیط،ج۳،ص۵۱۴ مؤسسۃ التاریخ عربی، تاریخ مدینۃ دمشق،ج۴۲،ص۳۵۶ و۳۵۷ دارالفکر، ترجمۃ الامام امیرالمؤمنین،ج۲،ص۴۰۹ و۴۱۰ دار التعارف للمطبوعات، التسہیل لعلوم التنزیل،ج۱،ص۱۸۱ دارالفکر تفسیرابن کثیر،ج۲،ص۷۴ دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر بیضاوی،ج۱،ص۲۷۲ دار الکتب العلمیہ، تفسیر الخازن،ج۱،ص۴۶۸ دار الفکر، تفسیر فرات،ج۱،ص۱۲۳۔۱۲۹، تفسیر القرآن ،ابن ابی حاتم،ج۴،ص۱۱۶۲ المکتبۃ الاہلیہ بیروت، تفسیر کبیر فخررازی،ج۶،جزء۱۲،ص۲۶ داراحیاء التراث العربی بیروت، جامع احکام القرآن ۔ج۶،ص۲۲۱ و۲۲۲ دارالفکر، جامع الاصول،ج۹،ص۴۷۸،ح۶۵۰۳ داراحیاء التراث العربی، جامع البیان طبری،ج۴،جزء ۶،ص۱۸۶ دار المعرفۃ بیروت، الجواہر الحسان،ج۲،ص۳۹۶ داراحیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃ الشہاب علی تفسیربیضاوی ،ج۳،ص۲۵۷ دار احیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃ الصاوی علی تفسیرجلالین ،ج۱،ص۲۹۱ دار الفکر، الحاوی للفتاوی مکتبۃ القدس قاہرہ (بہ نقل احقاق الحق)، الدر المنثور،ج۳،ص۱۰۵ و۱۰۶ دارالفکر، ذخائر العقبی،ص۸۸ مؤسسۃ الوفاء بیروت، روح المعانی ،ج۶،ص۱۶۷ داراحیاء التراث العربی،

الریاض النضرۃ ،ج ۲،ص ۸۲ ادار الندوۃ الجدیدۃ، شرح المقاصد تفتازانی،ج ۵،ص ۲۷۰و ۲۷۱، شرح المواقف جرجانی،ج ۸،ص ۳۶۰، شرح نہج البلاغہ ،ابن ابی الحدید، شواہد التنزیل ،ص ۲۰۹ تا ص ۲۴۸ (۲۶ حدیث)، غرائب القرآن نیشاپوری،ج ۲،جزء ۶،ص ۶۰۶،دار الکتب العلمیۃ بیروت، فتح القدیر (تفسیر شوکانی)،ج ۲ص ۶۶،دار الکتب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین ،ابراہیم بن محمد جوینی ،ج ۱،ص ۱۸۷ اوص ۱۹۵،مؤسسۃ المحمودی، الفصول المھمۃ،ص ۱۲۳و ۱۲۴،منشورات الاعلمی تہران، الکشاف ،زمخشری،ج ۱،ص ۳۴۷،دار المعرفۃ بیروت، کفایۃ الطالب،ص ۲۴۹ وص ۲۵۰،داراحیاء تراث اہل البیت، کنزالعمال،ج ۱۳،ص ۱۰۸ اوص ۱۶۵،مؤسستالرسالۃ، اللباب فی علوم الکتاب ،ج ۷،ص ۳۹۰ وص ۳۹۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت، مجمع الزوائد،ج

اس قسم کے معتبرواقعہ کوجعلی کہنا،امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی مقدس بارگاہ میں جسارت اور ان بڑے محدثین کی توہین ہے کہ جنہوں نے اس حدیث کواپنی کتابوں میں درج کیاہے!اور ثعلبی کے متعلق اس طرح کے گستاخانہ اعتراضات کہ وہ صحیح اورغیر صحیح احادیث میں تمیز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتاہے،جب کہ اہل سنت کے علمائے رجال نے اس کی تعریف تمجید کی ہے اوروسیع پیمانے پر اس کو سراہا اور نوازاہے۔ ہم یہاں پر نمونہ کے طورپران میں سے صرف دوبزرگوں کے نظریات پیش کرتے ہیں:

علمائاہل سنت میں علم رجال کے ماہر نیز مشہور ومعروف عالم دین اورحدیث شناس،ذہبی،ثعلبی کے بارے میںیوں کہتے ہیں :

''الإمام الحافظ العلا مۃ شیخ التفسیر کان أحد أو عیۃ العلم وکان صادقاً موثقاًبصیراً بالعربیۃ''[1]

''یعنی:وہ امام،حافظ،علامہ،استادتفسیر نیز ایک علمی خزانہ ہیں۔وہ سچے،قابل اعتماداورعربی ب کے حوالے سے وسیع معلومات اور گہری نظررکھنے والے ہیں۔''

۲۔عبدالغافر نیشابوری ''منتخب تاریخ نیشاپوری'' کہتے ہیں:

''احمد بن محمدبن ابراہیم۔۔۔المقریء المفسر الواعظ،الادیب،الثقۃ،الحافظ،صاحب التصانیف الجلیلۃ من

۷،ص ۸۰،دارالفکر۔ المرا جعات،ص ۲۵۷،مرقاۃ المفاتیح،ج ۱۰،ص ۴۶۲،دارالفکر مطالب السؤول،ج ۱،ص ۸۶ و ۸۷، معالم التنزیل،ج ۲،ص ۴۷ المعجم الاوسط،ج ۷،ص ۱۲۹وص ۱۳۰،مکتبۃ المعارف الریاض، معرفۃ علوم الحدیث،ص ۱۰۲،دارالکتب العلمیۃ بیروت منا قب ابن مغازلی،ص ۳۱۱،المکتبۃ الاسلامیۃ، مناقب خوارزمی،ص ۲۶۴ وص ۲۶۵وص ۲۶۶،مؤسسۃ النشر الاسلامی، مواقف ایجی ،ج ۸،ص ۳۶۰ نظم درر السمطین،ص ۸۶،مطبعۃ القضاء(بہ نقل احقاق الحق)، النکت والعیون(تفسیر الماوردی)،ج ۲،ص ۴۹،مؤسسۃ الکتب الثقا فیتہ،نورالابصار،ص ۸۶ و ۸۷،دارالفکر

۱۔ سیر اعلام النبلاء،ج ۱۷،ص ۴۳۵،مؤسسہ الرسالۃ،بیروت

تفسیر،الحاوی لانواع الفوائد من المعانی والإشارات، وہو صحیح النقل موثق بہ۔"۱

"عبد الغافر نے ان کی اس عبارت میں توصیف کی ہے کہ احمدبن محمدبن ابراھیم مقریء(علم قرات کے ماہر)،مفسر،واعظ،ادیب،قابل اعتماد،حافظ نیز معانی اوراشارات پر قابل قدرکتابوں کے مصنف تھے۔ان کی احادیث صحیح اورقابل اعتماد ہیں۔"

ثعلبی کے باوثوق ہونے اوران کی عظمت کے علاوہ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے سائل کو انگوٹھی دینے کی داستان کو صرف ثعلبی ہی نے نقل نہیں کیاہے۔بلکہ یہ واقعہ شیعہ اوراہل سنت کے حدیث اور تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔یہاں تک کہ طبری اورابن حاتم نے بھی اس داستان کونقل کیاہے،جن کے بارے میں معترض نے کہاتھا: "یہ لوگ اس قسم کی داستانیں نقل نہیں کرتے ہیں"۔مناسب ہے ہم یہاں پران دو نوں افرادکی روایتوں کونقل کریں:

ابن کثیرنے اپنی تفسیرمیں بیان کیاہے:

"قال إبن أبی حاتم۔۔۔وحد ثناابو سعید الأشج،حدثناالفضل بندکین ابونعیم الأحول،حدثناموسی بن قیس عن سلمۃ بن کھیل قال: تصدق علی بخاتمہ وہوراکع فنزلت(إنما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنواالذین یقیمون الصلوٰۃویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون)۲

اس حدیث میں ابن کثیر ابن ابی حاتم کی کتاب سے صحیح سند کے ساتھ سلمۃ بن کہیل سے، حضرت علی علیہ السلام کے متعلق حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی کو بہ طور صدقہ دینے کا واقعہ نقل

۱۔تاریخ نیشابوری ،ص۱۰۹ ۲۔تفسیر ابن کثیر،ج۲،ص۷۴

کرتا ہے اور کہتا ہے:اس قضیہ کے بعد آیہء شریفہ (إنّما ولیکم اللہ۔۔۔)نازل ہوئی۔ابن جریر طبری نے بھی اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے: ''حدثنا محمد ابن الحسین قال:حدثنا احمد بن المفضل قال:حدثنا أسباط عن السدی۔۔۔علی بن أبی طالب مرّ بہ سائل وہو راکع فی المسجد فأعطاہ خاتمہ''۱

اس روایت میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حالت رکوع میں اپنی انگشتری کو راہ خدا میں دینے کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔کیا ''إنّما''حصر پر دلالت کرتا ہے؟

فخر رازی نے کہا ہے کہ ''إنّما''حصر کے لئے نہیں ہے۔اس کی دلیل خدا وند متعال کا یہ قول ہے کہ (إنّما مثل الحیاۃ الدنیا کماء أنزلناہ من السماء۔۔۔۲یعنی:زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا'' بیشک دینوی زندگی کی صرف یہی ایک مثال نہیں بلکہ اس کے لئے اور بھی دوسری مثالیں ہیں،اس لئے اس آیت میں ''إنّما''حصر پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

جواب:

اول یہ کہ:جس آیہء شریفہ کو فخر رازی نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے،اس میں بھی ''إنّما''حصر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔لیکن حصر دو قسم کا ہے:حصر حقیقی میں مخاطب کے خیال اور تصور کی نفی کی جاتی ہے،مثلا اگر کوئی کہے :''زید کھڑا ہے'' اس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے:

''إنّما قائم عمرو''یعنی کھڑا شخص صرف عمرو ہے نہ زید۔اس جملہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا میں کھڑے انسان عمرو میں منحصر قرار دئے

جائیں،بلکہ مقصودیہ ہے کہ مقابل کے اس تصور کو زائل کیا جائے کہ زید کھڑاہے اوراسے یہ سمجھایا جائے کہ صرف عمرو کھڑاہے۔

۱۔تفسیر طبری ،ج۶،ص۱۸۶،دار المعرفۃ،بیروت

۲۔سورۂ یونس،۲۴

آیہ کریمہ بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیا کی زندگانی کو صرف آسمان سے برسنے والے پانی کی مثال اور تشبیہ دینی چاہئے جس کے برسنے کے نتیجہ میں ایک پودا اگتا ہے اور سرانجام وہ پودا خشک ہو جاتاہے،کیونکہ یہ مثال دنیاوی زندگی کے فانی اور منقطع ہو نے کی حکایت کرتی ہے ،نہ یہ کہ اس کے لئے ایک ایسی مثال پیش کی جائے جو اس کے دوام،استمرار اوربقا کی حکایت کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ:لغوی وضع کے لحاظ سے ''إنّما''حصر کے لئے ہے لیکن قرینہ موجود ہونے کی صورت میں غیر حصر کے لئے بھی بہ طور مجاز استعمال ہو سکتا ہے۔فخررازی کی طرف سے بہ طوراعتراض پیش کی گئی آیت میں اگر ''انما''غیر حصر کے لئے استعمال ہوا ہے تو وہ قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے بہ طورمجازی استعمال ہوا ہے۔اس لئے اس آیہء شریفہ میں ''إنّما''کا حقیقی معنی وہی حصر،مقصودہے۔

۴۔کیا ''الذین آمنوا''کا اطلاق علی علیہ السلام کے لئے مجازی ہے؟

اگر ''الذین آمنوا''کہ جو جمع ہے اس سے مراد علی علیہ السلام ہوں گے تولفظ جمع کا استعمال مفرد کے معنی میں ہو گا۔یہ استعمال مجازی ہے اور مجازی استعمال کو قرینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جواب:

اول یہ کہ:شیعہ امامیہ کی احادیث کے مطابق ''الذین آمنوا''صرف امیرالمؤمنین علیہ السلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں دوسرے معصوم ائمہ بھی شامل ہیں۔ہماری احادیث کے مطابق تمام ائمہء معصومین اس کرامت وشرافت کے مالک ہیں کہ رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دیں۔۱

۱۔اصول کافی،ج۱ص۱۴۳،ح۷،وص۱۴۶،ح۱۶ وص۲۲۸،ح۳ المکیۃ الاسلامیہ۔کمال الدین ،ح۱،ص۲۷۴۔۲۷۹ دار الکتب الاسلا میۃ فرائد البطین ،ج۱،ص۳۱۲،ح۲۵ مؤسسہ المحمودی لطاعۃ والنشر۔ینا بیع المودۃ،ص۱۱۴۔۱۱۶

دوسرے یہ کہ:بالفرض اس موضوع سے ایک خاص مصداق یعنی حضرت علی علیہ السلام کاارادہ کیا گیا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے،اس مجازی استعمال کے لئے وہ احادیث قرینہ ہیں جو اس کی شأن نزول میں نقل کی گئی ہیں اور بیان ہو ئیں۔

۵۔کیا حضرت علی علیہ السلام کے پاس انفاق کے لئے کوئی انگوٹھی تھی؟

جیسا کہ مشہور ہے حضرت علی(علیہ السلام) فقیر اورغریب تھے اوران کے پاس کوئی قیمتی انگوٹھی نہیں تھی۔

جواب:

احادیث اورتاریخ گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام غریب اور فقیر نہیں تھے۔ حضرت(ع)اپنے ہاتھوں سے اور اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ نہریں کھودتے تھے اور نخلستان آباد کرتے تھے،اپنے لئے مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مال کوخدا کی راہ میں انفاق کرتے تھے۔

٦۔کیا(راہ خدا میں) انگوٹھی انفاق کرنا حضور قلب(خضوع وخشوع) کے ساتھ ہم آھنگ وسازگارہے؟

حضرت علی (علیہ السلام)نمازکی حالت میں مکمل طور پر حضور قلب کے ساتھ منہمک ہوتے تھے۔جو اس طرح حضور قلب کے ساتھ یاد خدا میں ڈوبا ہوا ہووہ دوسرے کی بات نہیں سن سکتا۔اس خشوع وخضوع کے پیش نظر حضرت(ع)نے کیسے سائل کے سوال اوراس کے مدد کے مطالبہ کوسن کر اپنی انگوٹھی اس کوانفاق کی!

جواب:

حضرت علی علیہ السلام اگر چہ فطری طورپر(نمازمیں خاص حضورقلب کی وجہ سے) دوسروں کی بات پر توجہ نہیں کرتے تھے،لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مقلب القلوب اوردلوں کو تغیر دینے والا خداوند متعال،سائل کے سؤال کے وقت آپ(ع)کی

توجہ کواس کی طرف متوجہ کرے تاکہ اس صدقہ کوجوایک اہم عبادت ہے آیہء شریفہ کے نزول کا سبب قرار دے اوریہ آیہء شریفہ آپ(ع)کی شأن میں نازل ہو۔

اس آیت کی شأن نزول سے مربوط احادیث(جن میں سے بعض بیان کی گئیں) اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ(ع)نے سائل کی طرف متو جہ ہو کرمذکورہ صدقہ کو اپنے ہاتھوں سے دیاہے۔

۷۔کیا انفاق،نمازکی حالت کو توڑ نے کا سبب نہیں بنتا؟

نماز کی حالت میں انگوٹھی انفاق کرنا،نمازکی ظاہری حالت کوتوڑنے کا سبب ہے۔اس لئے حضرت(ع)سے اس قسم کا فعل انجام نہیں پاسکتا ہے۔

جواب:

جوچیزنماز کی حالت کو توڑنے کا سبب ہے وہ فعل کثیر ہے اوراس قسم کا مختصر فعل نمازکو توڑنے کا سبب نہیں ہو سکتاہے۔شیعہ فقہا اس قسم کے امورکونمازکو باطل کرنے کاسبب نہیں جانتے ہیں۔

ابوبکرجصاص کتاب''أحکام القرآن''[1]میں''باب العمل الیسیرفی الصلاۃ''کے عنوان سے آیہء کریمہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:اگرآیہء شریفہ سے مراد رکوع کی حالت میں صدقہ دینا ہے تویہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے دوران چھوٹے اورجزئی کام مباح ہیں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نمازکی حالت میں چھوٹے اورجزئی کام کے جائز ہونے کے سلسلہ میں چند احادیث روایت ہوئی ہیں جیسے وہ حدیثیں جو اس بات پردلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی حالت میں اپنے جوتے اُتارے اوراپنے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرااوراپنے ہاتھ سے(کسی جگہ کی طرف)اشارہ فرمایا۔اس لئے نماز کی حالت میں صدقہ

۱۔احکام القرآن،ج۲،ص۴۴۶،دار الکتب العلمیہ،بیروت

دینے کے مباح ہونے کے بارے میں آیہ شریفہ کی دلالت واضح اورروشن ہے۔

قرطبی ''جامع'' أحکام القرآن[1]میں کہتے ہیں: طبری نے کہا ہے کہ یہ (امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کے توسط سے نماز کی حالت میں انگوٹھی کا بہ طور صدقہ دینا)اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے اور جزئی امور نماز کو باطل نہیں کرتے ہیں،کیونکہ صدقہ دینا ایسا امر تھا جو نماز کی حالت میں انجام دیا گیا ہے اور نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں بنا۔

۸۔کیا مستحبی صدقہ کو بھی زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے؟

فخررازی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ، کے نام کا اطلاق ''زکوٰۃ''واجب کے لئے ہے اور مستحب صدقہ پر زکوٰۃ اطلاق نہیں ہوتا ہے،اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند متعال نے (بہت سے مواقع پر)فرمایا ہے: (وآتوا الزکوٰۃ)یعنی:زکوٰۃ ادا کرو۔فعل امر واجب پر دلالت کرتا ہے۔

اب جب کہ زکوٰۃ، کا اطلاق صدقہ واجبہ کے لئے ہوتا ہے تواگر علی (علیہ السلام)نے واجب زکوٰۃ کونماز کی حالت میں ادا کیا ہے توآپ(ع)نے ایک واجب امرکواپنے اول وقت سے موخیر کیا ہے اور یہ اکثر علماء کے نزدیک گناہ شمار ہوتا ہے۔اس لئے اس کی حضرت علی(علیہ السلام)کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ:زکوٰۃ سے مراد مستحب صدقہ ہے،تویہ اصل کے خلاف ہے،کیونکہ آیہ شریفہ (آتوا الزکوٰۃ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جوبھی صدقہ زکوٰۃ کا عنوان رکھتا ہے وہ واجب ہے۔

جواب:

اول یہ کہ:آیہ شریفہ میں ذکر کی گئی زکوٰۃ سے مراد بیشک زکوٰۃ مستحب ہے اور شأن نزول کی حدیثیں اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔لیکن یہ کہنا کہ ''آیہ شریفہ'' (آتوا الزکوٰۃ)میں زکوٰۃ سے مرادزکوٰۃ واجب ہے اس لئے جس چیز پرزکوٰۃ طلاق ہو گا وہ

۱۔''جامع الاحکام القرآن''،ج۶،ص۲۲۱،دارالفکر

واجب ہو گا''اس کا صحیح نہ ہونا واضح اورعیان ہے کیونکہ ایک طرف جملہ(وآتواالزکوٰۃ)میں وجوب پر دلالت کرنے والا لفظ ''آتوا''فعلامرہے اور لفظ زکوٰۃ کا استعمال مایت زکوٰۃ کے علاوہ کسی اورچیز میں نہیں ہواہے۔اور مایت زکوٰۃ،واجب اور مستحب میں قابل تقسیم ہے اوریہ تقسیم کسی قرینہ کے بغیروقع ہوتی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب واستحباب لفظ کے دائرے سے خارج ہے۔دوسری طرف سے شیعہ وسنی احادیث اورفقہا کے فتوؤں میں زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں،زکوٰۃواجب اورزکوٰۃمستحب لہذا یہ کہنا کہ جوبھی زکوٰۃہو گی واجب ہوگی اس اطلاق کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ:آیہء شریفہ میں بہ صورت فعل امر ''آتوا''نہیں آیاہے بلکہ جملہ ''یؤتون الزکوٰۃ''اخبارہے نہ انشاء۔اور یہ کہ آیہ شریفہ میں صدقہ سے مرادمستحب صدقہ ہے،اس کی بعض اہل سنت فقہا اورمفسرین تصدیق کرتے ہیں۔ جصاص''أحکام القرآن''میں کہتے ہیں(یؤتون الزکوٰۃوہم راکعون)کاجملہ اس بات پردلالت کرتاہے کہ مستحب صدقہ کوزکوٰۃکہا جاسکتاہے،کیونکہ علی(علیہ السلام)نے اپنی انگوٹھی کوصدقہ مستحبی(زکوٰۃ مستحبی)کے طورپرانفاق کیاہے اوراس آیہء شریفہ میں:(وماآتیتم من زکوٰۃتریدون وجہ اللہ فأولئک ہم المضعفون)یعنی:جوزکوٰۃدیتے ہو اوراس میں رضائے خداکاارادہ ہوتاہے توایسے لوگوں کودگنا جزا دی جا تی ہے''

لفظ''زکوٰۃ''صدقہء واجب اورصدقہء مستحب دونوں کوشامل ہوتا ہے۔''زکوٰۃ کا اطلاق''واجب اور مستحب دونوں پر مشتمل ہوتاہے،جیسے نماز کا اطلاق صرف نمازواجب کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ مستحب نماز بھی اس میں شامل ہے۔۲

۱۔سورہ روم،۳۹

۲۔احکام القرآن،ج۲،ص۲۴۶

۹۔کیا رکوع میں زکوٰۃ دینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟

اگررکوع سے مرادنمازکی حالت میں رکوع ہے تویہ قابل مدح وستائش نہیں ہے،کیونکہ رکوع میں انفاق کرنایانمازکی کسی دوسری حالت

میں انفاق کرنا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:

یہ کہ آیہء شریفہ میں رکوع امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی زکوٰۃ کے لئے ظرف واقع ہوا ہے،یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس حالت میں انفاق کرنا قابل تمجیدوستائش یا کسی خاص تعریف کا باعث ہے بلکہ یہ اس لحاظ سے ہے کہ سائل کا سوال حضرت(ع)کے رکوع کی حالت میں واقع ہوا ہے اور علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق ''اس سلسلہ میں قضیہ،قضیہ خارجیہ ہے اور رکوع کا عنوان کوئی خصو صیت و موضوعیت نہیں رکھتا ہے۔''اور تعریف وتمجید اس لحاظ سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس حالت میں اس عبادی عمل کو انجام دیا ہے۔اگر حضرت(ع) نے رکوع میں یہ انفاق انجام نہ دیا ہو تو وہ سائل ناامیدی اور محرومیت کی حالت میں مسجد سے واپس چلاجاتا۔

۱۰۔کیا اس آیت کامفہوم سابقہ آیت کے منافی ہے؟

فخررازی کاکہناہے:اگریہ آیت علی(علیہ السلام)کی امامت پردلالت کرے گی تو یہ آیت اپنے سے پہلے والی آیت کے منافی ہوگی کہ جوابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پردلالت کرتی ہے۔

جواب:

اس سے پہلے والی آیت ابوبکر کی فضیلت اوران کی خلافت کی مشروعیت پر کسی قسم کی دلالت نہیں کرتی ہے۔اس سے پہلے والی آیت یوں ہے:

(یاایہاالذین آمنوامن یرتدّ منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبّہم ویحبّونہ إذلّۃٍ علی المؤمنین أعزّۃ علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔۔۔)(سورہ مائدہ،۵)

''اے ایمان والو!تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست

رکھتا ہو گا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہوں گے، مؤمنین کے لئے متواضع اور کفار کے لئے سر سخت ہوں گے، راہ خدا میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کریں گے''...

فخر رازی نے کہا ہے: یہ آیت ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ خدا وند متعال نے مؤمنین سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ اپنے دین سے پلٹ جائیں گے تو آیت میں مذکور صفات کی حامل ایک قوم کو لائے گا تاکہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں ۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جس نے مرتدوں سے جنگ کی وہ تنہا ابوبکر تھے۔ چونکہ یہ آیت ابوبکر کی تعریف و تمجید شمار ہوتی ہے، لہذا ان کی خلافت کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

فخر رازی نے ابوبکر کی خلافت کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لئے آیت میں اپنی طرف سے بھی ایک جملہ کا اضافہ کیا ہے۔ آیہء شریفہ میں یہ فرمایا گیا ہے: اگر تم مؤمنین میں سے کوئی بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو خداوند متعال عنقریب ایسی ایک قوم کو بھیجے گا جن میں مذکورہ اوصاف من جملہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا وصف ہوگا۔ آیہء شریفہ میں یہ نہیں آیا ہے کہ ''وہ مرتدوں سے جنگ کریں گے''، لیکن فخر رازی نے اس جملہ کو اپنے استدلال کے لئے اس میں اضافہ کیا ہے۔

دوسری متعدد آیتوں میں بھی اس آیت کے مضمون سے مشابہ آیا ہے کہ اگر تم لوگ کافر ہو گئے تو خدا وند متعال ایسے افراد کو بھیجے گا جو ایسے نہیں ہوں گے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ (فإن یکفر بہا ہؤلاء فقد وکلنا بہا قوماً لیسوا بہا بکافرین) (سورۂ انعام، ۸۹)

''اگر یہ لوگ ان سے کفر اختیار کرتے ہیں (انکار کرتے ہیں) تو ہم ان پر ایک ایسی قوم کو مسلط کر دیں گے کہ جو کفر اختیار کرنے والے نہیں ہوں گے (انکار کرنے والی نہیں ہے)

۲۔(وإن تتولّوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا أمثالکم)

(سورۂ محمد،۳۸)

''اوراگرتم منہ پھیر لوگے تووہ تمھارے بدلے دوسری قوم کوبھیج دے گاجواس کے بعدتم جیسے نہ ہوں گے۔

۳۔(إلّا تنفروا یعذّبکم عذاباً ألیماً ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضرّوہ شیئاً) (سورۂ توبہ،۳۹)

''اگر تم راہ خدا میں نہ نکلو گے توخدا تمھیں دردناک عذاب میں مبتلاکرے گااور تمھارے بدلے دوسری قوم کولے آئے گا اورتم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکوگے۔''

لہذااس آیت کا مضمون بھی مذکورہ مضامین کے مشابہ ہے،اورآیت میں کسی قسم کی ایسی دلالت موجود نہیں ہے کہ خداوند متعال ایک قوم کو بھیج دے گا جومرتدوں سے جنگ کرے گی۔

۱۱۔کیاآیت میں حصرائمہ معصومین (علیہم السلام)کی امامت کے منافی ہے؟

اگر آیۂ شریفہ علی(علیہ السلام)کی امامت پر دلالت کرتی ہے تویہ امامیہ مذہب کے عقایدسے متناقض ہے جس طرح اہل سنت مذہب سے اس کاتناقض ہے،کیونکہ شیعہ صرف علی(ع)کی امامت کے معتقد نہیں ہیں بلکہ بارہ اماموں کی امامت پر بھی اعتقادرکھتے ہیں؟

جواب:

اول یہ کہ:مذکورہ قطعی شواہدکی بنیاد پرہمیںیہ معلوم ہواکہ آیۂ شریفہ میں ولایت سے مرادسرپرستی اوررکوع سے مراد''نمازکارکوع''ہے۔اس سے واضح ہوجاتاہے کہ آیت میں پایا جانے والاحصر،حصراضافی ہے نہ حصر حقیقی،کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر ﷺ اورائمہ معصو مین(علیہم السلام)کے علاوہ کچھ دوسرے اولیاء بھی ہیں،جیسے فقہا،حکام، قاضی،باپ،دادااوروصی۔اگرہم یہاں حصرسے حصر حقیقی مرادلیں توآیت ان تمام اولیاء کی ولایت کی نفی کرے،جبکہ حقیقت میں ایسا

نہیں ہے۔یہ بذات خود ایک قرینہ ہے کہ آیہء کریمہ میں موجود حصر، حصر اضافی ہے اوراس سے مرادرسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی سر پرستی و ولایت ہے۔موجودہ دلائل کے پیش نظر دوسرے ائمہ علیہم السلام کی امامت ثابت ہے اوراس میں کسی قسم کا منافات نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ:شیعہ امامیہ اوراہل سنت کی کتا بوں میں موجود متعدد روایات کے مطابق(الذین آمنوا)سے مرادصرف حضرت علی علیہ السلام نہیں ہیں [1]بلکہ تمام ائمہ معصو مین مذکورہ مستحبی زکوٰةکوحالت رکوع میں دینے میں کامیاب ہوئے ہیں اورآیہء کریمہ نے آغازہی میں امامت کو ان سچے اماموں میں منحصر کردیاہے۔

۱۲۔کیا علی(علیہم السلام)پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی سرپرستی کے عہدہ پرفائز تھے؟

اگرآیہء شریفہ علی(ع) کی امامت پر دلالت کرے گی تواس کالازمہ یہ ہوگاکہ علی(علیہ السلام) پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے دوران بھی ولی وسرپرست ہیں جبکہ ایسانہیں ہے۔

۱۔اصول کافی،ج۱،ص۱۴۳،ح۷،وص۱۴۶،ح۱۶وص۲۲۸،ح۱۳ لحکمتبتا لاسلامیہ۔کمال الدین،ج۱،ص۲۷۴۔۲۷۹،دارالکتب الاسلامیة فرائدالسمطین ،ج۱،ص۳۱۲،ح۲۵۰،موسستہ المحمودی للطباعة ونشر۔ینابیع المودة،ص۱۱۴۔۱۱۶

جواب:

اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام بہت سے دلائل کے پیش نظر پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی ولی وسر پرست تھے۔لیکن یہ سر پرستی جانشینی کی صورت میں تھی۔یعنی جب بھی پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوتے تھے،علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوا کرتے تھے۔حدیث منزلت اس کا واضح ثبوت ہے اس طرح سے کہ وہ تمام منصب و عہدے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے تھے،وہ سب حضرت علی علیہ السلام کے لئے پیغمبراکرم(ص)کی نسبت سے

اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہو تے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنے بھائی سے مخاطب ہوکر فرمایا: (إخلفنی فی قومی) ''میری قوم میں تم میرے جانشین ہو''۔یہ خلافت کوہ طور پر جانے کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے،جیساکہ محققین اہل سنت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس بناء پرحضرت علی علیہ السلام پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین تھے۔

دوسرے یہ کہ:فرض کریں کہ یہ ولایت کسی دلیل کی وجہ سے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے تواس صورت میں پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے بعد آیہء ولایت کا اطلاق مقید ہو گااوراس دلیل کی بناپریہ ولایت پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہو جا ئے گی۔

۱۳۔کیا حضرت علی (علیہ السلام) کوآیہء ولایت کے پیش نظرچوتھا خلیفہ جاناجاسکتاہے؟

فرض کریں آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرتی ہے تویہ بات حضرت علی (علیہ السلام) سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت کے منافی نہیں ہے،کیونکہ اجماع اورشوریٰ کی بناپر پہلے ہم ان خلفاء کی خلافت کے قائل ہوں گے اور پھر ان خلافتوں کے بعد آیہء ولایت

۱۔شرح مقاصد،تفتازانی ،ج۵،ص۲۷۶،منشورات الشریف الرضی

پر عمل کریں گے جوحضرت(ع)کی امامت بیان کرنے والی ہے۔ج

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ:مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اجماع اورشوریٰ کے ذریعہ استدلال و استنادا سی صورت میں صحیح ہے جب اجماع

وشوریٰ کے اعتبار کے لئے معتبر دلیل موجود ہو۔اوراس سلسلہ میں اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جانے والا استدلال شیعہ امامیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ:جس شوریٰ اوراجماع کا دعویٰ کیا گیاہے،وہ کبھی امت میں واقع نہیں ہواہے۔

تیسرے یہ کہ:اجماع اورشوریٰ کی دلیل اسی صورت میں صحیح ہے کہ مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہواوراگر کسی مسئلہ کے بارے میں خدا کی طرف سے کوئی نص موجود ہے تواس مسئلہ میں نہ اجماع کسی کام کاہے اورنہ شوریٰ۔چنانچہ خداوند متعال فرماتاہے:(وماکان لمؤمن ولامؤمنۃ اذ اقضی اللہ ورسولہ أ مراً أن یکون لہم الخیرۃ من امرہم)۱ ''یعنی کسی مومن مردیا عورت کویہ اختیارنہیں ہے کہ جب خداورسولؐ کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تووہ بھی اس امر کے بارے میں اپنا اختیارجتائے''

۱۴۔کیاحضر ت علی (علیہ السلام)نے کبھی آیہء ولایت کے ذریعہ احتجاج واستدلال کیا ہے؟

اگرآیہء ولایت علی (علیہ السلام) کی ولایت پردلالت کرتی ہے توکیوں حضرت (ع) نے اپنی امامت کے لئے اس آیت سے استدلال نہیں کیا؟جبکہ آپ(ع) نے شوریٰ کے دن اوردوسرے مواقع پراپنے حریفوں کے سامنے اپنے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں۔

۱۔سورۂ احزاب۳۶

جواب:

بعض بزرگ شیعہ وسنی محدثین نے ایسے مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت کے سلسلہ میں دلائل پیش کرتے ہوئے من جملہ آیہء ولایت کو بھی بیان کیا ہے۔

ان میں سے ابراھیم بن محمد جوینی نے فرائدالسمطین۱ میں اور (شیعہ علماء میں سے)ابن بابویہ نے کمال الدین ۲ میں نقل کیا ہے کہ: ''حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کی خلافت کے دوران ایک دن مسجد النبی ﷺ میں مھاجر وانصار کی ایک جماعت کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنی شأن میںآیہء ولایت کے نزول کی طرف اشارہ فرمایا۔'' ہم نے اس مفصل حدیث کوآیہء ''اولی لامر'' کی بحث کے آخر میں ذکرکیاہے۔ کتاب ''فرائدالسمطین'' کے مصنف کی شخصیت کو پہنچاننے کے لئے آیہء ''اولی الامر''کی تفسیر کے آخری حصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

نهضت ترجمه
Translation Movement

۱۔فرائد اسمطین ،ج۱،ص۳۱۲،مؤسسہ المحمودی للطبا عۃ والنشر

۲۔کمال الدین،ا ،ص۲۷۴

نهضت ترجمه
Translation Movement

پانچواں باب

آیہء صادقین کی روشنی میں

امامت

آیہء صادقین کی روشنی میں اما مت

(یاایہاالذین آمنوااتقوااللہ وکونوامع الصادقین)

(سورۂ توبہ،۱۱۹)

''اے صا حبا ن ایمان!اللہ سے ڈرواورصادقین کے ساتھ ہوجاؤ''

جس آیہء شریفہ کے بارے میں ہم بحث و تحقیق کرنا چاہتے ہیں،اس پر سر سری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک

اخلاقی پہلوہے مذکورہ آیت میں تقوی کا حکم دینے کے بعد مومنین سے یہ کہا جا رہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ہمیشہ سرسری نگاہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قرآن مجید کا ارشادہے:

(فارجع البصرہل تریٰ من فطور.ثم ارجع البصرکرتین)

(سورہ ملک۳۔۴)

''پھر نظراٹھاکردیکھوکہیں کوئی شگاف تو نہیں ہے۔اس کے بعدباربارنگاہ ڈالو''

خاص کر قرآن مجید میں اس کے بلند معارف تک رسائی اوراس کے مفاہیم کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے اس امر کی رعایت بہت ضروری ہے چنانچہ بعض مواقع پر خودقرآن نے تدبرکرنے کا حکم فرمایاہے۔ ہمیشہ اور بار بارغوروخوض کی ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن مجید کے سلسلہ میں ابتدائی اور سرسری نگاہ ڈالنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی آیتوں پر تدبر اور غوروخوض کرنا چاہئے۔ اگرہم اس آیہ کریمہ کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے ایک عظیم اور اصلی معارف، یعنی اما مت و رہبری کے مسئلہ ، کو بہترین تعبیر میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے امامت سے مربوط آیات کی بحث و تحقیق میں یہ آیہ کریمہ بھی نمایاں اور قابل توجہ ہے۔ اس آیہ شریفہ کے سلسلہ میں بحث و تحقیق چند محوروں پر مشتمل ہے:

۱۔آیت کے مفردات اور مفاہیم کی تحقیق۔

۲۔مذکورہ آیت کااس سے پہلے والی آیات سے ربط

۳۔اس آیت کامسئلہ رہبری سے ربطہ اور اس کے قرائن کی چھان بین پڑتال۔

۴۔علما ء ومفسرین کے بیانات ۵۔شیعہ،سنی احادیث وروایات آیت کے بارے مفردات میں بحث

اس حصہ میں جن الفاظ کی تحقیق ضروری ہے وہ لفظ ''صدق''اور ''صادقین''ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے ہم ان کے لغوی معنی پر ایک نظرڈالیں گے اور ان کے بعد اس کے قرآنی استعمالات پر بحث کریں گے۔

استعمالا ت لغوی

اس سلسلہ میں ہم دو اہل لغت کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ابن منظور نے ''لسان العرب۱''میں لفظ''صدق''کے مختلف استعمالات کویوں بیان کیاہے:

الصدق:نقیض الکذب،سچ،جھوٹ کی ضدہے۔

رجل صدق:نقیض رجل سوء۔اچھاانسان برے انسان کی ضدہے۔یعنی اچھائی اور برائی کی صفتیں ایک دوسرے کی ضدہیں۔

وکذالک ثواب صدق وخمارصدق،اسی طرح کہا جاتا ہے اچھا لباس اوراچھابرقعہ۔

ویقال: رجل صدق،مضاف بکسرالصادومعناه نعم الرجل ہونیزاسی

۱۔لسان العرب،ج۱۰،ص۳۰۹۔۳۰۷

طرح حالت اضا فت میں صاد کے کسرے کے ساتھ استعال ہو تا ہے''رجل صدق''یعنی وہ ایک اچھا مردہے۔

رجل صدق اللقاء وصدق النظر،خوش اخلاق مرداور خوش بین انسان۔

والصّدق:بالفتح الصلب من الرماح وغیرہا، ورمح صدق: متنو،وکذالک سیف صدق:صاف اورسیدھا نیزہ ،اوراسی طرح سیدھی تلوارکو بھی صدق کہتے ہیں۔

عن ابن درستویہ:قال إنّما لصدق الجامع للأوصاف المحمودة۔ابن درستویہ کا کہنا ہے کہ''صدق''اس شخص کوکہاجاتاہے جس میں تمام پسندیدہ اوصاف موجودہوں۔

قال الخلیل:الصدق:الکامل کلّ شیء۔خلیل نے کہاہے کہ ہرمکمل چیزکو''صدق''کہتے ہیں۔

۲۔ ''مفردات قرآن[۱]''میں راغب کا کہنا ہے:ویعبّر عن کل فعل فاضل ظاہراً وباطناً بالصدق،فیضاف إلیه ذلک الفعل الذی یوصف به نحو قوله۔۔۔''ہروہ کام جوظاہروباطن کے اعتبارسے اچھا اور پسندیدہ ہو اسے ''صدق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اوراس کے موصوف کی ''صدق''کی نسبت (اضافت) دی جاتی ہے۔استعما لات قرآ نی کے وقت ہم اس کے شاہدپیش کریں گے۔

استعمالات قرآنی

قرآن مجید میں ہمیں بہت سی ایسی آیات نظر آتی ہیں جن میں لفظ ''صدق''کوایسی چیزوں کی صفت قرار دیا گیاہے جوگفتگووکلام کے مقولہ نہیں ہیں۔نمونہ کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظ ہوں:

۱۔مفردات فی القرآن،ص۲۷۷،دارالمعرفۃ،بیروت

''وبشّرالذین آمنوا أن لهم قدم صدق عندربهم)

(سورۂ یونس،۲)

اس آیہء شریفہ میں'صدق'،''قدم''کی صفت واقع ہے۔

(ولقدبوأنا بنی اسرائیل مبوأصدق)(سورۂ یونس،۹۳)

اس آیہء شریفہ میں''صدق''کو''جگہ''کی صفت قرار دیا گیاہے۔

(وقل رب أدخلنی مدخل صدق وأخرجنی مخرج صدق)

(سورۂ اسراء،۸۰)

اس آیہء شریفہ میں ''مدخل'' و ''مخرج'' یااسم مکان(داخل اورخارج کرنے کی جگہ)ہیںیامصدر(خودکوداخل کرنایاخارج کرنا)ہیں۔بہرحال کسی طرح بھی مقولہ کلام سے نہیں ہے۔

(فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر)(سورۂ قمر،۵۰)

اس آیہ شریفہ میں ''صدق''،''مقعد''(جگہ اوربیٹھنے)کی صفت ہے۔

(لیس البرّأن تولّواوجوہکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرّمن آمن باللّٰہ والیوم الآخروالملائکۃ والکتاب والنبیّین وآتی المال علی حبۃ ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ وآتی الزکوۃوالموفون بعھدھم إذاعاھدواوالصابرین فی البأساء والضرّاء وحین البأس اولئک الذین صدقواوأولئک ھم المتقون)(سورۂ بقرہ،۱۷۷)

اس آیۂ شریفہ میں خداوندمتعال نے پہلے نیکیوں کوعقائد کے شعبہ میں یعنی خدا،قیامت،فرشتوں،آسمانی کتابوں اورانبیاء پرایمان کے سلسلہ میں اس کے بعد عمل کے شعبہ میں یعنی اپنے رشتہ داروں،محتاجوں،ابن سبیل اورسائلوں کوانفاق کرنا،خداکی راہ میں بندوں کو آزادکرنانیزایفائے عہدکرنا وغیرہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیاہے۔اس کے بعداخلاقی شعبہ میں یعنی مشکلات و پریشان نیوں میں صبروتحمل استقامت و پائیداری کا مظاہرہ کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اورمذکورہ تینوں شعبوں میں نیکیاں کرنے والوں صدق وتقویٰ کے ذریعہ تعریف کرتاہے۔

لغت اورآیات کریمہ میں مذکورہ استعمالات کے پیش نظرواضح ہوجاتاہے کہ ''صدق''کاایک ایساوسیع مفہوم ہے کہ جس کا دائرہ صرف مقولہ،کلام،وعدہ وخبرتک محدود نہیں ہے،بلکہ یہ فکرواندیشہ عقائد و اخلاقیات نیزانسانی رفتارجیسے دیگر مواردپربھی اطلاق کرتا ہے اوراس کااستعمال ان موارد میں حقیقی ہے۔

اس آیت کا گزشتہ آیات سے ربط

اس آیت سے پہلی والی آیت (جیساکہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں آیا ہے)ان مومنین کے بارے میں ہے کہ جنھوں نے پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جنگ تبوک میں جانے سے انکار کیا تھا اوراس کے بعدنادم اورپشیمان ہوکرانھوں نے توبہ کرلی تھی،مسلمانوں نے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کے ساتھ اپنے رشتہ ناطے توڑدئے تھے،یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے بات کرنا چھوڑدی تھی۔

انہوں نے جب شہر سے باہر نکل کر بارگاہ الٰہی میں التماس والتجا کی اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کی تو خدا وند متعال نے ان کی توبہ قبول کی اوروہ پھرسے اپنے لوگوں اوراپنے خانوادوں میں واپس لوٹے۔

بعد والی آیت میں بھی خدا وند متعال فرماتا ہے ''اہل مدینہ اوراس کے اطراف کے لوگوں کو نہیں چاہئیے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی مخالفت اوران سے روگردانی کریں۔ اس کے بعد خدا کی راہ میں مشکلات و پریشانیاں،بھوک وپیاس کی سختیاں برداشت کرنے کی قدرواہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتاہے۔

اس آیہء شریفہ (زیر بحث آیت) میں مؤمنین کو مخاطب کرکے انھیں تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم دیا گیا ہے،اورانھیں اس بات کا پیغام دیا گیا ہے کہ وہ ''صادقین'' کے ساتھ ہوجائیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیہء شریفہ میں ''صادقین'' سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس آیت کا ائمہ معصومین (ع) کی امامت سے ربط

ابتدائی نظر میں (جیسا کہ ''صدق'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا) ایسا لگتا ہے کہ جملہ (کونوامع الصادقین) سے مراد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔

قابل غور بات اورجو چیز ضروری ہے وہ سچ بولنا اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا ہے۔ لیکن سچ بولنے والوں کے ساتھ ہونا یہ شرعی واجبات میں سے نہیں ہے،جبکہ سچوں کے ساتھ ہونے کا یہ آیہ شریفہ میں حکم ہوا ہے اور یہ امروجوبی ہے اور جملہ (کونوامع الصادقین) کا وقوع ''إتقوا اللہ'' کے سیاق میں ہے کہ جس میں تقوائے الٰہی کا حکم تھا لہذا یہ بیشک وجوب کے لئے ہے اوراس سے وجوب کی مزید تاکید ہوتی ہے۔

مفہوم صدق کی وسعت کے پیش نظر مقولہ کلام و گفتگو تک محدودیت نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ فکرو عقائد،اخلاق وکردار نیز رفتار و عمل تک پھیلا ہوا ہے کہ جس میں صادقین سے ہونے کو آیہء کریمہ میں واجب قرار دیا گیا ہے،ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد جسمانی معیت اور ہمراہی نہیں ہے بلکہ ہمراہی ہراس چیز میں ہے جس میں صحت وسچائی پائی جاتی ہو اورآیہء کریمہ میں

صادقین سے مرادوہ لوگ ہیں جوصدق مطلق کے مالک ہیں نہ مطلق صدق کے۔او رصدق مطلق وہ ہے جوہر جہت سے سچااور صحیح ہواور فکروعقائد،گفتاروکرداراور اخلاقیات کے لحاظ سے کسی طرح کا انحراف نہ رکھتاہو۔اس طرح کا شخص معصوم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتاہے۔اس طرح کے انسان کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کے افکار و عقائد، کرداراواخلاق کی پیروی کر نا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کااس بات پراجماع ہے کہ چودہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی صاحب عصمت اور صدق مطلق کا مالک نہیں ہے،اس لئے''صادقین'' سے مرادپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے۔

علماء ومفسرین کے بیانات کی تحقیق

اس سلسلہ میں ہم صرف دوبزرگ علماء کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

علامہء بہبہانی کا قول :

پہلا قول شیعہ امامیہ کی ایک عظیم شخصیت وبزرگ عالم دین،گراں قدرمفکرمرحوم علامہ محقق سید علی بہبہانی کاہے۔وہ اپنی عظیم کتاب''مصباح الھدایہ''(کہ جوواقعاًامامت کے بارے میں ایک بے نظیرکتاب ہے)میں آیہء شریفہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وقداستفاضت الروایات من طریقناوطریق العامۃأن الصادقین ہم أہل بیت النبیّ المطہرون۔''وقد ذکرفی غایۃ المرام عشر تخبار من طریقنا وسبعۃ أخبار من طریق العامۃ۔ا

أقول:ویدّل علی اختصاص الصادقین فی الآیۃالکریمہ فی الأئمّۃ المعصومین الطیّبین من آل محمد ﷺوعدم إرادۃ مطلق الصادقین منہ۔کمادلّت علیہ الروایات المستفیضۃ من الطرفین:أنّہ لوکان المراد بالصدق مطلق الصدقالشامل لکلّ مرتبۃ منہ المطلوب من کلّ مؤ من،وبالصادقین المعنی العام الشامل

ا۔نهاية المرام ،ص۲۴۸

لكلّ من اتّصف بالصدق فى أيّ مرتبة كان،لوجب أن يعبّر مكان ''مع'' بكلمة''من''ضرورةأنّه يجب على كلّ مؤمن أن يتحرز عن الكذب ويكون مع الصادقين۔فالعدول عن كلمة ''من''إلى ''مع'' يكشف عن أن المراد ''بالصدق''مرتبةمخصوصة و''بالصادقين'' طائفة معينة۔ومن المعلوم أن هذه المرتبة مرتبة كاملة،بحيث يستحقا لمتصفون بها أن يتبعهم سائر المؤمنين جميعاً،وهذا المرتبة الكاملة التى تكون بهذه المثابة ليست إلّا العصمة والطهارة التى لم يتطرّق معها كذب فى القول والفعل،إذفى الأمّة من طهره الله تعالى وأذهب عنه الرجس،وهم أهل بيت النبىّ بنصّاية التطهيرواتفاق جميع المسلمين۔

فلوأريد من الصّادقين غير المعصومين لزم أن يكون المعصومون مأمورين بمتابعة غير المعصومين المتطرّق فيهم الكذب و لو جهلاً أو سهواً و هو قبيح عقلاً ، و تعيّن أن يكون المراد الصادقين المطهّرين الحائزين جميع مراتب الصدق قولاً و فعلاً،ولا يصدق ذلک إلّا على أهل بيت النبىّ لّه عنهم الرجس و طهّرهم تطهيراً، و إليه يشير قول مولانا الرضا (عليه السلام)''هم الأئمّة الصديقون بطاعتهم''۱

ويدلّ على كونهم أئمّة كمانبّه عليه مولانا الرضا (عليه السلام) فى هذه الرواية أمره سجانه وتعالى جميع المؤمنين بعد أمرهم بالأتقاء عن محارمه بأن يكونوا مع الصادقين، و لا يصدق الكون

۱۔فى المصدر: ''والصديقون بطاعتهم''فراجع

معهم إلا بأن يكونوا تحت طاعتهم ،متحرّزين عن مخالفتهم ۔ وليس للإمامة معنى إلّاافتراض طاعة الإمام على المأموم من قبله تعالى،بل لا تعبيرأقرب إلى معنى الإمامة من أمر المؤمنين بأن يكونوامعه،إذ حقيقة الإئتمام عبارة عن متابعة المأموم إمامه وعدم مفارقته عنه۔۱

شیعہ اور اہل سنّت سے مستفیض۲روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ میں صادقین سے مراد (پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔مرحوم بحرانی نے اپنی کتاب ''غایۃ المرام'' میں شیعہ طریقہ سے دس احادیث اور سنی طریقہ سے سات احادیث نقل کی ہیں۔

آیہء کریمہ میں ''صادقین''سے مراد (جیساکہ فریقین کی احادیثوں میںآیاہے)ائمہء معصومین علیہم السلام ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ''صدق''(سچائی)کہ جو ''صادقین''کے عنوان میں ماخوذہے،اس سے مراد مطلق سچائی ہے کہ جو ہرمرتبہ کو شامل ہے اور ''صادقین''کے زمرے میں ہروہ شخص شامل ہوکہ جو صفت صدق کے کسی بھی مرتبہ سے متصف ہے تو آیہء کریمہ کی تعبیر ''کو نوا من الصادقین''ہونی چاہئے تھی اوراسصورت میں اس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سچ بولنے والوں سے ہو اور جھوٹ سے پرہیزکرے۔

یہ جو ''مع الصادقین''،تعبیرہے،یہ خوداس بات کی دلیل ہے کہ ''صدق''سے مراد ایک خاص مرتبہ و مقام ہےاور ''صادقین''سے مرادایک مخصوص اور ممتازگروہ (اورصادقین کے ساتھ ہونے کا معنی ان کی پیروی کرنا)ہے۔ صفت صدق کا کامل اور نہائی مرتبہ وہی عصمت وطہارت ہے جس کی وجہ سے گفتار وکردار میں سچائی مکمل طورپر محقق ہوتی ہے۔

ا''مصباح الھدایۃ''،ص۹۳۔۹۲،مطبع سلمان فارسی قم ۲۔سے دس تک کی احادیث پر ''حدیث مستفیض''اطلاق ہوتا ہے)اس مطلب کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ)اگر ''صادقین''سے مرادائمہ معصومین (ع)کے علاوہ کوئی اورہوں تواس فرض کی بنیادپرکہ آیہء تطہیرکی نص موجود ہےاورتمام مسلمانوں کا اہل بیت کے معصوم ہونے پر اتفاق ہے،اس کالازمہ یہ ہوتا کہ تمام انسان حتی کہ ائمہ معصومین بھی غیر معصوم کی اطاعت وپیروی کریں اوریہ عقلاً قبیح ہے۔لہذایہ مرتبہ (عصمت وطہارت)پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کہیں اورنہیں پایا جاسکتاہے۔

دوسراثبوت یہ ہے کہ خدا وند متعال نے آیت کی ابتداء میں تمام مؤمنین کو تقویٰ اورگناہوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیاہےاوراس کے بعد انہیں ''صادقین''کے ساتھ ہونے کا فرمان جاری کیا ہے،اوران کے ساتھ ہونے کا مطلب ان کی اطاعت کرنے اوران کی نافرمانی نہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور امامت کے معنی بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں ہیں کہ مأموم پر امام کی اطاعت واجب

ہے۔

اگر ہم امامت واطاعت کی صحیح تعبیر کرنا چاہیں تو بہترین تعبیر یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہونا اور اس کی پیروی و اطاعت سے جدا نہ ہو ناہے۔

فخررازی کا قول

دوسراقول اہل سنت کے مشہورومعرو ف علا مہ فخررازی کاہے۔وہ آیہء شریفہ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

''و فی الآیۃ مسائل: المسألۃ الأولی: أنّہ تعالی أمر المؤمنین بالکون مع الصادقین! و متی وجب الکون مع الصادقین فلا بدّ من وجود الصادقین فی کلّ وقت، و ذلک یمنع من إطباق الکلّ علی الباطل، و متی إمتنع إطباق الکلّ علی الباطل وجب إذا أطبقوا علی شیء أن یکونوا محقین۔ فہذا یدل علی أن إجماع الأمّۃ حجۃ۔

فإن قیل: لمَ لا یجوز أن یقال: المراد بقولہ: (کونوا مع الصادقین) أی کونوا علی طریقۃ الصادقین، کما أن الرجل إذا قال لولدہ: ''کن مع الصالحین'' لا یفید إلاّ ذلک؟

سلّمنا ذلک، لکن نقول: إن ہذا الأمر کان موجوداً فی زمان الرسول فقط، فکان ہذا أمراً بالکون مع الرسول، فلا یدّل علی وجود صادق فی سائر الأزمنۃ۔

سلّمنا ذلک لکن لم لا یجوز أن یکون الصادق ہو المعصوم الذی یمتنع خلو زمان التکلیف عنہ کما تقو لہ الشیعۃ؟ و الجواب عن الاول: أن قولہ: (کونوا مع الصادقین) أمر بموافقۃ الصادقین، و نہی عن مفارقتہم، و ذلک مشروط بوجود الصادقین وما لا یتمّ الواجب إلاّ بہ فہو واجب۔ فدلت ہذہ الآیۃ علی وجود الصادقین ۔ و قولہ: '' إنّہ عدول عن الظاہر من غیر دلیل۔ قولہ: '' ہذا الأمر مختص بزمان الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن التکالیف المذکورۃ فی القرآن متوجہۃ إلی المکلفین إلی قیام القیامۃ، فکان الأمر فی ہذا التکلیف کذلک۔

الثانی : أن الصیغة تتناولال أوقات کلھا بدلیل صحة الاستثناء۔ الثالث: لما لم یکن الوقت المعین مذکوراً فی لفظ الآیة لم یکن حمل الآیة علی البعض أولی من حملہ علی الباقی۔ فإمّا أن لا یحمل علی شیء من الأوقات فیفضی إلی التعطیل و ھو باطل !أو علی الکلّ فھو المطلوب۔ و الرابع: و ھو أن قولہ: (یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ) أمر لھم بالتقوی و ھذا الأمر إنّما یتناول من یصحّ منہ أن لا یکون متقیاً، و إنّما یکون کذلک لو کان جائز الخطأ۔ فکانت الآیة دالّة علی أن من کان جائز الخطأ وجب کونہ مقتدیاً بمن کان واجب العصمة، و ھم الذین حکم اللہ تعالی بکونھم صادقین۔ فھذ ایدل علی أنّہ واجب علی جائز الخطأ کونہ مع المعصوم عن الخطأ حتی یکون المعصوم عن الخطأ مانعا لجائز الخطأ عن الخطأ! و ھذا المعنی قائم فی جمیع الأزمان، فوجب حصولہ فی کل الازمان۔

قولہ: ''لم لا یجوزأن یکون المراد ھو کون المؤمن مع المعصوم الموجود فی کلّ زمان''

قلنا: نحن نعترف بأنّہ لابدّ من معصوم فی کلّ زمان،إلا أنّا نقول: ذلک المعصوم ھو مجموع الأمّة و أنتم تقولون ذلک المعصوم واحد منھم۔

فنقول: ھذا الثانی باطل، لأنّہ تعالی أوجب علی کلّ واحد من المؤمنین أن یکون مع الصادقین،وإنّما یکنہ ذلک لو کان عالماً بان ذلک الصادق من ھو ،لاالجاہل بأنّہ من ھو۔

فلو کان مأموراً بالکون معہ کان ذلک تکلیف مالا یطاق، وأنّہ لا یجوز، لکنّا لا نعلم إنساناً معیّناً موصوفاً بوصف العصمة، و العلم بأنا لانعلم ھذا الانسان حاصل بالضرورة، فثبت أن قولہ:(وکونوا مع الصادقین) لیس أمراً بالکون مع شخص معیّن۔

و لما بطل ھذا بقی أن المراد منہ الکون مع مجموع الاُمّة، وذلک یدل علی أن قول مجموع الاُمّة حقّ و صواب، و لا معنی لقولنا، ''الإجماع حجة'' إلّا ذلک''[1]

ترجمہ:

''خداوند متعال نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔اس مطلب کا لازمہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین کا وجود ہو اور یہ اس بات کے لئے مانع ہے کہ پوری امت کسی باطل امر پر اتفاق کرے ۔اس لئے اگر پوری امت کسی چیز پر اتفاق کرتی ہے

تو ان کا یہ اتفاق صحیح و بر حق ہو گا اوریہ،اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اگر کہا جائے:صادقین کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ کیوں نہیں ہے کہ صادقین کے طریقہ کار کی پیروی کرے ،چنانچہ اگر ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے: ''صالحین کے ساتھ ہو جاؤ''،یعنی صالحین کی روش پر چلو (اور یہ امر اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجود ہو(

جواب یہ ہے کہ:یہ خلاف ظاہر ہے،کیونکہ (وکون امع الصادقین)یہ ہے کہ پہلے ان صادقین کا وجود ہو جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

مزید اگر یہ کہا جائے کہ:یہ جملہ صرف رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں موضوعیت رکھتا تھا،کیونکہ اس زمانہ میں صرف آنحضرت ﷺ کی ذات صادق کے عنوان سے موجود تھی اور یہ اس بات پردلالت نہیں کرتاہے کہ ہرزمانہ میں صادقین موجود ہوں۔

ا۔التفسیر الکبیر،فخررازی،ص۲۲۱۔۲۲۰،دار احیاء التراث العربی،پیروتاس کا جواب یہ ہے کہ:یہ خطاب قرآن مجید کے دوسرے خطابوں کے مانندقیامت تک کے لئے تمام مکلفین سے متعلق و مربوط ہے اوراس میں ہر زمانہ کے مکلفین سے مخاطب ہے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ استثناء صحیح ہے(اوراستثناء کے صحیح ہونے کی دلیل ہمیشہ مستثنی منہ میں عمومیت کا پایا جاتا ہے)۔

اس کے علاوہ خداوند متعال نے پہلے مرحلہ میں مؤمنین کو تقوی کا حکم دیا ہے،اور یہ انھیں تمام افراد کے لئے تقوی کا حکم ہے کہ جن کے لئے امکان ہے کہ متقی نہ ہوں اوراس خطاب کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو جائزالخطاء ہیں۔لہذاآیہء شریفہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جائزالخطاء افراد کو ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جو خطا سے معصوم ہوں تاکہ وہ معصوم لوگ انھیں خطا سے بچا سکیں۔اور اس طرح کاامکان ہرزمانہ میں ہے۔اس لئے آیہء شریفہ تمام زمانوں سے متعلق ہے اور صرف پیغمبر ﷺ کے زمانہ سے

مخصوص نہیں ہے۔

یہاں تک فخررازی کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صادقین سے مراد خطا سے معصوم افراد ہیں اور یہ افراد ہر زمانہ میں موجود ہیں اوریہ مطلب صحیح اور نا قابل اشکال ہے۔ لیکن فخررازی کاکہنا ہے: ''معصوم ''صادقین''، امت کے مجموعی افراد ہیں اور یہ امت کے خاص اور مشخص افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہر ایک پر لازم ہے کہ ان معین مشخص افراد کو پہچانے ان کی معرفت حاصل کرے تا کہ ان کے ساتھ ہو جائے جبکہ یہ معرفت اور آگا ہی ممکن نہیں ہے اور ہم ایسے خاص افراد کو نہیں پہچانتے ہیں کہ جو خطا و غلطی سے پاک اور معصوم ہوں۔ لہذا اس بات کے پیش نظر معصوم صادقین سے مراد مجموعہ امت ہے کہ جس کا نتیجہ اجماع کی حجیّت ہے۔''

فخررازی کے قول کا جواب

فخررازی کے بیان میں دو نمایاں نکتے ہیں:

پہلا نکتہ: یہ ہے کہ معصوم صادقین سے مراد مشخص و معیّن افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں علم و آگاہی نہیں ہے۔ اس قول کا صحیح نہ ہونا واضح و روشن ہے،کیونکہ شیعہ اماموں کی عصمت کی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے،جن احادیث میں ان معصوم اماموں کا صراحتاًنام لیا گیا ہے،وہ تواتر کی مقدار سے زیادہ ہیں نیز یہ حدیثیں بعض سنی منابع اور بے شمار شیعہ منابع میں ذکر ہوئی ہیں۔

دوسرا نکتہ: یہ کہ ''معصوم صادقین سے مراد تمام امت ہے''اس پر بہت سارے اعتراضات ہیں ذیل کے عبارت میں ملاحظہ ہو:

۱۔چودہ معصومین(ع)کی عصمت کے علاوہ کسی اور کی عصمت کا قول تمام مسلمانوں کے قطعی اجماع کے خلاف ہے

۲۔آیہ شریفہ میں صادقین کے عنوان (جو ایک عام عنوان ہے)سے جو چیز ظاہر ہے وہ اس کا استغراقی اور شمولی ہونا ہے نہ کہ

مجموعی ہونا اور فخر رازی کے کلام سے جو بات ظاہر اور واضح ہے کہ عصمت مجموعہ امت کی صورت میں ہے نہ جمیع امت کی صورت میں اور ''مجموعہ''ایک اعتباری عنوان ہے جووحدت افراد کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے۔عنوان عام میں اصل ''استغراقی ہونا'' ہے،کیونکہ عام مجموعی مجازہے اور اسے قرینہ کی ضرورت ہے جبکہ اصالتا حقیقۃ کا تقاضا یہ ہے کہ عام،جس کا حقیقی عنوان استغراقی ہونا ہے اس پر حمل ہو۔

۳۔عصمت ایک حقیقی عنوان ہے اوراسے ایک حقیقی موضوع کی ضرورت ہے،اور عام مجموعی ایک اعتباری موضوع ہے اورحقیقی موجود کا اعتباری موضوع پر قائم ہونا محال ہے۔

۴۔فخر رازی کا قول ''یاایھاالذین آمنوا''اور صادقین کے درمیان ایک دوسرے مقابل ہونے کا جو قرینہ پایا جاتا ہے اس کے خلاف ہے اور ان دو عناوین کے درمیان مقابلہ کا تقاضا ہے کہ وہ مومنین کہ جن کو خطاب کیا جا رہا ہے وہ دوسرے ہوں اور وہ صادقین جوان کے مقابل میں قرار دیئے گئے ہیں اور جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دوسرے ہوں۔

۵۔صادقین سے مراد مجموعہ امت (عام مجموعی) ہونا خود فخر رازی کے بیان سے متناقص ہے،کیونکہ اس نے اس مطلب کی توجیہ میں کہ صادقین کا اطلاق فقط پیغمبر ﷺ کی ذات میں منحصر نہیں ہے ،کہاہے:

''آیۂ شریفہ اس پہلو کو بیان کرنے والی ہے کہ ہرزمانے میں ایسے مؤمنین کا وجود رہا ہے کہ جو جائز الخطا ہوں اور ایسے صادقین بھی پائے جاتے رہے ہیں کہ جوخطا سے محفوظ اورمعصوم ہوں اور ان مؤمنین کو چاہئیے کہ ہمیشہ ان صادقین کے ساتھ ہوں۔''

لہذا فخر رازی نے ان مؤمنین کو کہ جن کوخطاب کیا گیا ہے جائز الخطا اور صادقین کو خطا سے معصوم فرض کیا ہے۔

اس آیت کے بارے میں شیعہ اورسنّی احادیث حاکم حسکانی نے تفسیر ''شواہد التنزیل۲''میں چند ایسی حدیثیں ذکرکی ہیں،جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ میں ''صادقین'' سے مراد ﷺ اور حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام یاپیغمبراکرم ﷺ کے اھل بیت (ع) ہیں۔یہاں پرہم ان احادیث میں سے

صرف

۱۔اہل سنت کے بڑے مشہور معروف عالم دین، ذہبی نے حسکانی کے بارے میں کہاہے: ''شیخ متقن ذوعنایۃ تامۃ بعلم الحدیث،وکان معمّراً عالی الاسناد۔تذکرۃ الحفاظ،ج۳،ص۱۲۰۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت۔یعنی: متقن اور محکم اسناد میں علم حدیث کے بارے میں خاص اہمیت و توجہ کے کامل رکھتے ہیں۔انہوں نے ایک طولانی عمر گذاری ہے اور (حدیث میں)عالی اسناد کے مالک تھے ۔

۲۔شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۱

ایک کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

''حدثنایعقوب بن سفیان البسوی قال:حدثنا ابن قعنب،عن مالک بن أنس،عن نافع،عن عبداللہ بن عمرفی قولہ تعالی: (اتقوااللہ)قال:أمراللہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بأجمعھم أن یخافوا اللہ،ثمّ قال لھم :(کونوامع الصادقین)یعنی محمداً واہل بیتہ۔''۱

''یعقوب بن سفیان بسوی نے ابن قعنب سے،اس نے مالک بن انس سے،اس نے نافع سے اس نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ خداوندمتعال کے اس قول: ''اتقوااللہ '' کے بارے میں کہا:خداوند متعال نے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب کوحکم دیاکہ خداسے ڈریں۔اس کے بعدان سے کہا: 'صادقین'،یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہوجائیں۔''

اسی حدیث کوشیعوں کے عظیم محدث اوربزرگ عالم دین ابن شہر آشوب۲نے تفسیر یعقوب بن سفیان سے،مالک بن انس سے،نافع بن عمرسے روایت کی ہے۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے محدث کلینی نے اس سلسلہ میں اصول کافی میںیوں روایت کی ہے:

''عن ابن اُذینہ،عن برید بن معاویتا لعجلی قال: أبا جعفر۔علیہ السلام۔عن قول اللہ عزّوجلّ: (اتقوااللہ وکونوامع الصادقین)قال: إیاّ نا عنی''۔۳

۱۔شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۵،ح۳۵۷

۲۔ذہبی نے تاریخ اسلام میں ۵۸۱ھ سے ۵۹۰ھ کے حوادث کے بارے میں بعض بزرگ علماء (ابن ابی طی)کی زبانی اس کی تمجید کی ہے اور اسے اپنے زمانہ کے امام اور مختلف علوم میں بے مثال شمار کیا ہے اور علم حدیث میں اسے خطیب بغدادی کے ہم پلہ اور علم رجال میںیحیی بن معین کے مانند قرار دیاہے اور اس کی سچائی وسیع معلومات نیز،کثرت خشوع وعبادت اور تہجد کا پابند ہونے سے متصف کیاہے۔مناقب،ابن شہرآشوب،ج۳،ص۱۱۱،ذوی القربیٰ ۳۔اصول کافی ،ج۱،ص۲۰۸،مکتبۃ الصدق

''ابن اذینہ نے برید بن معاویہ عجلی سے روایت کی ہے انھوں نے کہا:میں نےخداوندمتعال کے قول(اتقواالله وکونوامع الصادقین)کے بارے میں امام باقر(علیہ السلام)سے سوال کیا،حضرت(ع)نے فرمایا:خداوندمتعال نے اس سے صرف ہمارے(اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کے)بارے میں قصدکیاہے۔''

اہل سنّت کے ایک بہت بڑے محدث جوینی نے ایک روایت میںوں نقل کیا ہے:

''ثمّ قال علیّ(علیہ السلام):أنشدکم الله أتعلمون أن الله أنزل (یاأیّهاالّذین آمنواالّتقواالله وکونوامع الصادقین)فقال سلمان: یارسول الله،عامّة هذاأم خاصّة؟قال:أمّا المؤمنون فعامّة المؤمنین أمروابذلک،وأنّاالصادقون فخاصّة لأخی علیّ وأوصیائی من بعد إلی یوم القیامة قالوا:اللّهمّ نعم۔''۱

''اس کے بعد علی(علیہ السلام) نے فرمایا:تمھیں خداکا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔کیاتم جانتے ہو،جب یہ آیہ(یا ایہاالذین آمنوا اتقواالله وکونوامع الصادقین)نازل ہوئی،توسلمان نے آنحضرت سے کہا :یارسول الله! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ آیت اس قدرعمومیت رکھتی ہے تمام مؤمنین اس میں شامل ہو جائیںیا اس سے کچھ خاص افراد مراد ہیں؟پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جنھیںیہ حکم دیا گیا ہے اس سے مرادعام مؤمنین ہیں،لیکن صادقین سے مراد میرے بھائی علی(علیہ السلام)اوراس کے بعدقیامت تک آنے والے میرے دوسرے اوصیاء ہیں؟انہوں نے جواب میں کہا:خداشاہدہے،جی ہاں۔''

البتہ اہل سنت کی حدیث وتفسیرکی بعض کتا بوں میں چند دوسری ایسی روایتیں بھی نقل

۱۔فرائدالسطین ،ج۱،ص۳۱۷،مؤسسہ المحمودی للطبا عۃ والنشر بیروت،کماالدین ،ص۲۶۴۔بحار الا نور ،ج۳۳ص۱۴۹۔مصباح الہدایۃ،ص۹۱طبع سلمان الفارسی۔قابل ذکر ہے کہ مؤخر الذکر مد رک میں بجائے ''أنشدکم اللہ''''اسالکم باللہ''آیا ہے۔

ہوئی ہیں،جن میں ''صادقین''سے مرادکے بارے میں ابوبکروعمریا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے اصحاب کو لیا گیا ہے۔البتہ یہ روایتیں سندکے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ابن عساکرنے ضحاک سے روایت کی ہے کہ:(یاایہاالذین آمنوااتقوااللہ وکونوامع الصادقین)قال:مع ابی بکروعمرواصحابہما''

آیہء شریفہ میں ''صادقین''سے ابوبکر،عمراوران کے اصحاب کا قصد کیا گیا ہے ۲۔طبری نے سعیدبن جبیرسے ایک اورروایت نقل کی ہے کہ''صادقین''سے مراد ابوبکروعمرہیں۔۲

ان احادیث کاجواب:

پہلی حدیث کی سندمیں جویبربن سعیدازدی ہے کہ ابن حجرنے تہذیب التہذیب۲ میں علم رجال کے بہت سارے علما،جیسے ابن معین،ابن داؤد،ابن عدی اورنسائی کے قول سے اسے ضعیف بتا یاہے،اورطبری۴نے اسی روایت کوضحاک سے نقل کیاہے کہ اس کی سندمیں بھی جویبرہے۔

دوسری روایت کی سندمیں اسحاق بن بشرکاہلی ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں۵ابن ابی شیبہ،موسی بن ہارون،ابوذرعہ اوردارقطنی کی روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث روایت سے اسے جھوٹااورحدیث جعل کرنے والابتایاہے۔

دوسرے یہ کہ:اس کے بعدکہ ہم نے خود آیہء شریفہ اوراس کے شواہد سے جان لیاکہ آیت میں ''صادقین''سے مرادوہ معصوم ہیں جن کے ساتھ ہونے کا ہمیں حکم دیا گیاہے،اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ جو بھی مسلمانوں کے اتفاق نظرسے معصوم نہ ہووہ اس آیت(صادقین کے دائرے) سے خارج ہے۔

ا۔تاریخ مدینتہ دمشق،ج۳۰،ص۳۱۰دارالفکر ۲۔جامع البیان،ج ۱۱،ص۴۶ ۳۔تہذیب التہذیب،ج۲ص۱۰۶دارالفکر۔

۴۔جامع البیان،ج۱۱،ص۴۶ ۵۔میزان الاعتدال،ج۱،ص۸۶ا،دارالفکر

چھٹاباب

نهضة ترجمه
Translation Movement

امامت

آیہء تطہیرکی روشنی میں

امامت آیہء تطہیرکی روشنی میں

(إنمایریداللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہرکم تطہرا) (سورۂ احزاب۳۳)

''بس اللہ کاارادہ یہ ہے اے اہل بیت!تم سے ہر قسم کی برائی کودوررکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔''

ایک اورآیت جوشیعوں کے ائمہء معصومین(ع)کی عصمت پر دلالت کرتی ہے وہ آیہء تطہیر ہے۔یہ آیہء کریمہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپکے اہل بیت علیہم السلام یعنی حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہااورشیعہ امامیہ کے بارہ معصوم اماموں کی عصمت پردلالت کرتی ہے۔

آیہء کریمہ کی دلالت کو بیان کرنے کے لئے اس کے چند پہلوقابل بحث ہیں:

۱۔آیہء کریمہ میں لفظ''إنّما''فقط اورانحصارپردلالت کرتاہے۔

۲۔آیہء کریمہ میں ارادہ سے مرادارادہ،تکو ینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔

۳۔آیہء کریمہ میں''اہل بیت''سے مرادصرف حضرت علی،فاطمہ،وحسن وحسین (علیہم السلام)اوران کے علاوہ شیعوں کے دوسرے ائمہ معصو مین علیہم السلام ہیں اورپیغمبراسلام ﷺ کی بیویاں اس سے خارج ہیں۔

۴۔آیہء کریمہ کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات

''إنّما''حصر کا فائدۂ دیتا ہے

جیساکہ ہم نے آیہء ولایت کی تفسیر میں اشارہ کیاکہ علمائے لغت وادبیات نے صراحتاًبیان کیاہے لفظ''إنّما''حصر پردلالت کرتاہے۔لہذااس سلسلہ میں جوکچھ ہم نے وہاں بیان کیااس کی طرف رجوع کیاجائے۔اس سلسلہ میں فخررازی کے اعتراض کاجواب بھی آیہء ولایت کے اعتراضات کے جوابات میں دے دیاگیاہے۔

آیہء تطہیرمیں ارادے سے مرادارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی

آیہء شریفہ کے بارے میں بحث کادوسراپہلویہ ہے کہ:آیہء شریفہ میں جوارادہ ذکر کیاگیاہے،اس سے مرادارادہ تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔خداوندمتعال کے ارادے دوقسم کے ہیں:

۱۔ارادہ تکوینی:اس ارادہ میں ارادہ کامتعلق اس کے ساتھ ہی واقع ہوتاہے،جیسے،خداوندمتعال نے ارادہ کیاکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام پرآگ ٹھنڈی اورسالم(بے ضرر)ہو جائے توایساہی ہوا۔

۲۔ارادہ تشریعی:یہ ارادہ انسانوں کی تکالیف سے متعلق ہے۔واضح رہے کہ اس قسم کے ارادہ میں ارادہ اپنے مراداور مقصودکے لئے لازم وملزوم نہیں ہے۔خداوندمتعال نے چاہاہے کہ تمام انسان نماز پڑھیں،لیکن بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔تشریعی ارادہ میں مقصود اور مراد کی خلات ورزی ممکن ہے،اس کے برعکس تکوینی ارادہ میں ارادے کی اپنے مراد اور مقصود سے خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی اور اس کے معنی یہ ہے کہ:خداوند متعال نے ارادہ کیاہے کہ اہل بیت(علیہم اسلام)کو ہرقسم کی ناپاکی من جملہ گناہ و معصیت سے محفوظ رکھے اورانھیں پاک و پاکیزہ قراردے۔

خداوند متعال کے اس ارادہ کے ساتھ ہی اہل بیت اطہار سے ناپاکیاں دور نیز معنوی طہارت اور پاکیزہ گی محقق ہوگئی ،خداوند متعال نے یہ ارادہ نہیں کیاہے کہ وہ خود اپنے آپ کو گناہ کی پلیدی اور ناپاکی سے محفوظ رکھیں اورخداوند متعال کے حکم اور فرائض پر عمل کرکے اپنے آپ کوپاک وپاکیزہ بنائیں۔

آیہ تطہیر میں ارادہ کے تکوینی ہونے کے دلائل:

١۔ارادہ تشریعی فریضہ شرعی کے مانند،دوسروں کے امورسے متعلق ہوتا ہے، جبکہ آیہ شریفہ میں ارادہ کا تعلق ناپاکی اور پلیدی کودورکرنے سے ہے جو ایک الہی فعل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیہ شریفہ میں ارا دے سے مرادارادہ،تشریعی نہیں ہے۔

٢۔ انسانوں کوپلیدی اور ناپاکیوں سے دور رہنے اورپاک وپاکیزہ ہونے کے بارے میں خداوند متعال کا تشریعی ارادہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت (ع)سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خدا وند متعال کا یہ ارادہ ہے کہ تمام انسان ناپاکیوں سے محفوظ رہیں اورطہارت وپاکیزگی کے مالک بن جائیں۔جبکہ آیہ تطہیر سے استفادہ ہوتاہے کہ یہ ارادہ صرف پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہےاور یہ اس کلمہ حصرکی وجہ سے ہےکہ جوآیہ شریفہ کی شروع میں آیاہے۔ اس سے بالکل واضح ہو جا تا ہے کہ ارادہ کامتعلق(جوناپا کیوں سے دوری اورخداکی جا نب سے خاص طہا رت ہے)خارج میں متحقق ہے۔

٣۔آیہ شریفہ شیعوں اورسنیوں کے تفسیرواحادیث کی کتا بوں میں مذکوربے شمار احادیث اورروایتوں کے مطابق اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وستائش کی ضامن ہے۔ اگرآیہ شریفہ میں ارادہ الہی سے مراد،ارادہ تشریعی ہوتاتویہ آیت فضیلت وستائش کی حامل نہیں ہوتی۔اس بناپر،جوکچھ ہمیں اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوتاہے،وہ اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص طہارت و پاکیزگی اوران کاپلیدی اورناپاکیوں سے دور ہوناارادہ الٰہی کے تحقق سے مربوط ہے۔اوریہ ان منتخب انسانوں کے بارے میں خداکی جانب سے عصمت ہے۔ اس ارادہ الٰہی کے تکوینی ہونے کا ایک اورثبوت وہ احادیث ہیں جو خاص طور سے خدا وند متعال کی طرف سے اہل

بیت علیہم السلام کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ہم یہاں پر ان احادیث میں سے دوحدیثوں کونمونہ کے طورپرذکرکرتے ہیں:

''واخرج الحکیم الترمذی والطبرانی وابن مردویہ وابونعیم والبیہقی معاً فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ۔ ﷺ۔ ان اللہ قسم الخلاق قسمیں فجعلنی فی خیرہا قسماً،فذلک قولہ(واصحاب الیمین...)۱(واصحاب الشمال۔۔۔)۲فأنا من أصحاب الیمین وأنا خیرأصحاب الیمین ثمّ جعل القسمین أثلاثاً،فجعلنی فی خیرہا ثلثاً،فذلک قولہ :(وأصحاب المیمنۃ ماأصحاب المیمنۃأصحاب المشئمۃ ماأصحاب المشئمۃالسابقون۔۔۔)۳فأنا من السابقین وأنا خیرالسابقین،ثمّ جعل الأثلاث قبائل،فجعلنی فی خیرہا قبیلۃ،وذلک قولہ:(وجعلناکم شعوباًوقبائل لتعارفوا،إن أکرمکم عنداللہ أتقاکم)۴وأناأتقی ولدآدم وأکرمہم عنداللہ تعالی ولافخر،ثمّ جعل القبائل بیوتاًوجعلنی فی خیرہا بیتاً،فذلک قولہ:(إنّما یریداللہ لیذہب عنکم الرجس أہل الیت ویطہرکم تطہیراً)۵فأناوأہل بیتی مطہرون من الذنوب۔''۶

۱۔سورۂ واقعہ،۲۷ ۲۔سورۂ واقعہ،۴۱ ۳۔سورۂ واقعہ،۸۔۱۰ ۴۔سورۂ حجرات،۱۳ ۵۔سورۂ احزاب،۳۳

۶۔الدرالمنثور،ج ۵،ص ۳۷۸،دارالکتاب العلمیہ،بیروت،فتح القدیر،شوکانی،ج ۴،ص ۳۵۰ دارالکتاب العلمیہ،بیروت۔المعروفہ و التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۸

''حکیم ترمذی،طبرانی،ابن مردویہ،ابو نعیم اور بیہقی نے کتاب ''الدلائل''میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ پیغمبراکرم ﷺ نے فرمایا:خداوندمتعال نے اپنی مخلوقات کودو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھ کوان میں سے برترقراردیاہے اورخداوندمتعال کاقول یہ ہے:(و اصحاب الیمین)(واصحاب الشمال)اور میں اصحاب یمین میں سے سب سے افضل ہوں۔اس کے بعدمذکورہ دوقسموں(اصحاب یمین اوراصحاب شمال)کوپھرسے تین حصوں میں تقسیم کیااورمجھ کوان میں افضل ترین لوگوں میں قرار دیا اور یہ ہے خداوند کریم کا قول:(وأصحاب المیمنۃأصحاب المیمنۃ وأصحاب المشئمۃ ماأصحاب المشئمۃالسابقون السابقون)اورمیں سابقین اور افضل

ترین لو گوں میں سے ہوں۔اس کے بعدان تینوں گروہوں کوکئی قبیلوں میں تقسیم کردیا،چنانچہ فر ما یا:

(وجعلناکم شعوباًوقبائل لتعارفواإن اکرمکم عنداللّٰہ أتقاکم)

''اورپھرتم کو خاندان اور قبائل میں بانٹ دیاتاکہ آپس میں ایک دوسرے کوپہچان سکوبیشک تم میں سے خداکے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جوزیادہ پرہیزگارہے'' اورمیں فرزندان آدم میں پرہیزگار ترین اور خدا کے نزدیک محترم ترین بندہ ہوں اورفخرنہیں کرتاہوں۔

''اس کے بعد قبیلوں کوگھرانوں میں تقسیم کر دیااورمیرے گھرانے کوبہترین گھرانہ قرار دیااورفرمایا(انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھّرکم تطھیراً)''بس اللّٰہ کاارادہ یہ ہے اے اہل بیت!تم سے ہر طرح کی آلودگی وبرائی کودوررکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک و پاکیزہ رکھنے کاحق ہے.''پس مجھے اورمیرے اہل بیتؑ کو (برائیوں) گناہوں سے پاک قراردیاگیاہے۔''

۲۔ ''...حدثني الحسن بن زید، عن عمربن علي، عن أبیہ عليّ بن الحسین قال خطب الحسن بن علي الناس حین قتل عليّ فحمداللّٰہ و أثنی علیہ ثمّ قال:لقد قبض في ہذہ اللیلۃ رجل لایسبقہ الأوّلون بعمل و لایدرکہ الآخرون، و قدکان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعطیہ رایتہ فیقاتل وجبرئیل عن یمینہ ومیکائیل عن یسارہ حتی یفتح اللّٰہ علیہ، وما ترک علی أھل الأرض صفراء ولابیضاء إلاّ سبع ماءۃ درہم فضلت عن عطایاہ أراد أن یبتاع بہاخادماً لأہلہ.

ثمّ قال: أیّہا الناس! من عرفني فقد عرفني ومن لم یعرفنيفأنا الحسن بن علي وأنا ابن النبيّ وأنا ابن الوصيّ وأناابن البشیر، وأنا ابن النذیر، وأناابن الداعي إلی اللّٰہ باذنہ، وأنا ابن السراج المنیر، و أنا من أہل البیت الذی کان جبرئیل ینزل إلیناویصعد من عندنا، و أنامن أہل البیت الذی کان جبرئیل ینزل إلینا و یصعد من عندنا، وأنا من أہل البیت الذی أذہب اللّٰہ عنہم الرجس وطہّرہم تطہیراً و أنا من أہل

البیت الذی افترض اللہ مودتہم علی کلّ مسلم، فقال تبارک و تعالی لنبیۃ: (قل لأسئلکم علیہ أجراً إلّا المودۃ فی القربی و من یقترف حسنۃ نزدلہ فیھا حسناً)۱ فاقتراف الحسنۃ مودتنا أہل البیت۔۲''

۱۔ سورہ شوریٰ،۲۳

۲۔ مستدرک الصحیحین، ج۳،ص۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت

..''عمر بن علی نے اپنے باپ علی بن حسین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: حسن بن علی (علیہ السلام) نے (اپنے والد گرامی) حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں کے درمیان ایک خطبہ دیا جس میں۔ حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

آج کی شب ایک ایسا شخص اس دنیا سے رحلت کر گیا کہ گزشتہ انسانوں میں سے کسی نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی اس کے مراتب و مدارج تک پہونچنے والا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی جنگوں میں ان کے ہاتھ پرچم اسلام تھما کر انہیں جنگ کے لئے روانہ کرتے تھے، جبکہ اس طرح سے کہ جبرئیل (امور تشریعی میں فیض الٰہی کے وسیلہ) ان کی دائیں جانب اور میکائیل (امور ارزاق میں فیض الٰہی کے ذریعہ) ان کی بائیں جانب ہوا کرتے تھے۔ او روہ جنگ سے فتح کامرانی کے حاصل ہونے تک واپس نہیں لوٹتے تھے۔ انھوں نے اپنے بعد زر وجواہرات میں سے صرف سات سودرہم بہ طور ''ترکہ'' چھوڑے جو صدقہ و خیرات کے بعد باقی بچ گئے تھے اور وہ اس سے اپنے اہل بیت کے لئے ایک خادم خریدنا چاہئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہنچاتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں حسن بن علی (ع) ہوں، میں پیغمبرؐ کا فرزند ہوں، ان کے جانشین کا فرزند، بشیر (بشارت دینے والے) ونذیر (ڈرانے والے) کا فرزند ہوں، جو خدا کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا تھا، میں شمع فروزان الٰہی کا بیٹا ہوں، اس خاندان کی فرد ہوں کہ جہاں ملائکہ نزول اور جبرئیل رفت وآمد کر

تے تھے۔ میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ خدائے متعال نے ان سے برائی کودور کیاہے اورانھیں خاص طور سے پاک وپاکیزہ بنایاہے۔ میں ان اہل بیت میں سے ہوں کہ خداوندمتعال نے ان کی دوستی کوہر مسلمان پرواجب قراردیاہے اورخدا وندمتعال نے اپنے پیغمبرؐ سے فرمایا: ''اے پیغمبر!کہد یجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کے بدلے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں سواء اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرواور جو شخص بھی کوئی نیکی دے گا ہم اس کی نیکیوں کی جزامیں اضافہ کردیں گے ''لہذانیک عمل کاکام انجام دینا ہی ہم اہل بیت(ع)کی دوستی ہے۔''

ان دواحادیث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خداکی مخصوص طہارت کے خارج میں متحقق ہو نے سے مراد ان کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔اور یہ بیان واضح طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آیہء شریفہ میں ارادہ سے مراد ارادہ،تکوینی ہے۔

آیہء تطہیر میں اہل بیت علیہم السلام

اس آیہء شریفہ کی بحث کاتیسراپہلویہ ہے کہ آیہء کریمہ میں ''اہل البیت'' سے مراد''کون ہیں؟اس بحث میں دوزاویوں سے توجہ مبذول کرناضروری ہے:

ا۔اہل بیت کا مفہوم کیاہے؟ ٢۔اہل بیت کے مصادیق کون ہیں؟

اگرلفظ''اہل''کا استعمال تنہاہوتویہ مستحق اورشائستہ ہونے کامعنی دیتاہے اوراگراس لفظ کی کسی چیز کی طرف اضافت ونسبت دی جائے تو اس اضافت کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے۔مثلاً''اہل علم''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں علم ومعرفت موجودہے اور''اہل شہروقریہ''سے مراد وہ لوگ ہیں جواس شہریا قریہ میں زندگی بسر کرتے ہیں،اہل خانہ سے مراد وہ لوگ ہیں جواس گھر میں سکونت پذیر ہیں، مختصریہ کہ:''اہل''کامفہوم اضافت کی صورت میں مزید اس شی کی خصوصیت پردلالت کرتاہے کہ جس کی طرف اس کی نسبت دی گئی ہے۔۔۔

لفظ ''بیت''میں ایک احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد مسکن اور گھر ہواور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد حسب ونَسَب ہوکہ اس صورت میں ''اہل بیت''کا معنی خاندان کے ہوں گے۔ایک اوراحتمال یہ ہے کہ ''اہل بیت''میں ''بیت''سے مراد،خانہ نبوت ہواور یہاں پر قابل مقبول احتمال یہیموخرالذکراحتمال ہے،اس کی وضاحت انشاء اللہ آیندہ چل کر آئے گی۔

ان صفات کے پیش نظر ''اہل بیت''سے مرادوہ افراد ہیں جواس گھر کے محرم اسرار ہوں اورجوکچھ نبی ﷺ کے گھر میں واقع ہوتاہے اس سے واقف ہوں۔

اب جبکہ ''اہل بیت''کامفہوم واضح اور معلوم ہوگیا توہم دیکھتے ہیں کہ خارج میں اس کے مصادیق کون لوگ ہیں اور یہ عنوان کن افرادپر صادق آتاہے؟

اس سلسلہ میں تین قول پائے جاتے ہیں:

۱۔''اہل بیت''سے مرادصرف پیغمبراکرم ﷺ کی بیویاں ہیں۔۱

۲۔''اہل بیت''سے مراد خودپیغمبرؐ،علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام)نیزپیغمبر ﷺ کی بیویاں ہیں۔۲

۳۔شیعہ امامیہ کانظریہ یہ ہے کہ ''اہل بیت''سے مرادپیغمبر ﷺ آپکی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا)اوربارہ ائمہ معصومین(علیہم السلام)ہیں۔

بعض سنی علماء جیسے:طحاوی نے ''مشکل ا لآثار''میں اورحاکم نیشابوری نے ''المستدرک''میں ''اہل بیت''سے صرف پنجتن پاک (علیہم السلام)کو مراد لیاہے۔

''اہل بیت''کوواضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں دوجہات سے

۱۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۲۹۱

۲۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۴۹۲

بحث کریں:

۱۔آیہء شریفہ کے مفاد کے بارے میں بحث۔

۲۔آیہء شریفہ کے ضمن میں نقل کی گئی احادیث اورروایات کے بارے بحث۔

آیت کے مفاد کے بارے میں بحث

آیت کے مفہوم پر بحث کے سلسلہ میں درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ:لغوی اور عرفی لحاظ سے''اہل بیت''کا مفہوم پنجتن پاک کے عنوان کوشامل ہے۔

دوسرے یہ کہ آیہء شریفہ میں ضمیر''عنکم(جو جمع مذکر کے لئے ہے)کی وجہ سے اہل بیت کے مفہوم میں پیغمبراکرم ﷺ کی بیویاں شامل نہیں ہیں۔

تیسرے یہ کہ:بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں''اہل بیت''کے مرادسے پنجتن پاک(علیہم السلام)کو لیاگیاہے۔لہذا یہ قول کہ اہل بیت سے مرادصرف پیغمبراکرم ﷺ کی بیویاں ہیں،ایک بے بنیاد بلکہ برخلاف دلیل قول ہے۔یہ قول عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتا تھا:

''جوچاہتا ہے،میں اس کے ساتھ اس بابت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ آیہء شریفہ میں''اہل بیت کا مفہوم''پیغمبر ﷺ کی بیویوں سے مختص ہے۱''

اے کاش کہ اس نے(اس قول کی نسبت اس کی طرف صحیح ہونے کی صورت میں)مباہلہ کیاہوتا اورعذاب الٰہی میں گرفتار ہواہوتا،کیونکہ اس نے پنجتن پاک(ع)کی شأن میں نقل کی گئی ان تمام احادیث سے چشم بستہ انکار کیا ہے جن میں آیہء تطہیر کی شان نزول بیان کی گئی ہے۔

۱۔روح المعانی ،ج۲۲،ص۱۳،داراحیاء التراث العربی،بیروت

لیکن دوسرے قول کہ جس کے مطابق ''اہل بیت کے مفہوم''میں پیغمبر ﷺ کی بیویاں نیز علی،فاطمہ،حسن اور حسین (علیہم السلام)شامل ہیں کوبہت سے اہل سنت بلکہ ان کی اکثریت نے قبول کیا۔ اور انھوں نے،اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات کے سیاق سے استدلال کیا ہے۔اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ آیہء تطہیر سے پہلے والی آیتیں اور آیت تطہیر کے بعد والی آیتیں پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویوں سے متعلق ہیں۔چونکہ آیہء تطہیر ان کے درمیان میں واقع ہے،اس لئے مفہوم اہل بیت کی صلاحیت اور قرینہء سیاق کے لحاظ سے،اس میں پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویاں شامل ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر،قرینہء سیاق کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو یقینی طور پر اہل بیت کی فہرست میں شامل جانا ہے۔

سیاق آیہء تطہیر

کیا آیہء تطہیر کے سیاق کے بارے میں کیا گیا دعویٰ قابل انعقاد ہے؟اور پیغمبر ﷺ کی بیویوں کے اہل بیت کے زمرے میں شامل ہونے کو ثابت کرسکتا ہے؟مطلب کوواضح کرنے کے لئے درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ:چند آیات کے بعد صرف ایک آیت کا واقع ہونا سیاق کے واقع ہونے کا سبب نہیں بن سکتا ہے اوردوسری طرف سے یہ یقین پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوئی ہیں،کیونکہ سیاق کے واقع ہونے کے سلسلہ میں شرط یہ ہے کہ آیات کا نزول ایک دوسرے کے ساتھ انجام پایا ہو۔لہذا ہم شک کرتے ہیں اور ممکن نہیں ہے کہ ہم سیاق کو احراز (متعین)کر سکیں جبکہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے متفاوت ہے،اس لئے اس مسئلہ پر کبھی اطمینان پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آیہء تطہیر کا نزول پیغمبر ﷺ کی بیویوں سے مربوط آیات کے بعد واقع ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ:اگرچہ یہ آیتیں ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی ہیں،لیکن ہر آیہء اور سورۂ کو پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں ان کی نظروں کے

سامنے ایک خاص جگہ پر انھیں رکھا گیا ہے،اس لئے آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ معنوی رابطہ کے پیش نظران آیات میں سیاق واقع ہو اہے لہذاپیغمبر ﷺ کی بیویاں پنجتن پاک علیہم السلام کے ساتھ اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیہء تطہیر کا اس خاص جگہ پر واقع ہوناآیات کے معنوی پیوند کے لحاظ سے ہے اور وہ چیز کہ جس پر دلیل قائم ہے صرف یہ ہے کہ پیغمبراکرم ﷺ نے کسی مصلحت کے پیش نظر اس آیت کواپنی بیویوں سے مربوط آیات کے درمیان قرار دیا ہے،لیکن یہ کہ مصلحت صرف آیات کے درمیان معنوی رابطہ کی وجہ سے ہے اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ممکن ہے اس کی مصلحت آنحضرت ﷺ کی بیویوں کے لئے ایک انتباہ ہوکہ تمہارا اہل بیت'' کے ساتھ ایک رابطہ اور ہے ،اس لئے اپنے اعمال کے بارے میں ہوشیار رہنا،نہ یہ کہ وہ خود''اہل بیت'' کی مصداق ہیں۔

دوسرے یہ کہ:آیہء کریمہ میں کئی جہتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیہء تطہیر کا سیاق اس کی قبل اور بعد والی آیات کے سیاق سے متفاوت ہے اور یہ دو الگ الگ سیاق ہیں اور ان میں سے ہر ایک ،ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہے۔وہ جہتیں حسب ذیل ہیں:

پہلی جہت:پیغمبر ﷺ کی بیوں سے مربوط آیات کا سیاق سرزنش کے ساتھ ہے(چنانچہ آیت ۲۸ کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے)اوران آیات میں پیغمبراکرم ﷺکی بیویوں کی کسی قسم کی ستائش اور تعریف نہیں کی گئی ہے،جبکہ آیہء تطہیر کے سیاق میں فضیلت وبزرگی اورمدح و ستائش ہےاورآیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہونے والی احادیث سے یہ مطلب اور بھی زیادہ روشن و نمایاں ہو جا تا ہے۔

دوسری جہت:یہ کہ آیہء تطہیر کی شأن نزول مستقل ہے اورآنحضرت ﷺکی بیویوں سے مربوط آیات کی شأن نزول بھی مستقل ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے اپنے حق سے زیادہ نفقہ کا تقاضا کیا تھا لہذا مذکورہ آیتیں اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔اس شأن نزول کے بارے میں مزیدآگاہی حاصل کرنے کے لئے شیعہ وسنی تفسیروں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اور اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ پیش کریں گے جسے ابن کثیر نے ان آیات کی شأن نزول کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے:

(یاأیہاالنبیّ قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃالدنیا وزینتہا فتعالین أمتعکن وأسرّحکن سراحاً جمیلاً۔وإن کنتنّ تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فإن اللہ أعدّ للمحسنات منکن أجراً عظیماً۔یانساء النبیّ من یأت منکن بفاحشۃ مبیّنۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیراً ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحاً نؤتہا اجرہامرّتین وأعتدنا لہارزقاً کریماً۔یانساء النبیّ لستن کأحد من النساء إن اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً۔وقرن فی بیوتکن ولا تبرّجن تبرّج الجاہلیۃ الأولی وأقمن الصلوۃ وءاتین الزکوۃ وأطعن اللہ ورسولہ إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہرکم تطہیراً۔واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃإن اللہ کان لطیفاً خبیراً) (احزاب۲۸۔۳۴)

"پیغمبر!آپ اپنی بیویوں سے کہدیجئے کہ اگر تم سب زندگانی دنیااوراس کی زینت کی طلبگارہوتوآؤمیں تمہارامہر تمھیں دیدوں اورخوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں اوراگراللہ اور رسول اورآخرت کی طلبگار ہو تو خدا نے تم میں سے نیک کردار عورتوں کے لئے اجر عظیم قرار دیا ہے۔اے زنان پیغمبر جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائیوں کاارتکاب کرے گااس کو دھرا عذاب کر دیا جائے گا اوریہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے۔اور جو بھی تم میں سے خدااوررسول کی اطاعت کرے اورنیک عمل انجام دے اسے دہرا اجر عطا کیا جائے گا اور ہم نے اس کے لئے بہترین رزق فراہم کیا ہے۔اے زنان پیغمبر!تم اگر تقویٰ اختیار کرو تو تمھارامرتبہ عام عورتوں کے جیسا نہیں ہے،لہذا کسی آدمی سے نازکی(دل لبھانے والی کیفیت) سے بات نہ کرو کہ بیمار دل افراد کوتمہاری طمع پیدا ہو اور ہمیشہ شائستہ و نیک باتیں کیا کرواور اپنے گھروں میں بیٹھی رہواور جاہلیت کے زمانہ کی طرح بناؤ سنگار نہ کرواور نماز قائم کرو اورزکوٰۃادا کرو اوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت!کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔اورازواج پیغمبر!تمھارے گھروں میں جن آیات الٰہی اور

حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یادرکھو خدا لطیف اور ہرشے سے آگاہ ہے۔''

ابن کثیر نے ابی الزبیر سے اوراس نے جابر سے روایت کی ہے:

''لوگ پیغمبر ﷺ کے گھر کے سامنے بیٹھے تھے،اسی حالت میں ابوبکراور عمرآگئے اوردا خل خا نہ ہونے کی اجازت چاہی۔ پہلے انھیں اجازت نہیں دی گئی۔جب انھیں اجازت ملی اور وہ خا نہ رسول میں ہوئے توانہوں نے کیا دیکھاکہ آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اورآپ کی بیویاں بھی آپکے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اورآنحضرت ﷺ خاموش تھے۔عمر نے آنحضرت ﷺ کو ہنسا نے کے قصد سے کہا:یارسول اللہ!اگرآپ دیکھتے کہ بنت زید (اس سے مراد عمر کی زوجہ ہے) نے جب مجھ سے نفقہ کا تقاضا کیا تو میں نے کیسی اس کی پٹائی کی!یہ سن کرپیغمبراکرم ﷺ ایسا ہنسے کہ آپکے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔پیغمبر ﷺ نے فرمایا:یہ (میری بیویاں) میرے گرد جمع ہوئی ہیں اور مجھ سے (بیشتر) نفقہ کا تقاضا کرتی ہیں۔اس وقت ابوبکر عائشہ کو مارنے کے لئے آگے بڑھے اور عمر بھی اٹھے اوردونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں سے نصیحت کرتے ہوئے کہا:تم پیغمبر ﷺ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہوجو پیغمبر کے پاس نہیں ہے؟آنحضرت ﷺ نے انھیں مارنے سے منع فرمایا۔اس قضیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے کہا:ہم آج کے بعد سے پیغمبر ﷺ سے کبھی ایسی چیز کا تقاضا نہیں کریں گے،جوان کے پاس موجود نہ ہو۔خداوند متعال نے مذکورہ آیات کو نازل فرمایا جس میں آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو پیغمبر کی زوجیت میں باقی رہنے یا انھیں طلاق کے ذریعہ آنحضرت کو چھوڑ کے جا نے کا اختیار دیا گیاہے۔[1]''

یہ تھی،آنحضرت ﷺ کی ازواج سے مربوط آیات کی شأن نزول۔جبکہ آیہء تطہیر کی شأن نزول پنجتن آل عبا اورائمہ معصومین (علیہم السلام) سے متعلق ہے۔اس سلسلہ میں شیعہ وسنی تفسیر اورحدیث کی کتا بوں میں کافی تعداد میں روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر احادیث کے باب میں کریں گے۔

۱۔تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۱

اس شأن نزول اور پیغمبر اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی ازواج سے مربوط آیات کی شأن نزول میں احتمالاً کئی سالوں کا فاصلہ ہے۔اب کیسے ان آیات کے درمیان وحدت سیاق کے قول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور کیاان دو مختلف واقعات کو ایک سیاق میں ضم کرکے آیت کے معنی کی توجیہ کی جاسکتی ہے؟

تیسری جہت:یہ کہ سیاق کے انعقاد کو مختل کرنے کاایک اور سبب پیغمبر اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات اور آیہء تطہیر کے ضمیروں میں پا یا جا نے والا اختلاف ہے۔مجموعی طورپر مذکورہ آیات میں جمع مونث مخاطب کی ۲۲ضمیریں ہیں۔ان میں سے۲۰ضمیریںآیہء تطہیرسے پہلے اوردو ضمیریںآیہء تطہیر کے بعداستعمال ہوئی ہیں،جبکہ آیہء تطہیر میں مخاطب کی دو ضمیریں ہیں اوردونوں مذکر ہیں۔اس اختلاف کے پیش نظر کیسے سیاق محقق ہوسکتا ہے؟

اعتراض:آیہء تطہیرمیں ''عنکم''اور ''یطھّرکم''سے مراد صرف مرد نہیں ہیں،کیونکہ عورتوں کے علاوہ خود پیغمبر صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم علی،حسن وحسین (علیہم السلام) بھی اس میں داخل تھے۔اس لئے ''کم''کی ضمیر آئی ہے اورعربی ادبیات میں اس قسم کے استعمال کو ''تغلیب''کہتے ہیں اوراس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی حکم کا ذکرکرنا چاہیں اوراس میں دوجنس کے افراد شامل ہوں،تو مذکر کو مونث پر غلبہ دے کر لفظ مذکر کو ذکر کریں گے اوراس سے دونوں جنسوں کا ارادہ کریں گے۔

اس کے علاوہ،مذکرکی ضمیرکا استعمال ایسی جگہ پر کہ جہاں مونث کا بھی ارادہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں اور بھی جگہوں پر دیکھنے میں آیا ہے،جیسے درج ذیل آیات میں(قالو أ تعجبین من أمراللہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم أھل البیت)[۱]کہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی زوجہ سے خطاب کے بعد جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اہل بیت کا عنوان ذکر ہوا ہے۔ (قال لاہلہ امکثوا)[۲]کہ حضرت موسی علیہ اسلام کے اہل خاندان (کہ جس سے

۱۔ ہود،۷۳

۲۔قصص،۲۹

مرادان کی زوجہ ہے) کے ذکرکے بعد ضمیرجمع مذکر حاضر کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

جواب: ہر کلام کا اصول یہ ہے کہ الفاظ کو اس کے حقیقی معنی پر حمل کیا جائے اور، ''اصالۃ الحقیقۃ''ایک ایسا عقلائی قاعدہ ہے کہ جس کے ذریعہ ہر لغت وزبان کے محاورات و مکالمات میں استناد کیا جاتاہے۔

اس عقلائی قاعدے کی بنیاد پر جس لفظ کے بارے میں یہ شک پیدا ہو کہ وہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں، اسے اس کے حقیقی معنی پر حمل کرنا چاہے۔ اس لحاظ سے آیۂ تطہیر میں دو جگہ پراستعمال ہوئی ''کم''کی ضمیرسے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں اور یہ کہ آیہ شریفہء مذکور میں تمام افراد اہلبیت مذکر تھے، صرف قرینہ خارجی اور آیت کی ذیل میں روایت کی گئی احادیث کی وجہ سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی فہرست میں حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں، اور ان کے علاوہ کوئی مونث فرد اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔ اور آیہ شریفہ میں قاعدۂ ''اقرب المجازات''جاری ہوگا۔

لیکن شواہد کے طور پر پیش کی گئی آیات میں قرینہ کی وجہ سے مونث کی جگہ ضمیر مذکر کا استعمال ہوا ہے اوریہ استعمال مجازی ہے اور ایک لفظ کا مجازی استعمال قرینہ کے ساتھ دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ قرینہ کے بغیر بھی یہ عمل انجام دیا جائے اور جیسا کہ کہا گیاکہ اصل استعمال یہ ہے کہ لفظ اس کے حقیقی معنی میں استعمال ہواور ایسا نہ ہونے کی صورت میں قاعدہ ''اقرب المجازات''کی رعایت کی جانی چاہئے۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث

شیعہ اور اہل سنت کے منابع میں بڑی تعداد میں ذکر ہونے والی احادیث سے واضح طور پریہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آیہ تطہیر میں ''اہل بیت''سے مراد صرف پنجتن پاک(علیہم السلام) ہیں اور ان میں پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویاں کسی جہت سے شامل نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں مذکورہ

منابع میں اتنی زیادہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ حاکم حسکانی۱نے اپنی کتاب "شواہد التنزیل" کے صفحہ ۱۸سے لیکر ۱۴۰تک انہی احادیث سے مخصوص کیا ہے۔۲ہم ذیل (حاشیہ) میں اہل سنت

۱۔ذہبی،تذکرۃ الحفاظ،ج۲،ص۲۰۰اپر کہتا ہے:حاکم حسکانی علم حدیث کے کامل عنایت رکھنے والاایک محکم اور متقن سند ہے۔

۲۔ اسد الغابۃ،ج۵ص۵۲۱،داراحیاء التراث العربی بیروت، الاصابۃ،ج۲،ص۵۰۹،دارالفکر، اضواء البیان ،ج۶،ص۵۷۸،عالم الکتب بیروت، انساب الاشراف،ج۲،ص۳۵۴،دارالفکر، بحار الانوار،ج۳۵،از ص۲۰۶،باب آیۃ تطہیر تاص۲۳۲ مؤسسۃ الوفاء بیروت، تاریخ بغداد ،ج۹،ص۱۲۶،وج۱۰،ص۲۷۸،دارالفکر، تاریخ مدینہ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۳و ۲۰۶و۲۰۷وج۱۴،ص۱۴۱و ۱۴۵، تفسیر ابن ابی حاتم ،ج۹،ص۳۱۲۹،المکتبۃ المصریۃ بیروت، تفسیر ابی السعود،ج۷،ص۱۰۳،داراحیاء التراث العربی بیروت، تفسیر البیضاوی،ج۳،ص۳۸۲ ،دارالکتاب العلمیۃ، تفسیر فرات الکوفی،ج۱،ص۳۳۲ تا ۳۴۲،مؤسسۃ النعمان، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر،ج۳،ص۵۴۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت، تفسیر اللباب ابن عادل دمشقی،ج۱۵،ص۵۴۸، دارالکتاب العلمیۃ بیروت، تفسیر الماوردی،ج۴،ص۴۰۱،دارالمعرفۃ بیروت، التفسیر المنیر،ج۲۳،ص۱۴،دارالفکر المعاصر، تہذیب التہذیب،ج۲،ص۲۵۸،دارالفکر، جامع البیان، طبری،ج۲۲،ص۵،دارالمعرفۃ بیروت، جامع احکام القرآن، قرطبی،ج۱۴،ص۱۸۳،دارالفکر، الدار المنثور،ج۶،ص۶۰۴،دارالفکر، ذخائر العقبی،ص۲۱تا۲۴، روح البیان،ج۷،ص۱۷۱،داراحیاء التراث العربی، روح المعانی، آلوسی،ج۲۲،ص۱۴،دار احیاء التراث العربی،الریاض النضرۃ،ج۲(۴۔۳)،ص۱۳۵،دار الندوۃ الجدیدۃ بیروت، زاد المسیر، ابن جوزی،ج۶،ص۱۹۸، دارالفکر، سنن الترمذی،ج۵،ص۳۲۸۔۳۲۷و ۶۵۶، دارالفکر، السنن الکبری ، بیھقی، ج ۲ ، ص۱۴۹، دارالمعرفۃ بیروت، سیر اعلام النبلاء، ذہبی،ج۳،ص۲۵۴و ۲۸۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، شرح السنۃ بغوی،ج۱۴،ص۱۱۶،المکتب الاسلامی بیروت، شواہد التنزیل،ج۲،ص۱۸۔۱۴۰، موسسۃ الطبع و النشر لوزارۃ الارشاد، صحیح ابن حبان،ج۱۵،ص۴۴۲ الی

۴۴۳، موسسۃ الی سالۃ بیروت، صحیح مسلم، ج۵، ص۳۷، کتاب الفضائل باب فضائل ، مؤسسۃ عزالدین بیروت، فتح القدیر، شوکانی، ج۴، ص۳۴۹تا۳۵۰، دار الکتاب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین، جوینی، ج۱، ص۳۶۷، مؤسسۃ المحمودی بیروت، کفایۃ الطالب، ص۳۷۱تا۳۷۷، داراحیاء تراث اہل البیت، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۶۶۔۱۶۹، دارالکتب العربی بیروت، المستدرک علی الصحیحین ، ج۲، ص۴۱۶و ج۳، ص۱۴۷، دارالمعرفۃ بیروت، مسند ابی یعلی، ج۱۲، ص۳۴۴و۴۵۶، دارالہامون للتراث، مسند احمد، ج۴، ص۱۰۷و ج۶، ص۲۹۲، دار صادر بیروت، مسند اسحاق بن راہویہ، ج۳، ص۶۷۸، مکتبۃ الایمان مدینۃ المنورۃ، مسند طیالسی، ص۲۷۴، دارالکتب اللبنانی، مشکل الآثار، طحاوی، ج۱، ص۳۳۵، دارالباز، المعجم الصغیر، طبرانی، ج۱، ص ۱۳۵، دارالفکر، المعجم الاوسط، طبرانی، ج۲، ص۴۹۱، مکتبۃ المعارف ریاض، المعجم الکبیر، طبرانی، ج۲۳، ص۲۴۵و۲۸۱و۲۸۶و۳۰۸و۳۲۷و۳۳۰و۳۳۳و۳۳۴و۳۳۷و۳۵۷و۳۹۳و۳۹۶، المعرفۃ و التاریخ بسوی، ج۱، ۳۹۸، المنتخب من مسند عبد بن حمید، ص۱۷۳ و ۳۶۷، عالم الکتب قاہرہ مناقب ابن مغازلی، ص۳۰۱۔۳۰۲، المکتبۃ الاسلامیۃ کے بعض منابع کا ذکرکرتے ہیں کہ جن میں مذکورہ احادیث یا درج ہو ئی ہے یاان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان احادیث کے راویوں کا سلسلہ جن اصحاب پرمنتہی ہو تا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام

۲۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔ حسن بن علی علیہ السلام

۴۔ انس بن مالک

۵۔ براء بن عازب انصاری

۶۔ جابربن عبد اللہ انصاری

۷۔	سعد	بن	ابی وقاص

۸۔ سید بن مالک (ابو سعید خدومی)

۹۔	عبد	اللہ بن	عباس
۱۰۔	عبداللہ	بن	جعفر طیار
۱۱۔			عائشہ
۱۲۔		ام	سلمہ
۱۳۔	عمر بن	ابی	سلم
۱۴۔	واثلۃ	بن	اسقع
۱۵۔		ابی	الحمراء

اس کے علاوہ شیعوں کی حدیث اور تفسیر کی کتابوں اور بعض اہل سنت منابع میں درج کی گئی احادیث اور روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ '' اہل بیت ''سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی، فاطمہ نیز شیعوں کے گیارہ ائمہ معصومین (علیہم السلام)ہیں۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث کی طبقہ بندی

آیہ تطہیر سے مربوط احادیث کو اہل سنت کے مصادر میں مطالعہ کرنے اور شیعوں کے منابع میں موجود ان احادیث کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انھیں چند طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ حدیثیں جن میں '' اہل بیت '' کی تفسیر علی و فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے ذریعہ کی گئی ہے۔

۲۔ وہ حدیثیں جن کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، وفاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہ تطہر نازل ہوئی، اور یہ واقعہ '' حدیث کساء '' کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے بعض احادیث میں آیا ہے کہ ام سلمہ یا عائشہ نے

سوال کیا کہ : کیا ہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟

۳۔ وہ حدیثیں جن میں پیغمبر اکرم ﷺ ہر روز صبح کو یا روزانہ پانچوں وقت حضرت علی و فاطمہ علیہا السلام کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے تھے اور سلام کر تے تھے نیز آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔

۴۔ وہ حدیثیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک علیہم السلام یا پنجتن پاک علیہم السلام نیز جبرئیل و میکائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

یہاں پرمناسب ہے کہ احادیث کے مذکورہ چارطبقات میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاے:

۱۔ ''اہل بیت''کی پنجتن پاک سے تفسیر

ذیل میں چند ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں آیہء تطہیر میں ''اہل بیت''کی تفسیر پنجتن پاک(علیہم السلام)سے کی گئی ہے:

الف:کتاب ''المستدرک علی الصحیحین''میں عبداللہ بن جعفر سے روایت کی گئی ہے:

لما نظر رسول اللہ ﷺ إلی الرحمۃ ہابطۃ قال: أدعوالی، أدعوالی۔ فقالت صفیۃ: من یا رسول اللہ؟ قال:أہل بیتی:علیاً وفاطمہ والحسن و الحسین علیہم السلام فجیئ بہم،فألقی علیہم النبیّ ﷺ کساءہ ثم رفع یدیہ ثمّ قال: ''اللّھمّ ہؤلاء آلی فصل علی محمد و علی آل محمد'' و أنزل اللہ عزّوجلّ:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اھل البیت و یطہرکم تطہیراً) ہذا حدیث صحیح الاسناد۔ ۱

''جب پیغمبر خدا ﷺ نے رحمت الہی (جو آسمان سے نازل ہوئی تھی) کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ!میرے پاس بلاؤ!صفیہ نے کہا:یارسول اللہ کس کو بلاؤں؟آپ نے فرمایا:میرے اہل بیت،علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام)کو۔ جب ان کو بلایا گیا،تو پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی کساء (ردا)کوان پر ڈال دیااوراپنے ہاتھ پھیلاکر یہ دعا کی:خدایا!''یہ میرے اہل بیت ہیں۔محمد اور ان کے اہل بیت پر دورد ورحمت نازل کر۔''اس وقت خدا وند متعال نے آیہء شریفہ(إنما یرید اللہ۔۔۔)نازل فرمائی۔

اس حدیث کے بارے میں حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:

''ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔''

''اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ بخاری اورمسلم نے اپنی صحیحین میں سے نقل نہیں کیا ہے۔''[1]

قابل غوربات ہے کہ حاکم نیشاپوری کا خود اہل سنت کے حدیث ورجال کے بزرگ علماء اور امام میں شمار کیا جاتا ہے ۔

ب:عن ابی سعید الخدری عن أم سلمۃ قالت: ''نزلت ہذہ الآیۃ فی بیتی: (إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل الیت و یطہرکم تطہیراً) قلت: یا رسول اللہ، ألست من أہل الیت؟ قال: إنک إلی خیر، إنک من أزواج رسول اللہ ﷺ۔ قالت: و أہل الیت رسول اللہ و علیّ و فاطمۃ والحسن والحسن'' [2]

''ابی سعیدخدری نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا:یہ آیت:)إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرّجس اہل الیت و یطہرکم تطہیرا) میرے گھر میں نازل ہوئی میں نے عرض کی یارسول اللہ!کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟فرمایا:تمھارا انجام بخیر ہے،تم رسولؐ کی بیوی ہو پھرام سلمہ نے کہا:''اہل بیت''رسول اللہ ﷺ علی و فاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) ہیں۔

[1]۔حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین''میں ان ا حادیث کودرج کیا ہے جو بخاری وسلم کے نزدیک صحیح ہونے کی شرط رکھتی تھیں،لیکن انہوں نے انھیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا ہے۔جو کچھ ذہبی اس حدیث

کے خلاصہ کے ذیل میں۔ اس کے ایک راوی ۔ ملیکی کے بارے میں کہتا ہیں کہ: ''قلت: الملیکی ذاھب الحدیث''اس کے عدم اعتماد کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔کیونکہ اس کے بارے میں جیسا کہ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب''ج۶،ص۱۳۲ پر ''ساجی''سے نقل کر کے ''صدوق'' کی تعبیرکی ہے۔ اس کی صداقت اور سچ کہنے کی دلیل ہے۔اوراس کی مدح میں جوتعبیرات نقل کی گئی ہے وہ اس کی حدیث کے بارے میں ہے اورخود صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہم بہت سے ابواب میں ان کے راویوں کوپاتے ہیں کہ بہت سی تعرفیں کی گئی ہیں۔

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۶

۲۔آیہء تطہیر کی تفسیرمیں حدیث کساء کی تعبیر

شیعہ اور اہل سنت کی تفاسیر و احادیث کی کتابوں میں اس مضمون کی فراون حدیثیں موجود ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کو ایک کساء کے نیچے جمع کیا اور اس کے بعد ان کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم اس کتاب میں ان احادیث میں سے چند ایک کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قابل توجہ بات ہے کہ شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کساء ایک خاص اہمیت و منزلت کی حامل ہے۔ یہ حدیث مرحوم بحرانی کی کتاب،''عوالم العلوم''میں حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) سے روایت کی گئی ہے اور مختلف زمانوں میں شیعوں کے نامور علماء اور فقہا کے نام سے مزّین اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ نیز یہ حدیث شیعوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پڑھی جاتی ہے اور توسّل اور تبرّک کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

احادیث کے اس گروہ میں درجہ ذیل تعبیریں توجہ کا باعث ہیں اور ان تعبیروں میں سے ہر ایک ''اہل بیت'' کے دائرے کو پنجتن پاک (علیہم اسلام) کی ذات میں متعین کرتی ہیں :

ا۔''إنک الی خیر'' یا جملہء''انک من ازواج النبیّ'' سے ضمیمہ کے ساتھ۲

۲۔ ''تنحّی، فإنک علی خیر۔''۳

۳۔ ''فجذبہ من یدی۔''۴

۴۔ ''ماقال إنک منِ ہل الیت۔''۵

۵۔ ''لاوأنت علی خیر۔''۶

۱۔ عوام العوم، جلد حضرت زہراء علیہاسلام۔ ج۱۱،ص ۶۳۸موسسہ الامام مھدی علیہ اسلام

۲۔الدر المنثور،ج۶،ص۶۳۸،موسسۃ الامام مھدی

۳۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۴۹۳

۴۔الدر المنثور،ج۶،ص۱۶۰۴۔المعجم الکبیرج۲۳،ص۳۳۶ ۵۔تاریخ مدینتدمشق ج۱۴،ص۱۴۵ ۶۔تاریخ مدینتدمشق،ج۱۳،ص۲۰۶

۶۔ ''فواللہ ماأنعم۔''۱

۷۔ ''مکانک،أنت علی خیر۔''۲

۸۔ ''فوددت أنّہ قال:نعم۔۔۔''۳

۹۔ ''تنحّ لی عن أہل بیتی۔''۴

۱۰۔ ''إنک لعلی خیر،ولم ید خلنی معہم۔''۵

۱۱۔ ''فواللہ ماقال:أنت معہم۔''۶

۱۲۔ ''اجلسی مکا نک،فانک علی خیر۔''۷

۱۳۔ ''إنک لعلی خیر،وہؤلاء أہل بیتی۔''۸

۱۔ ''إنک إلی خیر''کی تعبیر

''أخرج ابن جریر و ابن حاتم و الطبرانی و ابن مردویه عن أمّ سلمة زوج النبیّ صلی الله علیه وآله وسلم إن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان بیتها علی منامة له علیه کساء خیبریّ! فجاء ت فاطمة رضی الله عنها ببرمة فیها خزیره۔ فقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: أدعی زوجک و ابنیک حسناً و حسیناً۔ فدعتهم، فبینما هم یأکلون إذنزلت علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: (إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت و یطهرکم تطهیراً) فأخذ النبیّ صلی الله علیه وآله وسلم بفضلة ازاراه فغشاهم إیّاها، ثمّ أخرج یده من الکساء و أومابها إلی السماء ثمّ قال: ''اللّهمّ هؤلاء

۱۔ تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۲، تفسیر طبری ج۲۲،ص۵

۲۔تاریخ مدینتہ دمشق،ج۱۴،ص۱۴۱ ۳۔ مشکلا آثار،ج۱،ص۳۳۶ ۴۔تاریخ مدینتہ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۳ ۵۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۶۱ ۶۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۱۳۴

۷۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۱۹ ۸۔المستدرک علی الصحیحین،ج۲،ص۴۱۶

أهل بیتی و خاصّتی، فأذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیراً''، قالها ثلاث مرّات۔ قالت أمّ سلمة رضی الله عنها: فأدخلت رأسی إلی الستر فقلت: یا رسول الله، و أنا معکم؟ فقال: ''إنک إلی خیر''مرّتین۔''[۱]

اس حدیث میں،حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے توسط سے ایک کھانا حاضر کرنے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے ہیں کہ تم اپنے شوہر علی اوراپنے بیٹے حسن وحسین علیہم السلام کو بلاؤ اور وہ حضرات تشریف لاتے ہیں۔کھانا تناول کرتے وقت آیہء تطہیر نازل ہوتی ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:''خداوندا!یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں۔تو ان سے ہر طرح کی برائی کو دورکر اورانھیں پاک وپاکیزہ رکھ۔ام سلمہ کہتی ہیں:میں نے بھی سر اٹھاکر کہا: یارسول اللہ کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہوں؟حضرت نے دومر تبہ فرمایا:تم نیکی پر ہو۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر اس آیہء شریفہ کے مطابق حضرت ام سلمہ ''اہل بیت''میں ہوتیں،توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراحتاً انھیں مثبت

جواب دیتے۔ لیکن قرآن مجید میں موردتائید قرار پایا گیاآپکا خلق عظیم ہرگزآپکو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ ام سلمہ کو صراحتاً منفی جواب دیں۔ مذکورہ جملہ جو متعدد احادیث میں آیا ہے،اس نکتہ کے پیش نظر پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویوں کے ''اہل بیت'' کے دائرہ سے خارج ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۱۔ الدرّ المنثور، ج۶،ص۶۰۳،دار الفکر

۲۔ ''تنحی فإنک الی الخیر'' کی تعبیر ''عن العوام یعنی ابن حوشب، عن ابن عم له قال: دخلت مع أبی علی عائشة۔۔۔ فسألتها عن علیؑ۔۔۔ فقالت: تسألنی عن رجل کان من أحب الناس إلی رسول الله ﷺ وکانت تحته ابنته وأحب الناس إلیه۔ لقد رأیت رسول الله ﷺ دعا علیاً و فاطمه و حناً و حسیناً رضی الله عنهم فألقی علیهم ثوباً۔ فقال: اللّهم هؤلاء أهل بیتی، فأذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیراً۔ قالت: فدنوت منهم و قلت: یا رسول الله، و أنا من أهل بیتک؟ فقال ﷺ: تنحی، فإنک علی خیر۔''۱

''عوام بن حوشب نے اپنے چچازاد بھائی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے باپ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے علی کے بارے میں سوال کیا۔ عائشہ نے کہا: تم مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو، جو پیغمبر خدا ﷺ کے

نزدیک محبوب ترین فردہے۔پیغمبراکرم ﷺ کی عزیز ترین بیٹی ان کی شریک حیات ہے۔ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ آپؐنے علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام)کو بلایا اوران کے اوپر ایک کپڑے سے سایہ کیا اورفرمایا:خدا وندا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔ان سے برائی کو دور رکھ اورانھیں خاص طور سے پاک وپاکیزہ قرار دے۔عائشہ نے کہا:میں ان کے نزدیک گئی اورکہا:یارسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟فرمایا:تم خیرونیکی پر ہو۔''

۱۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۲۹۳،دارالمعرفۃ،بیروت

۳۔''فجذبہ من یدی''کی تعبیر

''۔۔۔عن أم سلمۃ أن رسول اللہ ﷺ قال لفاطمۃ: ایتینی بزوجک و ابنیہ۔ فجائت بہم، فألقی رسول اللہ ﷺ علیہم کساء فدکیاً ثم وضع یدہ علیہم ثمّ قال: اللّٰھمّ إن ہؤلاء اہل محمد و فی لفظ آل محمد ، فاجعل صلواتک و برکاتک علی آل محمد، کما جعلتہا علی آل ابراھیم إنک حمید مجید۔ قالت أم سلمۃ۔۔۔: فرفعت الکساء لأدخل معہم، فجذبہ من یدی و قال: إنک علی خیر۔''۱

''ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فاطمہ (سلام اللہ علیہا)سے فرمایا:اپنے شوہراوربیٹوں کومیرے پاس بلاؤ۔فاطمہ (سلام اللہ علیہا)نے انھیں بلایا۔پیغمبر خدا ﷺ نے فدکی کساء(ایک لباس جو فدک میں بنا تھا)کوان پر ڈال دیااوراس کے بعد اپنا ہاتھ ان پر رکھ کر فرمایا:

خدا وندا!یہ آل محمدؐ ہیں۔تو ان پر درود وبرکتوں کا نزول فرما،جس طرح آل ابراھیم پر نازل فرمایا ہے،بیشک تو لائق حمد و ستائش ہے۔ ام سلمہ نے کہا:میں نے کساء کا سرا اٹھایا تاکہ زیر کساء ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤں۔پس پیغمبر ﷺ نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا:تم خیر ونیکی پر ہو۔''

۴۔''ماقال:إنک من اھل الیت''کی تعبیر

''عن عمرة بنت أفعیٰ قالت: سمعت أم سلمة تقول: نزلت ہذہ

ا۔الدر المنثور ج۶،ص۶۰۴،دارالفکر۔المعجم الکبیر،ج۲۳،ص۳۳۶

الآیة فی بیتی: (إنّمایرید اللہ۔۔۔) و فی البیت سبعة: جبریل و میکائیل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی و فاطمہ و الحسن و الحسین۔ قالت: و أنا علی باب البیت۔ فقلت: یا رسول اللہ، ألستُ من أہل البیت؟ قال: (إنک علی خیر! إنک من أزواج النبی''وماقال: ''إنک من أہلالبیت''[1]

''عمرہ بنت افعی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ام سلمہ سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں: یہ آیت انمّا یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت (...میرے گھرمیں اس وقت نازل ہوئی، جب گھر میں سات افراد تھے: جبرئیل، میکائیل، پیغمبرخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام)۔ام سلمہ نے کہا: میں گھر کے دروازہ کے پاس کھڑی تھی اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو، تم پیغمبر کی بیویوں میں سے ہو''اور آپ نے نہیں فرمایا: ''تم اہل بیت میں سے ہو۔''

۵۔''لا، وانت علی خیرہ''کی تعبیر

''عن عطیة، عن أبي سعید، عن أمّ سلمة أن النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غطّی علی علیّ و فاطمہ و حسن و حسین کساء، ثمّ قال: ہؤلاء أہل بیتی، إلیک لا إلی النار. قلت امّ سلمة: فقلت: یا رسول اللہ، و أنا معہم؟ قال: لا، وأنت علی خیر''[2]

ا مشکل الآثار، ج۱، ص۳۳۳، دارالباز۔ تاریخ مدینة دمشق ج ۱۴، صفحہ ۱۴۵ دارالفکر

۲ تاریخ مدینة دمشق، ج۱۳، ص۲۰۶، دارالفکر۔ حدیث کی سندیوں:

أخبرنا أبو عبد اللہ الفراوی و أبو المظفر القشیری، قالا: أنا أبوسعد الادیب، أنا أبو عمرو بن حمدان، و أخبرتنا أمّ المجتبی العلویہ، قالت: قریء علی إبراہیم بن منصور أنا أبوبکر بن المقریء قالا: أنا أبویعلی، نا محمد بن اسماعیل بن أبي سمینة، نا عبداللہ بن داوود، عن فضیل عن عطیة.

عطیہ،ابی سعید،ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کساء کو علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام پر ڈال دیااور فرمایا:خداوندا یہ میرے

اہل بیت ہیں تیری بارگاہ میں نہ کہ آگ کی طرف۔ام سلمہ نے کہا:میں نے کہا یارسول اللہ!کیامیں بھی ان کے ساتھ(اہل بیت میں شامل)ہوجاؤں؟فرمایا:نہیں تم نیکی پر ہو۔''

سند حدیث کی تحقیق:

''ابو عبداللہ فراوی محمدبن فضیل بن احمد'' ذہبی کا اس کے بارے میں کہنا ہے:''شیخ ، امام، فقہ، مفتی، مسند (علم حدیث کے معروف عالم) خراسان اور فقیہ حرم'' سمعانی کہتے ہیں: میں نے عبدالرشید طبری سے مرومیں سنا کی وہ کہتے تھے: الفراوی ہزار راویوں کے برابر ہے۔ (سیر اعلام النبلاءج ۱۸، ص۳۷موسسہ الرسالہ) ''ابوسعد ادیب کنجرودی''، ذہبی اس کے بارے میں کہتے ہیں: شیخ، فقیہ،امام،ادیب، نحوی طیبب، مسند خراسانی(سیراعلام النبلاء، ج۱۸، ص ۱۰۱) سمعانی اس کے بارے میں کہتے ہیں: '' وہ ادیب، فاضل، عاقل، خوش رفتار، باوثوق اورسچاتھا''(الانساب ،ج۵، ص۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔)

''ابو عمرو بن حمدان'' ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے:'' شیخ صالح ، قابل وثوق ہے (سیراعلام النبلاء، ج۱۸،ص۳۷)

''ابوبکربن المقری، محمد بن ابراھیم ''اس کے بارے میں ذھبی کہتے ہیں:شیخ حافظ اور سچا ہے''(سیراعلام النبلاء،ج۱۶،ص۳۹۸)

''ابویعلی''صاحب مسند،احمد بن علی بن مثنی،محدث موصل(سیراعلام النبلاء،ج۱۴،ص۱۷۴)

''محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ''ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابوحاتم وصالح بن محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد

ہے۔(تہذیب التہذیب،ج۹،ص۵۰،دارالفکر)

''عبداللہ بن داؤد''،مزی نے اس کے بارے میں محمد بن سعد سے طبقات میں نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور عابد تھا(تہذیب الکمال،ج۴،ص۴۵۸)

''فضل بن غزوان''،ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے:احمداور ابن معین نے کہاہے:وہ ثقہ ہے۔اورابن حبان نے ''کتاب الثقات''میں اس کا ذکر کیا ہے۔تہذیب التہذیب،ج۸،ص۲۶۷)''عطیہ(بن سعد)اس کے بارے میں تہذیب التہذیب ج۷،ص۲۰۰سے استفادہ ہوتا ہے کہ:وہ ابن سعد کی طرف سے قابل وثوق قرار پایا ہے۔اورابن معین نے(ایک روایت میں)اسے شائستہ جانا ہے اور علم رجال کے بعض علماء نے اس کی تعریفیں کی ہیں اوراس کی حدیثوں کی تائید کی ہے اس کا جرح کرنے والے جیسے نسائی جرح کرنے میں سخت گیر ہیں اہل سنت کے اہل فن ودرایت اور علم حدیث کے علماء جیسے تہانوی نے کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث''،ص۱۱۷ میں،اس قسم کی جرح کرنے والے افراد کونا قابل اعتبار جانا ہے اور عطیہ ان افراد میں سے ہیں کہ جنھیں امیرالمؤمنین علی بن ابیطالب کے خلاف سب وشتم سے انکار کرنے پر حجاج کی طرف سے چار سو کوڑے مارے گئے ہیں جودین کے معاملہ میں اس طرح ثابت قدم اورپائیدار ہو،وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے۔ممکن ہے اہل رجال کی اس کے بارے میں جرح و تنقیداس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

۶۔''فواللہ ما انعم''کی تعبیر

''۔۔۔عن الأعمش عن حکیم بن سعد قال:ذکرنا علیّ بن أبی طالب رضی اللہ عنہ عند أمّ سلمۃ!قالت:فیہ نزلت:(إنّما یرید اللہ۔۔۔)!

''قالت:أم سلمۃ:جاء النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی بیتی۔۔۔فجللّھم نبیّ اللہ بکساء۔۔۔فنزلت ھذہ الآیۃ۔۔۔فقلت:یارسول اللہ، وأنا؟ قالت:فواللہ ماأنعم، وقال:إنک إلی خیر۔''[1]

اس حدیث میں،پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب علی وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ام سلمہ نے سوال کیا :یارسول اللہ !کیا میں بھی ہوں ؟لیکن انھوں نے مثبت جواب نہیں سنا پریشان ہوئیں اوراپنی پریشانی کاان الفاظ میں اظہار کیا : ''فواللہ،ماأنعم''،یعنی:خدا کی قسم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نہیں فرمایا : ''ہاں''،بلکہ صرف یہ فرمایا : ''تم نیکی پر ہو۔''

تعبیر خیر''کی علی ''مکانک،انت ۔۔۔۔۔۔''عن شہر بن حوشب، عن أم سلمة:إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔أخذ ثوباً فجلّلہ علی علیّ وفاطمة والحسن والحسین۔ ثمّ قرأت ہذہ الآیة:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہّرکم تطہیراً)قالت:فجئت لأدخل معہم، فقال:مکانک،أنت علی

ا۔جامع البیان طبری،ج۲۲،ص۷،دارالمعرفة،بیروت۔ تفسیر ابنکثیرج۳ص۴۹۳،دارالمعرفة،بیروت

خیر''۱

اس حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں:پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی وفاطمہ،حسن و حسین(علیہم اسلام)کو ایک پارچہ کے نیچے قرار دیا اور اس کے بعد آیہ تطہیر ک قرات فرمائی۔ جب میں اس پارچہ کے نزدیک گئی تا کہ اس کے نیچے داخل ہو جاوں،توآنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: اپنی جگہ پر بیٹھی رہو،تم خیر و نیکی پر ہو۔

ا۔تاریخ مدینة دمشق،ج۱۴،ص۱۴۱،دارالفکر ۔اس حدیث کی سند یوں ہے: ''أخبرنا أبوطالب بن أبی عقیل: أنا أبو الحسن الخلعی: أنا أبو محمد النحاس:أنا أبوسعید بن الآعرابی:ناأبو سعید عبدالرحمن بن محمدبن منصور :ناحسین الآشقر:نا منصور بن أبی الآسود،عن الآعمش،عن حبیب بن

أبی ثابت ،عن شہر بن حوشب،عن أم سلمۃ۔۔۔''

سند کی تحقیق:''ابوطالب بن ابی عقیل بن عبدالرحمن ذہبی ''نے اسے ایک دیندار بزرگ جانا ہے۔(سیر اعلامالنبلاء،ج۲۰،ص۱۰۸،موسہتالرسالۃ)

''ابوالحسن الخلعی علی بن الحسین''ذہبی نے اس کی شیخ امام،فقیہ،قابل اقتداء اور مسند الدیار المصریۃ جیسے القاب سے تعریف کی ہے(سیر اعلام النبلاء،ج۱۹،ص۴۷)

''ابومحمد النحاس اورذہبی''کا اس کے بارے میں کہنا ہے:شیخ امام،فقیہ،محدث، سچا اورمسندالدیار المصریہ تھا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷،ص۳۱۳)

''ابو سعیدابن ا لآعرابی احمد بن محمدبن زیاد''اورذہبی نے اس کے بارے میں یہ تعبیرات استعمال کی ہیں:امام،محدث،قدوۃ(یعنی رہبری اور قیادت کے لئے شائستہ)سچا،حافظ اور شیخ الاسلام (سیر اعلام النبلاء ج۱۵،ص۴۰۷

''ابوسعید عبدالرحمن بن محمد بن منصور''ابن حبان نے کتاب الثقات ج۸،ص۳۸۳ موسہتالکتب الثقافیۃ میں اس کا نام لیا ہے۔

''حسین ا لآشقرالغزاری''ابن حبان نے اس کا نام کتاب الثقات میں لایا ہے ۔اور احمدبن حنبل نے اس کے بارے میں کہا ہے:وہ میرے نظر میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے اورابن معین سے اس کے سچے ہونے کے بارے میں سوا ل کیا ۔اس نے جواب میں کہا:جی ہاں(تہذیب التہذیب،ج۲ص۹۱ دارالفکر)

اس کے بارے میں بعض مذمتیں کی گئی ہیں،وہ اس کے مذہب کے بارے میں ہیں اورجحت نہیں ہیں۔''منصور بن ابی ا لآسود''ابن حجر نے اس توثیق(مورد اعتماد ہونے)کوابن معین سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں (مورد اعتماد افراد کے زمرہ میں ذکر کیا ہے۔(تہذیب التہذیب ،ج۱۰ ص۲۷۱،دارالفکر، ''الآعمش''کے موثق اورسچے ہونے میں کلام نہیں ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس سے کافیاحادیث نقل کی گئی ہیں اور

اس کی راستگوئی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہل سنت علمائے حدیث نے اس کے سچے ہونے کو مصحف سے تشبیہ دیدی ہے (تہذیب التہذیب ج۴،ص۱۹۶،دارالفکر

''حبیب بن ابی ثابت''،اس کے موثق اور راستگو ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور صحاح میں اس سے بہت ساری حدیثیں نقل ہوئی ہیں(تہذیب التہذیب ج۲،ص۱۵۶)

''شہر بن حوشب''،ابن حجر نے،معین،عجلی اور یعقوب بن شیبۃ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے موثق (قابل اعتماد وثوق) تعبیر کیا ہے(تہذیب التہذیب ج۴،ص۳۲۵،دارالفکر۔)

ایک دوسری حدیث میں یہ تعبیر نقل ہوئی ہے: ''أنت بمکانک وانت خیر''۱ایک اور تعبیر میں آیا ہے ''اجلسی مکانک،فانک علی خیر''۲ اپنی جگہ پر بیٹھی رہو،تم خیر پر ہو۔

۸۔''فوددت أنہ قال :نعم''کی تعبیر

''عن عمرۃ الھمدانیۃ قالت: أتیت أم سلمۃ فسلمت علیھا،فقالت: من أنت ؟ فقلت :عمرۃ: یا أم المومنین أخبرینی عن ھذا الرّجل الذی قتل بین اظھرنا، فمحب و مبغض۔ ترید علیّ بن أبی طالب۔ قالت أمّ سلمۃ:أتحبینہ أم تبغضینہ؟ قالت ما أحبہ ولا أبغضہ فأنزل اللّٰہ ھذہ الآیۃ (انما یرید اللّٰہ۔۔۔)إلی آخرھا، ومافی البیت إلا جبرئیل ورسول اللّٰہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وعلیّ وفاطمہ و الحسن والحسین۔ علیھم السلام۔ فقلت : یا رسول اللّٰہ،أنا من أھل البیت؟ فقال: إن لک عنداللّٰہ خیراً، فوددت أنہ قال: ''نعم'' فکان أحب إلی من تطلع علیہ الشمس و تغربہ''۳

''عمرہ ہمدانیہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا : میں ام سلمہ کی خدمت میں گئی اور ان سے سلام کیا: انھوں نے پوچھا : تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمرہ ہمدانیہ ہوں۔ عمرہ نے ام سلمہ سے کہا:اے ام المؤمنین،مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ بتایئے جسے کچھ مدت پہلے قتل کردیا گیا (مراد علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں) بعض لوگ انھیں دوست رکھتے ہیں اور بعض دشمن۔

ام سلمہ نے کہا: تم انھیں دوست رکھتی ہو یا دشمن؟ عمرہ نے کیا: میں نہ انھیں دوست

ا تاریخ مدینہ دمشق ،ج ۱۴،ص۱۴۵، دارالفکر ۲شواہد التنذیل، ج۲،ص۱۱۹

۳مشکل الا ثار،ج۱، ص۳۳۶، طبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ بالھند

رکھتی ہوں اور نہ دشمن (بظاہر یہاں پر آیہ تطہیر کے نزول کے بارے میں چند جملے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے بعد کی عبارت یہ

ہے) اور خداوند متعال نے یہ آیت (إنما یرید اللہ...)اس حالت میں نازل فرمائی کی جب گھر میں جبرئل، پیغمبر خدا ﷺ، علی

وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ: کیا میں اہل بیت میں ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے خدا کے پاس خیر و نیکی کی صورت

میں جزا ہے۔

میری آرزو یہ تھی کہ (میرے سوال کے جواب میں) آنحضرت ﷺ فرماتے: ''جی ہاں'' اور وہ میرے لئے اس سے بہتر

تھا جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔''

''فتنحّی لی عن أھل بیتی'' کی تعبیر

...''عن ابی المعدل عطۃ الطفاوي عن أبیہ، أن امّ سلمۃ حدثتہ قالت:بینا رسول اللہ ﷺ في بیتي، إذقال الخادم : إن علیاً وفاطمہ

بالسدۃ: قالت: فقال لي: قومیفتنحّي لیعن أھل بیتي ... فد خل عليّ و فاطمۃ و معھما الحنوا لحسین ... قالت: فقلت و أنا یا رسول اللہ؟ فقال:

وأنت''[1]

اس حدیث میں ام سلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا : رسول خدا ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ خادم نے کہا: علی

اور فاطمہ (علیہاالسلام) دروازہ پر ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور میرے اہل بیت سے دور ہو جاؤ اس کے بعد علی او

رفاطمہ حسن اور حسین (علیہم السلام) داخل ہوئے اور پیغمبر ﷺ نے

ا تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳،ص۲۰۳۔ ۲۰۲،دارالفکر

ان کے حق میں دعا کی: '' خدا وندا! میرے اہل بیت تیری طرف ہیں نہ کہ آگ کی طرف ''ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ ! میں بھی ؟فرمایا: تم بھی۔ واضح رہے کہ پیغمبر خدا ﷺ پہلے ام سلمہ کو (حدیث میں)اپنے اہل بیت کے مقابلہ میں قرار دیتے ہیں جو ان کے اہل بیت سے خارج ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے بعد انھیں دعا میں یعنی آگ سے دور رہنے میں شریک فرماتے ہیں۔

۱۰۔ ''إنک لعلی خیر، ولم ید خلنی معھم ''کی تعبیر

... ''عن العوام ین حوشب، عن جمیع: التیمی انطلقت مع امّي، إلی عائشۃ فد خلت أمّي، فذھبت لأدخل فحجتني، و سألتھا أمّي عن عليّ فقالت: ماظنک بر جل کانت فاطمۃ والحسن و الحسین إبناہ، و لقد رایت رسول اللہ التفع علیھم بثوب و قال: ''اللّھم ھولاء أھلیأذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً'' قلت: یا رسول اللہ، ألست من أھلک؟ قال: '' انک لعلی خیر''،''لم ید خلنیمعھم''۱

''جمیع تیمی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنی والدہ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا ... میری والدہ نے ان سے علی(علیہ السلام) کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا: تم کیا خیال کرتی ہو اس شخص کے بارے میں جس کی شریک حیات فاطمہ (علیہا السلام) اور جس کے بیٹے حسن و حسین (علیہما السلام) ہوں۔ میں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ نے ایک کپڑے کے ذریعہ ان پر سایہ کیا اور فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔ خداوندا! ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص

۱۔ شواھد التنزیل،ج۲،ص۶۲۔ ۶۱

طریقہ سے پاک و پاکیزہ قرار دے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ!کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو۔ اور مجھے ان میں داخل نہیں کیا۔

۱۱۔ ''فواللہ ما قال :انت معھم ''کی تعبیر

''۔۔۔عن أم سلمۃ۔۔۔ فجمعھم رسول اللہ حولہ و تحتہ کساء خیبریّ فجلّلھم رسول اللہ جمیعاً، ثمّ قال: اللّھمّ ہؤلاء أہل بیتی فأذہب عنھم الرجس وطہرہم تطہیراً۔ فقلت: یارسول اللہ،وأنا معھم؟ فواللہ ما قال: ''و أنت معھم'' و لکنہ قال: ''إنک علی خیر و إلی خیر'' فنزلت علیہ:(إنّما یرید اللہ۔۔۔)[1]

''اس حدیث میں بھی کہ جو ام سلمہ سے روایت ہے،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی و فاطمہ،حسن و حسین (علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قرار دیااوران کے حق میں دعاکی۔ام سلمہ نے کہا :یارسول اللہ!کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟(چونکہ مثبت جواب نہیں سنا اس لئے کہا :)خدا کی قسم آپ نے نہیں فرمایا : ''تم بھی ان کے ساتھ ہو''،لیکن فرمایا : ''تم نیکی پر ہواور نیکی کی طرف ہو''۔اس کے بعد آیہء (إنّما یریداللہ)نازل ہوئی۔''

۱۲۔إنک لعلی خیر،وھؤلاء اھل بیتی''کی تعبیر

''۔۔۔عن عطاء بن یسار،عن أمّ سلمۃ رضی اللہ عنھا أنھا قالت: فی بیتی نزلت ہذہ الآیۃ:(إنّما یرید اللہ۔۔۔) فأرسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی علی و فاطمۃ والحسن والحسین

[1]۔شواھد التنزیل،ج۲،ص۱۳۴۔۱۳۳

۔۔۔فقال: اللّھمّ ھؤلاء أھل بیتی۔ قالت أمّ سلمۃ: یارسول اللہ،ماأنا من أھل البیت ؟قال:إنک لعلی خیر،وھؤلاء أہل بیتی اللّھمّ أہلی أحق۔''ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری،ولم یخرجاہ۔[1]

یہ حدیث بھی ام سلمہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے علی وفاطمہ ،حسن وحسین(علیہم السلام)کو

بلاوا بھیجا اوران کے آنے کے بعد فرمایا:

خدا وندا! یہ میرے اہل بیت ہیں ۔ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟فرمایا: تم خیر و نیکی پر ہو اور یہ میرے اہل بیت ہیں۔خداوندا! میرے اہل بیت سزاوار تر ہیں۔

حدیث کو بیان کرنے کے بعد حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے: بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔

در علیؑ و فاطمہؑ پر آیہء تطہیر کی تلاوت

بعض حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز صبح یا روزانہ نماز پنجگانہ کے وقت در علی و فاطمہ (علیہما السلام) پر آکر آیہء تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔یہ حدیثیں بھی چند مختلف گروہوں میں منقسم ہیں کہ موضوع کے طولانی ہونے کے باعث ہم صرف ان کے عناوین کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ یہ کام ایک ماہ۲ تک جاری رہا اور بعض احادیث اس

۱۔المستدرک علی الصحیحین، تفسیر سورۂ احزاب ،ج۲،ص۴۱۶،دارالمعرفۃ،بیروت

۲۔مندابی داؤد طیالسی ،ص۲۷۴،دارالکتاب اللبنانی

کی مدت چالیس۱ روز، بعض چھ مہینے، ۲ بعض سات مہینے۳، بعض آٹھ مہینے۴، بعض نو مہینے۵، بعض دس مہینے اور بعض احادیث میں اس کی مدت سترہ مہینے۶ بتائی گئی ہے۔

ان احادیث کے بارے میں دو نکتے قابل توجہ ہیں:

۱۔یہ حدیثیں (کہ ہر ایک ان میں سے ایک خاص مدت کی طرف اشارہ کرتی ہے) ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہیں کیونکہ ہر صحابی جتنی مدت آنحضرت صلی للہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا، اس نے اسی مدت کو بیان کیا ہے اور احیاناً اگر ایک صحابی نے دو مختلف احادیث میں دو مختلف مدتیں بیان کی ہیں، تو ممکن ہے اس نے ایک مرتبہ کم مدت اور دوسری مرتبہ زیادہ مدت کا مشاہدہ کیا

ہوگا۔

مثلاً ابوالحمراء نے ایک حدیث میں مذکورہ مدت کو چھ مہینے اور دوسری حدیث میں سات مہینے اور تیسری حدیث میں آٹھ مہینے، یا دس مہینے یا سترہ مہینے کی مدت بیان کی ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہے۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کا اتنی طولانی مدت تک اس عمل کا پے درپے انجام دینا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ لفظ ''اہل بیت کہ''، جو اس وقت عرفی معنی میں استعمال ہوتا تھا اب اس کے جدید اور اصطلاحی معنی میں یعنی علی وفاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے لئے یا

۱۔ مجمع الزوئد ،ج۹،ص۲۶۴،ح۱۴۹۸۷،دارالفکر۔الدرالمنثور ج۶،ص۶۰۶شواہدالتنزیل ،ج۲،ص۴۴،موسۃ الطبع والنشر لوزرارۃ الارشاد الاسلامی

۲۔جامع البیان طبری، ج۲۲، ص۵۔۶، دارالمعرفۃبیروت۔ مجمع الزوائد، ہیثمی ،ج۹،ص۲۶۶،ح۱۴۹۸۵۔انساب الاشراف،ج۲،ص۳۵۴۔۳۵۵ دارالفکر،المنتخب من مسند احمد،ج ۳،ص۴۹۲،دارالمعرفۃبیروت اوردوسری کتابیں۔

۳۔جامع البیان ،طبری،ج۲۲،ص۶،دارالمعرفۃبیروت۔ تفسیر ابن کثیر،ج۳ ص۲۹۲،دارالمعرفۃبیروت۔فتح القدیر،ج۴،ص۳۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

۴۔الدرالمنثور،ج۵،ص۶۱۳،وج۶،ص۶۰۶،دارالفکر۔

۵۔المنتخب من مسند بن حمید،ص۱۷۳،عالم الکمکتب۔ذخائر المقبی ص۲۵،موسۃالوفاء،بیروت۔الدرالمنثور،ج۶،ص۶۰۲،دارالفکر۔شوحدالتنزیل، ج۲،ص۲۷

۶۔ مجمع الزوائد،ج۹،ص۲۶۷،ح۱۴۹۸۶،دارالفکر،شواحد التنزیل ،ج۲،۸۷

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیمہ کے ساتھ استعمال ہوکر در حقیقت ایک نئی حالت پیدا کرچکا ہے۔اس لفظ کے بارے میں

یہ انتہائی مہم نکتہ آیہء تطہیر کے ذیل میں بیان کی گئی تمام احادیث مثلاًحدیث ثقلین وحدیث سفینہ اوران جیسی دوسری حدیثوں میں بہت زیادہ روشن و نمایاں ہے۔

آیہء تطہیر کا پنجتنپاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہونا

احادیث کا ایک اورگروہ ہے جن میں آیہء تطہیر کے نزول کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض احادیث میں یہ مطلب خود پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے،جیسے یہ حدیث:

''۔۔۔عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزلت ہذہ الآیۃ فی خمسۃ:فیّ وفی علی وحسن وحسین وفاطمۃ۔۔۔(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم وتطہیراً)[1]

۱۔جامع لبیان،طبری،ج۲۲،ص۵،دارالمعرفۃ۔بیروت میں اس حدیث کی سند یوں ہے:حدثنی محمد بن المثنی قال:ثنابکر بن یحیی بن زبان العنزی قال:ثنا(حدثنا) مندل،عن الآعمش عن عطیۃ عن أبی سعید الخدری۔

اس سند میں ''بکر بن یحیی بن زبان'' ہے۔چنانچہ ان کا نام تہذیب التہذیب،ا،ص۴۲۸ دارالفکر،میں درج ہے۔ابن حبان نے اسے ''کتاب ا لثقات''(جس میں ثقہ راوی درج کئے گئے ہیں)میں درج کیا ہے۔

ابن حجر نے ''مندل''(بن علی) کے بارے میں تہذیب التہذیب،ج۱۰،ص۲۶۵،میں ذکر کیا ہے کہ یعقوب بن شیبہ اوراصحاب یحیی(بن معین)اور علی بن مدینی نے اسے حدیث میں ضعیف جانا ہے جبکہ وہ خیر،فاضل اور راستگوہیں اوراسی کے ساتھ ساتھ وہ ضعیف الحدیث بھی ہیں۔اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جومتیں اس کے بارے میں ہوئی ہیں وہ اس کی احادیث کے جہت سے ہے اورجیسا کہ عجلی نے اس کے بارے میں کہا ہے،۔اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

حدیث کا ایک اورراوی ''اعمش''(سلیمان بن مہران) ے کہ اس کے موثق ہونے کے بارے میں رجال کی کتابوں میں کافی

ذکرآیا ہے،من جملہ یہ کہ وہ راستگوئی میں مصحف کے مانند ہے(تہذیب التہذیب،ج۴،ص۱۹۶،دارالفکر)

حدیث کا ایک اورراوی ''عطیہ بن سعد عرفی'' ہے کہ اس کے بارے میں ''لا و انت علی خیر'' کی تعبیر کی تحقیق کے سلسلہ میں بیان کی گئی۔

۔۔۔ابی سعید خدری سے رایت ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے فرمایا: یہ آیت پنجتن پاک(علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس سے مرادمیں،علی ،حسن،حسین اورفاطمہ (علیہم السلام)ہیں۔

دوسری احادیث میں بھی ابوسعید خدری سے ہی روایت ہے اس نے اس آیت کے نزول کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مربوط جانا ہے۔جیسے یہ حدیث:

''عن أبی سعید قال: نزلت الآیۃ فی خمسۃ نفر و سماہم (إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل الیت و یطہرکم تطہیراً) فی رسول اللہ و علیّ و فاطمۃ و الحسن و الحسین علیہم السلام''۱

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ اس نے کہا:آیہء (إنمایرید اللہ۔۔۔)پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے:رسول اللہ ﷺ علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام)''

ابوسعید خدری سے اورایک روایت ہے کہ (عطیہ نے)کہا:میں نے اس سے سوال کیا:اہل بیت کون ہیں؟(ابوسعید نے جواب میں)کہا:اس سے مراد پیغمبر ﷺ، علی وفاطمہ،حسن وحسین(علیہم السلام) ہیں۔۲

اس سلسلہ کی بعض احادیث ام سلمہ سے روایت ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جیسے مندرجہ ذیل حدیث:

''۔۔۔عن أم سلمۃ قالت: نزلت ہذہ الآیۃ فی رسول اللہ ﷺ و علیّ و فاطمۃ و حسن و حسین علیہم السلام :(إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل الیت ویطہرکم تطہیراً)۳

۱۔تاریخ مدینتہ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۶،دارالفکر

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۷،دارالفکر ۳۔تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱،ص۳۳۲

''ام سلمہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا:یہ آیت(آیہء تطہیر) پیغمبر خدا ﷺ علی و فاطمہ،حسن و حسین (علیھم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

آیہء تطہیر اوراس سے مربوط احادیث کے بارے میں دو نکتے

اس سلسلہ میں مزید دواہم نکتے قابل ذکر ہیں:

۱۔اب تک جوکچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ ''اہل بیت''میں ''بیت''سے مراد رہائشی بیت(گھر) نہیں ہے۔کیونکہ بعض افراد جیسے:ابی الحمراء، واثلہ،ام ایمن اورفضہ اس گھر میں ساکن تھے،لیکن ان میں سے کوئی بھی''اہل بیت''کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔

نیزاس کے علاوہ ''بیت''سے مراد نَسب بھی نہیں ہے ۔کیونکہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس اوران کے فرزند،جن میں بعض نَسب کے لحاظ سے علی علیہ السلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تھے وہ بھی اہل بیت میں شامل نہیں ہیں(البتہ عباس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ سوالات کے باب میں اس پر بحث کریں گے)۔

بلکہ اس بیت(گھر)سے مرادنبوت کا ''بیت''ہے۔کہ جس میں صرف ''پنجتن آل عبا داخل''ہیں اور وہ اس بیت(گھر)کے اہل اورمحرم اسرار ہیں۔اس سلسلہ میں آیہء شریفہ (فی بیوت اذن اللہ أن ترفع ویذکرفیھااسمہ)[۱]نور خدا ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خداکی طرف سے اجازت ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائےاوران میں خداکانام لیا جائے)کے ذیل میں بیان کی گئی سیوطی[۲]کی درجہ ذیل حدیث قابل توجہ ہے:

''أخرج ابن مردویہ عن أنس بن مالک و بریدہ قال: قرأ رسول اللہ ہذہ الآیۃ:(فی بیوت أذن اللہ أن ترفع) فقام إلیہ رجل

۲۔الدر المنثور،ج۶،ص۲۰۲،دار الفکر

فقال قال: أیّ بیوتِ ہذہ یا رسول اللہ؟ قال: بیوت الأنبیاء فقام إلیہ أبوبکر فقال: یا رسول اللہ ہذا البیت منہا؟ البیت علی وفاطمۃ؟ قال: نعم من أفا ضلہا۔''

''ابن مردویہ نے انس بن مالک اور بریدہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس آیت: (فی بیوت أذن اللہ ۔۔۔) کی قرأت فرمائی۔ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا: یہ جو بیوت (گھر) اس آیت میں ذکر ہوئے ہیں ان سے مراد کونسے گھر ہیں؟ پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا: انبیاء (علیہا السلام) کے گھر میں۔ابوبکر اٹھے اور کہا: یارسول اللہ! کیا ان میں علی و فاطمہ (علیہا السلام) کا گھر بھی شامل ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جی ہاں وہ ان سے برتر ہے۔''

۲۔ان احادیث پر غور و خوض کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں ایک حصر کا استعمال کیا گیا ہے اور وہ حصر، حصر اضافی کی ایک قسم ہے۔یہ حصر پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویوں اور آپکے دوسرے رشتہ داروں (جیسے عباس اور ان کے فرزندوں) کے مقابلہ میں ہے یہ حصر ان احادیث کے منافی نہیں ہے، جن میں اہل بیت سے مراد چودہ معصومین علیہم السلام یعنی پیغمبرؐ، علی وفاطمہ، حسن و حسین اور اور دوسرے نو ائمہ معصومین (علیہم السلام) کو لیا گیا ہے۔اول خود آیہ تطہیر کی دلیل سے کہ اس میں صرف (لیذھب عنکم الرجس ویطھرکم ۔۔۔) پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ موضوع کا عنوان ''اہل بیت'' قرار دیا گیا ہے۔ حدیث کساء میں صرف پنجتن پاک کا زیر کساء آنا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے ان کے لئے دعا کیا جانا اس بنا پر تھا کہ اس وقت اس محترم خاندان سے صرف یہی پانچ افراد موجود تھے ورنہ شیعوں کے تمام ائمہ معصومین علیہم السلام، من جملہ حضرت مہدی علیہ السلام ''اہل بیت'' کے مصداق ہیں۔

چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک حدیث میں اپنے آپ کو ''اہل بیت'' کا مصداق جانتے ہوئے آیہ

تطہیر سے استناد کیا ہے۔انیز شیعہ واہل سنت سے حضرت مہدی (عج) کے بارے میں نقل کی گئی بہت سی احادیث کے ذریعہ ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں شمار کیاگیا ہے۔۲

حدیث ثقلین (جس کے معتبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے نیز متواتر ہے)میں پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اوراپنے اہل بیت کے بارے میں فرمایا ہے:

''۔۔۔فانہا لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض ۳''

''یہ دو (قرآن مجیداوراہل بیت) ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک حوض کوثرپر مجھ سے ملیں گے۔''

اس بیان سے استفادہ ہوتا ہے قرآن مجید اور اہل بیت کے درمیان لازم و ملزم ہونے کا رابطہ قیامت تک کے لئے قائم ہے اور یہ جملہ اہل بیت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہرزمانے میں اہل بیت طاہرین میں سے کم ازکم ایک شخص ایسا موجود ہوگا کہ جو اقتداء اور پیروی کے لئے شائستہ وسزاوار ہو۔

اہل سنت کے علماء میں بھی بعض ایسے افراد ہیں کہ جنھوں نے حدیث ثقلین سے استدلال کرتے ہوئے اس مطلب کی تائید کی ہے کہ ہرزمانہ میں اہل بیت معصومین (ع)میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا۔۴

جن احادیث میں اہل بیت کی تفسیرچودہ معصومین(ع)سے کی گئی ہے،ان میں سے ہم

۱۔تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۳

۲۔کتاب منتخب الاثر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔حدیث کے مختلف طریقوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ''کتاب اللہ واہل الیت فی حدیث الثقلین''کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔جواہر العقدین،سمہودی،ص۲۴۴،دارالکتب العلمیہ البیروت۔ ''الصواعق المحرقۃ'' فصل ''اہل بیت حدیث ثقلین میں''ابن

حجر۔

ایک ایسی حدیث کو نمونہ کے طور پر پیش کررہے ہیں،جس کو شیعہااورسنی دونوں نے نقل کیا ہے:

ابراھیم بن محمد جوینی نے ''فرائد السمطین۲''میں ایک مفصل روایت درج کی ہے۔چونکہ یہ حدیث امامت سے مربوط آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دوسری کتابوں میں درج کی گئی ہے، اس لئے ہم یہاں پر اس سے صرف آیہء تطہیر سے مربوط چند جملوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت علی علیہ السلام مہاجر وانصار کے بزرگوں کے ایک گروہ کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنے اوراپنے اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی قرآن مجید کی چندآیتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں،من جملہ آیہء تطہیرکی طرف کہ اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے یوں فرمایا:

''۔۔۔أیہا الناس أتعلمون أن اللہ أنزل فی کتابہ:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت و یطہّرکم تطہیراً) فجمعنی و فاطمۃ و ابنیّ الحسن و الحسین ثمّ ألقی علینا کساء و قال: اللّہمّ ہؤلاء أہل بیتی و لحمی یؤلمنی ما یؤلمہم، و یؤذینی ما یؤذیہم، و یحرجنی ما یحرجہم، فأذہب عنہم الرجس و طہّرہم تطہیراً۔

فقالت أمّ سلمۃ: و أنا یا رسول اللہ؟ فقال: أنت إلی خیر إنّما أنزلت فی (و فی ابنتی) و فی أخی علیّ بن أبی طالب و فی ابنیَّ و فی تسعۃ من ولد ابنی الحسین خاصّۃ لیس معنا فیہا لأحد شرک۔

فقالوا کلّہم: نشہد أن أمّ سلمۃ حدّثتنا بذلک فسألنا رسول اللہ فحدّثنا کما حدّثتنا أمّ سلمۃ۔۔۔ا''

ا۔کمال الدین صدوق،ص۲۷۴

۲۔مؤلف اور کتاب کے اعتبار کے بارے میں تفسیر آیہء ''اولوالامر''کا آخر ملاحظ ہو۔

''اے لوگو!کیا تم جانتے ہو کہ جب خدا وند متعال نے اپنی کتاب سے آیہء:(إنّما یرید اللہ ۔۔۔) کو نازل فرمایا پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھے،فاطمہ اور میرے بیٹے حسن و حسین (علیہم السلام)کو جمع کیا اور ہم پر ایک کپڑے کا سایہ کیا اور فرمایا:خداوندا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی ہے جس نے ان پر سختی کی اس نے گویا مجھ پر سختی کی ۔(خدا وندا!)ان سے رجس کو دور رکھ اور انھیں خاص طور پر پاک وپاکیزہ قرار دے۔

ام سلمہ نے کہا:یارسول اللہ!میں بھی؟(رسول خدا ﷺ نے)فرمایا:تم خیر و نیکی پر ہو،لیکن یہ آیت صرف میرے اور میری بیٹی (فاطمہ زہرا)میرے بھائی علی بن ابیطالب(علیہ السلام) اور میرے فرزند (حسن و حسین علیہما السلام) اور حسین (علیہ السلام)کی ذریت سے نوائمہ معصومین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کوئی دوسرا اس آیت میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے ۔اس جلسہ میں موجود تمام حضار نے کہا:ہم شہادت دیتے ہیں کہ ام سلمہ نے ہمارے سامنے ایسی حدیث بیان کی ہے اور ہم نے خود پیغمبر ﷺ سے بھی پوچھا توانھوں نے بھی ام سلمہ کے مانند بیان فرمایا۔''

۱۔فرائد السمطین،ج۱،ص۳۱۶،موسہ المحمودی للطباعۃ والنشر،بیروت

آیہء تطہیر کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

اس بحث کے اختتام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آیہء تطہیر کے بارے میں کئے گئے چند سوالات کے جوابات پیش کریں:

پہلا سوال

گزشتہ مطالب سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیہ کریمہ میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے۔اگر ارادہ تکوینی ہوگا تو یہ دلالت کرے گا کہ اہل بیت کی معنوی طہارت قطعی اور ناقابل تغیر ہے۔کیا اس مطلب کو قبول کرنے کی صورت میں جبر کا قول صادق نہیں آتا ہے؟

جواب

خدا وند متعال کا ارادہ تکوینی اس صورت میں جبر کا سبب بنے گا جب اھل بیت کا ارادہ واختیار ان کے عمل انجام دینے میں واسطہ نہ ہو لیکن اگر خداوند متعال کا ارادہ تکوینی اس سے متعلق ہو کہ اہل بیت اپنی بصیرت آگاہی نیز اختیار سے گناہ اور معصیت سے دور ہیں،تو ارادہ کا تعلق اس کیفیت سے نہ صرف جبر نہیں ہوگا بلکہ مزید اختیار پر دلالت کرے گا اور جبر کے منافی ہوگا،کیونکہ اس فرض کے مطابق خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق اس طرح نہیں ہے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں،اپنے وظیفہ انجام دیں گے،بلکہ خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق ان کی طرف سے اطاعت کی انجام دہی اور معصیت سے اجتناب ان کے اختیار میں ہے اور ارادہ و اختیار کا پایا جانا ہی خلاف جبر ہے۔

اس کی مزید وضاحت یوں ہے کہ: عصمت در حقیقت معصوم شخص میں پائی جانے والی وہ بصیرت اور وہ وسیع و عمیق علم ہے، جس کے ذریعہ وہ کبھی اطاعت الہیٰ سے منحرف ہو کر معصیت و گناہ کی طرف تمائل پیدا نہیں کرتا ہے اور اس بصیرت اور علم کی وجہ سے اس کے لئے گناہوں کی برائیاں اور نقصانات اس قدر واضح اور عیاں ہو جاتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے لئے محال ہے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے۔

مثال کے طور پر جب کوئی ادنی شخص یہ دیکھتا ہے کہ وہ پانی گندا اور بدبو دار ہے، تو محال ہے و ہ اسے اپنے اختیار سے پی لے بلکہ اس کی بصیرت و آگاہی اسے اس پانی کے پینے سے روک دے گی۔

دوسرا سوال

آیہ شریفہ میں آیا ہے: (انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا) ''اذھاب'' کے معنی لے جانا ہے اور

اسی طرح ''تطہیر'' کے معنی پاک کر نا ہے اور یہ اس جگہ پر استعمال ہوتا ہے جہاں پر پہلے سے رجس وکثافت موجود ہو اور انھیں پاک کیا جائے ۔ اسی صورت میں ''اذھابکا اطلاق،رجس کو دور کر نااور تطھیر'' کا اطلاق ''پاک کرنا'' ،حقیقت میں صادق آسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت پہلے گناہوں سے آلودہ تھے لہذا اس آلودگی کو ان سے دور کیا گیا ہے اور انھیں اس آلودگی سے پاکیزہ قرار دیا گیاہے۔

جواب

جملہء (لیذھب عنکم الرجس) میں لفظ ''اذھاب'' لفظ ''عن'' سے متعدی ہوا ہے۔ اس کا معنی اہل بیت سے پلیدی اور رجس کو دور رکھنا ہے اور یہ ارادہ پہلے سے موجود تھا اور اسی طرح جاری ہے،نہ یہ کہ اس کے بر عکس حال و کیفیت اہل بیت میں موجود تھی اور خداوند متعال نے ان سے اس حال و کیفیت (برائی) کو دور کیا ہے۔ اسی طرح اس سلسلہ میں تطہیر کا معنی کسی ناپاک چیز کو پاک کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اہل بیت کے بارے میں اس کا مقصد ان کی خلقت ہی سے ہی انھیں پاک رکھنا ہے۔ اس آیہء کریمہ کے مانند (ولھم فیھاازواج مطھرۃ)[1] ''اور ان کے لئے وہاں(بہشت میں) ایسی بیویاں ہیں جو پاک کی ہوئی ہوں گی'' ''اذھاب''اور ''تطھیر'' کے مذکورہ معنی کا یقینی ہونا اس طرح ہے کہ اہل بیت کی نسبت خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یقینی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء ہی سے معصوم تھے نہ یہ کہ آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد معصوم ہوئے ہیں۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلب اس طرح ہے اور لفظ ''اذھاب'' و ''تطھیر'' آپؐ میں سابقہ پلیدی اور نجاست کے موجود ہونے کا معنی نہیں ہے،اہل بیت کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی قطعی طور پر اسی طرح ہونا چاہئے۔ ورنہ ''اذھاب'' و ''تطھیر'' کے استعمال کا لازمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے بارے میں مختلف معنی میں ہوگا۔

تیسرا سوال

اس آیہء شریفہ میں کوئی ایسی دلالت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ طہارت، اہل بیتؑ میں (آیہء تطہیر کے نازل ہونے سے پہلے) موجود تھی بلکہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خداوند متعال اس موضوع کا ارادہ کرے گا کیونکہ ''یرید'' فعل مضارع ہے اور مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۔بقرہ،۲۵

جواب

اول یہ کہ: کلمہ ''یرید'' جو خداوند متعال کا فعل ہے، وہ مستقبل پر دلالت نہیں کرتا ہے اور دوسری آیات میں اس طرح کے کا استعمالات اس مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ جیسے کہ یہ آیات: (یریداللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم)۱ اور (واللہ یرید أن یتوب علیکم) ۲

اس وصف کے پیش نظر آیت کے معنی یہ نہیں ہے کہ خداوند متعال ارادہ کرے گا، بلکہ یہ معنی ہے کہ خداوند متعال بد ستور ارادہ رکھتا ہے اور ارادہ الہیٰ مسلسل جاری ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ارادہ کا پیغمبر اکرم ﷺ سے مربوط ہونا اس معنی کی تاکید ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا نہیں تھا کہ پہلے تطہیر کا ارادہ نہیں تھا اور بعد میں حاصل ہوا ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ پہلے سے اس خصوصی طہارت کے حامل تھے اور معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ''یرید'' کا استعمال ایک طرح اور آپؐ کے اھل بیت کے لئے دوسری طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

چوتھا سوال

احتمال ہے کہ ''لیذھب'' میں ''لام'' لام علت ہو اور ''یرید'' کے مفعول سے مراد کچھ فرائض ہوں جو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط ہوں۔ اس حالت میں ارادہ تشریعی اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند متعال نے آپ اہل بیت

سے مربوط خصوصی تکالیف اور فرائض کے پیش نظر یہ ارادہ کیا ہے تاکہ برائی اور آلودگی کو آپ سے دور کرے اور آپ کو پاک و پاکیزہ قرار دے، اس صورت میں آیت اہل بیت کی عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔

۱۔ سورہ نساء ۲۶

۲۔ سورہ نساء ۲۷

جواب

پہلے یہ کہ: ''یرید'' کے مفعول کا محذوف اور پوشدہ ہونا خلاف اصل ہے اور اصل عدم پوشیدہ ہونا ہے۔ صرف دلیل اور قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس اصل کے خلاف ہونا ممکن ہے اور اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: ''لیذھب'' کے لام کے بارے میں چند احتمالات ہیں ان میں سے بعض کی بنا پر ارادہ کا تکونیے ہونا اور بعض کی بنا پر ارادہ کا تشریعی ہونا ممکن ہے لیکن وہ احتمال کہ جو آیت میں متعین ہے وہ ارادہ تکوینی سے ساز گار ہے۔ اس کی دلیل وہ اسباب ہیں جو ارادہ تکوینی کے اثبات کے سلسلہ میں پیش کئے گئے ہیں من جملہ یہ کہ ارادہ تشریعی کا لازمہ یہ ہے اس سے اہل بیت کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، جبکہ آیہء کریمہ نے اہل بیت کی عظیم اور گراں بہا فضیلت بیان کی ہے جیسا مذکورہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔

اس بنا پر آیہ شریفہ میں لام سے مراد ''لام تعدیہ'' اور مابعد لام ''یرید'' کا مفعول ہے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ''یرید'' کبھی لام کے ذریعہ اور کبھی لام کے بغیر مفعول کے لئے متعدی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں پرا ن میں سے دو آیتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ (فلا تعجبک أموالھم ولااولادھم إنّمایرید اللّٰہ لیعذبھم بھافی الحیوۃالدنیا۔۔۔)۱ اور آیہ (ولا تعجبک اموالھم إنّمایرید اللّٰہ أن یعذّبھم بھا فی الدنیا)۲۔ اس سورہ مبارکہ میں ایک مضمون کے باوجود ''یرید'' ایک آیت میں ''أن یعذبھم'' سے بلا واسطہ اور دوسری آیت

میں لام کے ذریعہ متعدی ہوا ہے۔

ا۔ سورہء توبہ،۵۵ ۲۔سورہ توبہ،۸۵

۲۔(یرید ون أن یطفؤانوراللہبأفواھھم وےأبی اللہإلاّ أن یتم نورہ ولوکرہ الکافرون)۱اور آیہء (یرید ون لیطفؤانوراللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولوکرہ الکافرون)۲ایک آیت میں ''یریدون''، ''أن یطفؤ'' پربلا واسطہ اور دوسری آیت میں لام کے واسطہ سے متعدی ہوا ہے۔

پانچواں سوال

آیہ شریفہ میں ''اھل البیت ''سے مراد فقط پنجتن نہیں ہیں بلکہ اس میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوسرے رشتہ دار بھی شامل ہیں ۔کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس اور ان کے فرزند وں کو بھی ایک کپڑے کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: ''ھو لاء اھل بیتی'' اور ان کے بارے میں دعا کی۔

جواب

اہل بیت کی تعداد کو پنجتن،پاک یا چودہ معصومین علیہم السلام میں منحصر کرنے کے حوالے سے اس قدر احادیث وروایات موجود ہیں کہ اس کے سامنے مذکورہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتاہے۔

اس کے علاوہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ''محمد بن یونسی'' ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث جعل کرتا تھا ۔ شائد اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں جعل کی ہیں ۔ ابن عدی نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔۳

۱۔ سورہ توبہ ۳۲

۲۔ سورہ صفہ ۸

۳۔ تہذیب ج ص ۵۴۲، طبع ھندوستان

اس کے علاوہ حدیث کی سند میں ''مالک بن حمزہ'' ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب ''ضعفا'' میں اسے ضعیف راویوں کے زمرہ میں درج کیا ہے۔ ۱

اس کے علاوہ اس کی سند میں ''عبداللہ بن عثمان بن اسحاق'' ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے عثمان کا قول نقل کیا ہے اور کہا ہے: میں نے ابن معین سے کہا: یہ راوی کیسا ہے؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا ہوں اور ابن عدی نے کہا: وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ حدیث کسی صورت میں مذکورہ احادیث کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔

چھٹا سوال

ام سلمہ جب پیغمبر اکرم ﷺ سے سوال کرتی ہیں کہ: کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''أنت الیٰ خیر'' یا ''أنت علیٰ خیر''۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھارے لئے دعا کروں، کیونکہ تمھارے لئے پہلے ہی سے قرآن مجید میں آیت نازل ہوچکی ہیں اور جملہ ''انت علی خیر'' کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری حالت بہتر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ام سلمہ اہلبیت میں داخل نہیں ہیں۔

جواب

سیاق آیت کے بارے میں کی گئی بحث سے نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ آیہ تطہیر کا سیاق اس سے پہلی والی آیتوں کے ساتھ یکسان

نہیں ہے اور پیغمبر ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔

۱۔ میزان الاعتدال،ج۲،ص۳۲۵، دارالمعرفہ،بیروت

جملہء ''علی خیر'' یا '' الیٰ خیر'' اس قسم کے موارد میں افضل تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اور اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویاں پنجتن پاک (علیہم السلام) سے افضل و بہتر ہوں۔ اس کے علاوہ خود ان احادیث میں اس مطلب کے بارے میں بہت سے قرآئن موجود ہیں، من جملہ ام سلمہ آرزو کرتی ہیں کہ کاش انھیں بھی اجازت ملتی تاکہ اہل بیت کے زمرہ میں داخل ہوجاتیں اور یہ اس کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر تھا جن پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویوں سے مربوط قرآن مجید کی آیتوں، من جملہ آیہء تطہیر سے پہلی والی آیتوں اور سورۂ تحریم کی آیتوں کی شان نزول پر غور کرنے سے مذکورہ مطلب کی مکمل طور پر وضاحت ہوجاتی ہے۔ نمونہ کے طور پر سورہ تحریم کی درج ذیل آیتیں بیشتر تامل کی سزاوار ہیں۔

)إن تتوبا إلی اللہ فقد صغت قلوبکما)۱(عسی ربہ إن طلقکن أن یبد لہ أزواجاً خیراً منکن مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عبادات سائحات ثیبات وأبکاراً) ۲(ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح و امرأۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا ھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً و قیل اد خلا النار مع الداخلین)۳

ساتواں سوال

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد اپنے خاندان کے حق میں یہ دعا کی: '' اللّھم أ ذھب عنھم الرّجس و طھّرھم تطھیرا'' ''خداوندا: ان سے رجس وپلیدی کو دور کر اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ قرار

۱۔سورہ تحرم،۴

۲۔ سورہ تحریم،۵

۳۔سورہ تحریم ،۱۰

دے''آیہ کریمہ سے عصمت کا استفادہ کرنے کی صورت میں اس طرح کی دعا منا فات رکھتی ہے،کیونکہ آیہ کریمہ عصمت پر دلالت کرتی ہے اور عصمت کے حاصل ہونے کے بعدان کے لئے اس طرح دعا کرنا تحصیل حاصل اور بے معنی ہے۔

جواب

اول یہ کہ: یہ دعا بذات خود اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کے لئے اس طہارت کے بارے میں خداوند متعال کا ارادہ ارادہ تکوینی تھا نہ تشریعی ۔ کیونکہ ''اذھاب رجس'' اور ''تطہیر'' کا خدا سے جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ قطعاً ایک تشریعی امر نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یقیناً مستجاب ہے۔ اس لئے مذکورہ دعا آیۂ تطہیر کے مضمون پر تاکید ہے۔ دوسرے یہ کہ عصمت ایک فیض اور لطف الہیٰ ہے جو خداوند متعال کی طرف سے ان مقدس شخصیات کو ان کی زندگی کے ہر ہر لمحہ عطا ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ بھی دوسری مخلوقات کے مانند ہر لمحہ خدا کے محتاج ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ایک لمحہ کی نعمت اور فیض الہیٰ انھیں دوسرے لمحہ کے فیض و عطیہ الہیٰ سے بے نیاز کردے۔ یہ اس کے مانند ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ ''إھدنا الصراط المستقیم''کو ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور اس ہدایت کو خداوند متعال سے طلب کرتے رہتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اس ہدایت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے اور یہ تحصیل حاصل نہیں ہے بلکہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بندہ چاہے جس مقام پر بھی فائز ہو وہ ذاتی طور پر خدا کا محتاج ہوتا ہے اور اس احتیاج کا اظہار کرنا اور خدا وندمتعال سے دوسرے لمحات میں نعمت و الطاف الہیٰ کی درخواست کرنا بندہ کے لئے بذات خود ایک کمال ہے۔ اس بات کا علم کہ خدا وندمتعال مستقبل میں اس نعمت کو عطا کرے گا ، دعا کے لئے مانع نہیں بن سکتا ہے،کیونکہ خدا وندمتعال

''اولوا الباب''کی دعا کو بیان کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں :(ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک و لا تخذنا یوم القیامۃ إنک ولا تخلف المیعاد) ''پرور دگار جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کیا ہے اسے ہمیں عطا کر اور روز قیامت ہمیں رسوانہ کر کیونکہ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ''ہم دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ خدا وند متعال وعدہ خلافی نہیں کرتا اور مومنین کو دیا گیا وعدہ حتماً پور کرے گا ، پھر بھی اس سے اس طرح دعا کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اھل بیت کے حق میں دعا بھی اسی طرح ہے کہ طہارت اور عصمت الہیٰ اگر چہ انھیں حاصل تھی اور آئندہ بھی یہ نعمت ان کے شامل حال رہتی، لیکن یہ دعا اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ اھل بیت (ع) اس عظمت و منزلت پر فائز ہیں لیکن ہمیشہ اپنے کو خدا کا محتاج تصور کرتے ہیں اور یہ خدا وند متعال ہے کہ جو ہر لمحہ عظیم اور گرانقدر نعمت انھیں عطا کرتا ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا خواہ آیہ ء تطہیر نازل ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد ،ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے ۔

آٹھواں سوال

انبیاء علیہم السلام کی عصمت وحی کے تحفظ کے لئے ہے،انبیاء کے علاوہ کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی کی عصمت کے قائل ہو ں؟

جواب

اول یہ کہ : شیعہ عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت، نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور یہ عہدہ نبوت کے ہم پلہ بلکہ اس سے بالاتر ہے۔۱ امام، مسئلہ وحی کے علاوہ بالکل وہی کردار ادا کرتا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے شیعہ امامیہ کے نزدیک امام میں عصمت کا ہونا عقلی او ر نقلی دلیلوں کی بنیاد پر شرط ہے۔ دوسرے یہ کہ : عصمت کے لئے ملزم عقلی کا نہ ہونا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی ہے ۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ: نبی اور امام کے لئے، عقل لزوم عصمت کا حکم کرتی ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ حکم ثابت نہیں ہے۔ عصمت خدا کی ایک خاص نعمت ہے،خدا وند متعال جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے ۔ انبیاء اور ائمہ کی عصمت کے وجود پر برہان عقلی قائم ہے اور ان کے علاوہ اگر کسی کے لئے قرآن وسنت کی دلیل عصمت کو ثابت کرے تو اس پر یقین کرنا چاہئے اور آیہ تطہیر پیغمبر اسلام ﷺ،ائمہ علیہم السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت کی دلیل ہے۔

نواں سوال

حدیث ثقلین کے بارے میں صحیح ۲ مسلم کی روایت کے مطابق پیغمبر ﷺ کے صحابی زید بن ارقم نے پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ''أنا تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ ... و اھل بیتی '' زیدبن ا رقم سے سوال ہوتا ہے: آنحضرت

۱۔ اس سلسلہ میں مصنف کی کتابچہ '' امامت ، حدیث غدیر ، ثقلین اور منزلت کی روشنی میں'' کی طرف رجوع کیا جائے

۲۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل،باب فضائل علی بن ابطالب۔

ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا عورتیں (ازواج پیغمبر) بھی آنحضرت ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں؟ جواب دیتے ہیں کہ: نہیں، سوال کرتے ہیں: پس آنحضرتؐ کے اہل بیت کون ہیں؟ جواب میں کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ علی، عباس، جعفر اور عقیل کی اولاد ہیں۔ اس بات کے پیش نظر اہل بیت کو کیسے پنجتن، یا چودہ معصومین (ع) میں محدود کیا جا سکتا ہے؟

جواب

اول یہ کہ: یہ حدیث پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو اہل بیت علیہم السلام کی فہرست سے خارج کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ: یہ حدیث بہت سے طرق سے نقل ہونے کے باوجود یزید بن حیان پر اس حدیث کی سند کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے اور یہ حدیث آیہ شریفہ اور دوسری بہت سی آحادیث کی دلالت سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ تیسرے یہ کہ: بالفرض اگر اس کا صدور ثابت بھی ہو جائے تو بھی یہ ایک صحابی کا اجتہاد ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا۔ چوتھے یہ کہ: حدیث ثقلین بہت طریقوں سے زید بن ارقم سے نقل ہوئی ہے اور اس میں جملہء: ''ماإن تمسکتم لن تضلّوا أبداً وإنّھما لن یفترقا حتّی یردا علیّ الحوض'' موجود ہے جو اہل بیت کی رہبری اور ان کے قرآن مجید سے لازم و ملزوم ہونے کو بیان کرتا ہے جو زید بن ارقم کی مذکورہ تفسیر سے کسی بھی طرح سازگار نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ تفسیر کی بنا پر خلفائے بنی عباس بھی اپنے تمام تر ظلم و جرائم کے مرتکب ہونے کے باوجود اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوجائیں گے اور یہ حدیث ثقلین کے الفاظ کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

دسواں سوال

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب ام سلمہ نے سوال کیا کہ: ''کیا میں بھی اہل بیت میں داخل ہوں؟'' یا ''مجھے بھی ان کے زمرہ میں شامل کرلیجئے''، تو پیغمبر ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں انشاء اللہ'' یا یوں فرمایا: ''انت من اھلی'' اس لئے نہیں کہا جاسکتا

ہے کہ : اہل بیت پنجتن پاک میں منحصر ہیں؟

جواب

بیان کی گئی بہت سی حدیثوں سے کلمہ ''اہل بیت'' کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے مطابق صرف پنجتن پاک کا ان میں شامل ہونا اور دوسروں کی اس میں عدم شمولیت ثابت ہوتی ہے ۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سوال میں اشارہ کی گئی احادیث میں ''اہل'' یا ''اہل بیت''سے مراد اس کے لغوی معنی ہوں گے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بھی شامل ہیں۔

ہم سوال میں اشارہ کی گئی احادیث کے بارے میں اہل سنت کے فقہ و حدیث کے ایک امام،ابو جعفر طحاوی کے نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ طحاوی ان افراد میں سے ہیں جو آیۂ شریفہ تطہیر میں ''اہل بیت '' کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مخصوص جانتے ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو اس آیۂ شریفہ سے خارج جانتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی کتاب ''مشکل آلاثار''[۱]میں ایک ایسی حدیث نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ام سلمہ نے کہا: ''مجھے ان (اہل بیت) کے ساتھ شامل کرلیجئے تو''،پیغمبر اکر م صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: '' انت من أھلی'' ''تم میرے اہل میں سے ہو'' اس کے بعد طحاوی کہتے ہیں:

''فکان ذالک مما قد یجوز أن یکون إرادۃ أنّھا من أھلہ، لأنّھا من أزواجہ و ازواجہ اھلہ''

۱۔ مشکل الاثار،ج۱،ص۳۳۳۔ ۳۳۲

ممکن ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہو کہ ام سلمہ آپؐ کی بیویوں میں سے ایک ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں آپؐ کے اہل ہیں۔

اس کے بعد طحاوی اس سلسلہ میں شاہد کے طور پر آٹھ حدیثیں نقل کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ آیۂ تطہیر میں

''اہل بیت'' میں سے نہیں ہیں۔وہ مزید لکھتے ہیں:

''فدلّ ماروینا فی ھذہ الآثار مما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم إلی أمّ سلمۃ مما ذکر نا فیھالم یرد أنھا کانت مما أرید بہ مما فی الآےۃ المتلوۃ فی ھذاالباب،وأن المراد بما فیھا ھم رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علیّ و فاطمۃ والحسن والحسین دون ماسواھم''[1]

یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں کہ جن کی طرف آیہء تطہیر اشارہ کرتی ہے ۔اورآیہء تطہیر میں موجود '' اہل بیت '' سے مراد صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ، علی وفاطمہ،حسن و حسین(علیہم السلام) ہیں۔

طحاوی کی نظر میں ایک اوراحتمال یہ ہے کہ ''انت اھلی''کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی وجہ سے میرے اہل میں شمار ہوتی ہو،کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں ان کا بیٹا ان کی اہل سے خارج ہےاور اس کے بارے میں کہا گیا : (إنہ لیس من أھلک إنہ عمل غیر صالح)[2]اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جو صاحب (ایمان اور) عمل صالح ہیں وہ ان کے اہل ہیں۔

۱۔ مشکل الآثار، ج۱،ص۳۳۶

۲۔ سورۂ ہود،۴۶

طحاوی نے اس احتمال کو واثلہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد پیش کیا ہے۔ واثلہ بھی ان صحابیوں میں سے ایک ہے، جس نے حدیث کساء کی روایت کی ہے۔وہ اپنی روایت میں پنجتن پاک کے کساء کے نیچے جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہےاور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیان کو نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''أللھم ھولاء اھل بیتی واھل بیتی احق''اس کے بعد کہتا ہے:میں نے کہا : یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں ؟ فرمایا: '' تم میرے اہل سے ہو''۔

طحاوی اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''واثلہ کا ربط،ام سلمہ کی بہ نسبت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہت دور کا ہے۔کیونکہ واثلہ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر کا ایک خادم

ہے)بنی لیث کا ایک شخص ہے اور قریش میں شمار نہیں ہوتا ہے اور ام سلمہ (پیغمبر ﷺ کی بیوی) قریش سے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ واثلہ سے فرماتے ہیں : ''تم میرے اہل میں سے ہو'' لہذا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی خاطر اور مجھ سے ایمان رکھنے کے سبب ہم اھل بیت کے زمرہ میں داخل ہو۔ بیہقی نے بھی '' السنن الکبریٰ ''[1] میں واثلہ کی حدیث کو نقل کیا ہے اور کہاہے:

''وکانہ جعل فی حکم الأھل، تشبیھا بمن یستحق ھذاالاسم لا تحقیقاً''

''گویا اس حدیث میں واثلہ کو تشبیہ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے اہل کے حکم میں قرار دیاگیا ہے نہ اس لئے کہ وہ حقیقی طور پر اہل بیت کا مصداق تھا۔''

اس لئے بہت سی حدیثیں کہ جو اہل بیت کے دائرہ کو منحصر کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

[1] السنن الکبریٰ ، ج۲،ص۵۲،دارالمعرفۃ،بیروت

گیارہواں سوال

آیہ (إنّما یرید اللہ۔۔۔)اس آیت کے مانند ہے: (مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھّرکم ولیتمّ نعمتہ علیکم)[1]یعنی: ''خدا تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ،بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک و پاکیزہ بنادے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردے''

اور اسی طرح آیہ (إنّما یرید اللہ۔۔۔)اس آیت کے مانند ہے: (لیطھّرکم ویذھب عنکم رجز الشیطان)[2]یعنی ''تاکہ تمھیں پاکیزہ بنادے اور تم سے شیطان کی کثافت کو دور کردے''

اگر آیہ تطہیر عصمت پر دلالت کرتی ہے تو مذکورہ دو آیتوں کی بناپر ہمیں بہت سارے اصحاب کی عصمت کے قائل ہونا چاہئیے۔

جواب

پہلافقرہ وہ ہے جو وضو کی آیت کے آخر میں آیا ہے۔ آیہ شریفہ یوں ہے:

(یا إیّھاالّذین آمنوإإذا قمتم إلی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و أیدیکم إلی المرافق و أمسحوا برء وسکم و أر جلکم إلی الکعبین وإن کنتم جنباً فاطّھروا... فتیموا صعیداً طیباً فأمسحوا بو جوھکم وأیدیکم منہ مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھّرکم و لیتم نعمتہ علیکم لوعلکم تشکرون)٣

١۔ سورہ مائدہ،٦

٢۔سورہ انفال،١١

٣۔ سورۂ مائدہ،٦

اس آیہء کریمہ میں خدا وند متعال وضو، غسل اور تیم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: ''خدا وندمتعال (ان احکام کی تشریع سے) تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ہے،بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں (وضویا غسل یا تیم سے) پاک و پاکیزہ بنادے''۔ یہ حدث پاک کرنا ہے جو وضو یا غسل یا تیم سے حاصل ہوتاہے،اور اس کا آیہ ء تطہیر کی مطلق طہارت تکوینی سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دوسری آیت میں بھی ''رجز الشیطان ''یعنی شیطان کی نجاست سے مرادوہ جنابت ہے جس سے جنگ بدر میں مسلمان دو چار ہوئے تھے اور خدا وندمتعال نے ان کے لئے بارش نازل کی اور انہوں نے بارش کے پانی سے غسل کیا اوراپنے جنابت کے حدث کو غسل سے برطرف کیا۔ اس آیت میں ایک خاص طہارت بیان کی گئی ہے اور اس طہارت کا تعلق ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں موجود تھے اور جنھوں نے بارش کے پانی سے غسل کرکے یہ طہارت حاصل کی تھی لہذا آیہ تطہیر سے استفادہ ہونے والی مطلق تکوینی طہارت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

ساتواں باب

امامت

آیہ علم الکتاب کی روشنی میں

امامت آیہ ''علم الکتاب'' کی روشنی میں

(ویقول الّذین کفروا لست مرسلاً قل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب)

''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں تو کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔''

یہ آیہ شریفہ ان آیتوں میں سے ہے جن میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی فضیلت بلکہ احتجاج کی روایت کے مطابق سب سے بڑی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب ہے اس کے معنی میں مزید غور وخوض کیا جائے۔

اس آیت میں پہلے کفار کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دو گواہ ذکر کئے گئے ہیں ایک خداوند عالم کی ذات اور دوسرے وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

آیت کی دلالت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بحث کو درج ذیل دو محوروں پر جاری رکھا جائے

۱۔ خداوند متعال کی گواہی کس طرح سے ہے؟

۲۔ من عندہ علم الکتاب سے مراد کون ہے؟

خدا وند عالم کی گواھی:

اس آیہء شریفہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے پہلے گواہ کے طور پر خدا وندمتعال کا ذکرہوا ہے۔ خدا وند متعال کی اس گواہی کے دوفرض ہیں:

ا۔ ممکن ہے یہ گواہی قولی ہو اور گفتگو و کلام کے مقولہ سے ہو اس صورت میں وہی آیتیں جو آنحضرتؐ کی رسالت کو بیان کرتی ہیں خداوندمتعال کی اس گواہی کی مصداق ہوں گی، جیسے :(والقران الحکیم انک لمن المرسلین)[1] ''قرآن حکیم کی قسم آپ مرسلین میں سے ہیں''

۲۔ ممکن ہے یہ گواہی فعلی ہو اور خدا وندمتعال نے اسے معجزہ کی صورت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ ظاہر کیا ہو، یہ معجزے آنحضرت ﷺ کی رسالت کے سلسلہ میں دعویٰ کے لئے ایک قوی سند ، واضح دلیل اور گویا گواہ ہیں، خاص کر قرآن مجید ، جو آنحضرت ﷺ کاایک لافانی معجزہ ہے اورہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے اوران معجزات کی حیثیت ایک طرح سے خداوندمتعال کے فعل کی سی ہے جو پیغمبر خدا ﷺ کی رسالت پر گواہ ہیں۔

(من عندہ علم الکتاب) سے مرادکون ہے؟

دوسرے محورمیں بحث اس جہت سے ہوگی کہ ''کتاب'' سے مراد کیا ہے؟اور جس کے پاس ''کتاب کا علم'' ہے، وہ کون ہے؟ اس سلسلہ میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں کہ ہم ان پر بحث کریں گے:

پہلا احتمال :''کتاب'' سے مرادقرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور کتاب کے عالم سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں:

اس صورت میں اس آیہ شریفہ کے معنی یوں ہوں گے: ''کہدیجئے اے پیغمبر! ہمارے

ا۔ سورہ لمین،۱۔ ۲

اورتمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے خدا وندمتعال اور وہ لوگ جن کے پاس گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم ہے جیسے

علمائے یہود و نصاری چونکہ ان کتابوں میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام آیا ہے اور آنحضرت کی رسالت بیان ہوئی ہے۔ اسی لئے علمائے یہود و نصاری اس مطلب سے آگاہی رکھتے ہیں اور اس پر گواہ ہیں۔ یہ احتمال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر چہ علمائے یہود و نصاری اپنی آسمانی کتابوں کے عالم تھے، لیکن وہ کافر تھے اور ہر گز اپنے خلاف گواہی دینے کے لئے حاضر نہیں تھے۔

دوسرا احتمال: ''کتاب'' سے مراد وہی قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور ان کے عالم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا شمار پہلے علمائے یہود و نصاری میں ہوا کرتا تھا لیکن بعد میں اسلام قبول کر کے وہ مسلمان ہو گئے تھے، جیسے: سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام اور تمیم الداری۔ یہ لوگ ایک جہت سے توریت اور انجیل جیسی گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اور ایک جہت سے آمادہ تھے تاکہ اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے بارے میں جو کچھ انہیں معلوم ہے اس کی گواہی دیں۔ یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ رعد اور من جملہ زیر بحث آیہ شریفہ جو اس سورہ کی آخری آیت ہے، مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مذکورہ افراد مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے جو ابھی کافر ہیں اور مسلمان نہیں ہوئے ہیں اپنے دین کے خلاف گواہی دینے کے لئے مدعو ہو جائیں۔

شعبی اور سعید بن جبیر سے نقل ہوئی روایت کے مطابق انہوں نے بھی مذکورہ احتمال یعنی ''من عندہ علم الکتاب'' سے عبداللہ بن سلام کو مراد لینا اس کو مسترد کر دیا ہے۔ اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا ہے۔[1]

تیسرا احتمال: ''من عندہ علم الکتاب'' سے مقصود خداوند متعال اور

۱۔ معالم التنزیل، ج ۳، ص ۴۶۴، ۴۶۵۔ الاتقان، ج ۱، ص ۳۶، دار ابن کثیر بیروت

''کتاب'' سے مراد لوح محفوظ ہے اور ''من عندہ علم الکتاب'' کا ''اللہ'' پر عطف ہونا صفت کا اسم ذات پر عطف ہونے کے باب سے ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوتا ہے: خداوند متعال اور وہ شخص جو لوح محفوظ (جس میں تمام کائنات کے حقائق

ثبت ہیں) کا علم رکھتا ہے، وہ تمہاری رسالت پر گواہ ہے۔

اول یہ کہ : جملہٴ (قل کفی باالله شھیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب) میں بظاہر عطف یہ ہے کہ ''من عندہ علم الکتاب'' خدا وندمتعال کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر ابتداء میں پہلے گواہ کے طور پرآیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: عربی ادبیات میں صفت کا عطف، صفت پر موصوف کے سلسلہ میں مشہور اور رائج ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کا استعمال پایا جاتا ہے، جیسے :آیہٴ شریفہ : (تنزیل الکتاب من الله العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب۔۔۔)۱ میں ''غافرالذ نب''(گناہ کو بخشنے والا) اور ''قابل التوب'' (توبہ کو قبول کرنے والا) دوصفتیں ہیں جو حرف عطف کے فاصلہ سے ایک دوسرے کے بعد ہیں اور خدا وندمتعال کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن جن مواقع پر پہلے اسم ذات ذکر ہوا ہے، کبھی بھی مشہور اور رائج استعمالات میں صفت اس پر عطف نہیں ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ : آیہ کریمہ میں ''من عندہ علم الکتاب'' سے مرادخدا وندمتعال ہے۔

چوتھا احتمال: کتاب سے مراد ''لوح محفوظ'' ہےاور ''جس کے پاس کتاب کا علم ہےاس سے مراد امیرلمومنین علی علیہ السلام ہیں۔

اب ہم اس احتمال پر بحث و تحقیق کرتے ہیں۔

۱۔ سورہ غافر،۲

لوح محفوظ اور حقائق ہستی

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام حقائق ایک مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں کہ قرآن مجید نے اسے ''

کتاب مبین''[۱] یا ''امام مبین''[۲] یا ''لوح محفوظ''[۳] کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ من جملہ سورہ نمل میں فرماتا ہے: (وما من غائبۃ فی السّماء والارض إلّا فی کتاب مبین)[۴] یعنی: اور آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین (لوح محفوظ) میں نہ ہو۔

اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوح محفوظ میں درج شدہ حقائق سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے؟ اور اگر یہ ممکن ہے تو کون لوگ ان حقائق سے با خبر اور آگاہ ہیں اور کس حد تک؟

مطہّرون اور لوح محفوظ سے آگاہی

اس سلسلہ میں ہم سورہ واقعہ کی چند آیتوں پر غور وخوض کرتے ہیں:

(فلا أ قسم بمواقع النجوم*وإنّہ لقسم لوتعلمون عظیم* إنّہ لقرآن کریم*فی کتاب مکنون* لایمسّہ إلّا المطہّرون) (سورہ واقعہ ۷۵۔۷۹)

ان آیات میں، پہلے ستاروں کے محل و مدار کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس کے بعد اس قسم کی عظمت و اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی نشاندھی کی گئی ہے۔ اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ہے کہ قسم کا معیار اور اس کی حیثیت اس حقیقت کے مطابق ہونا چاہئیے کہ جس کے متعلق یا جس کے

۱۔ سورہ یونس،۶۱، سورہ سبا،۱۳، سورہ نمل،۷۵

۲۔ سورہ یٰسین،۱۲

۳۔ سورہ بروج،۲۲

۴۔ سورہ نمل،۷۵

اثبات کے لئے قسم کھائی جارہی ہے ۔ اگر قسم با عظمت اور با اہمیت ہے تو یہ اس حقیقت کی اہمیت کی دلیل ہے کہ جس کے لئے

قسم کھائی گئی ہے۔

جس حقیقت کے لئے یہ عظیم قسم کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے: (إنہ لقرآن کریم * فی کتاب مکنون * لایمسہ الاّ المطھرون) یعنی بیشک یہ بہت ہی با عظمت قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ (اس کے ساتھ رابطہ نہیں کرسکتا ہے۔)آیہ شریفہ کا یہ جملہ (لا یمسہ الاّالمطھرون) بہت زیادہ قابل غور ہے۔ ابتدائی نظر میں کہا جاتا ہے کہ بے طہارت لوگوں کا قرآن مجید سے مس کرنا اور اس کے خط پر ہاتھ لگانا حرام ہے، لیکن اس آیہ شریفہ پر عمیق غور وفکر کرنے سے یہ اہم نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ مس سے مراد مس ظاہری نہیں ہے اور ''مطھرون'' سے مراد باطہارت (مثلاً باوضو) افراد نہیں ہیں ۔ بلکہ مس سے مراد مس معنوی (رابطہ) اور ''مطھرون'' سے مرادوہ افراد ہیں جنہیں خدا وندمتعال نے خاص پاکیزہ گی عنایت کی ہے، اور ''لایمسہ'' کی ضمیر کتاب مکنون (لوح محفوظ) کی طرف پلٹتی ہے ۔ آیہ کریمہ سے یہ معنی (مس معنوی) استفادہ کرنے کے لئے چند نکات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ جملہء ''لایمسہ'' کا ظہور اخبار ہے نہ انشاء، کیونکہ بظاہر یہ جملہ دوسرے اوصاف کے مانند کہ جو اس سے قبل ذکر ہوئے ہیں، صفت ہے اور انشاء صفت نہیں بن سکتا ہے، جبکہ آیت میں غیر مطہرون کے مس سے حکم تحریم (حرمت) کا استفادہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ جملہ ''لا یمسہ'' انشاء ہو ، نہ اخبار۔

۲۔ ''لایمسہ'' کی ضمیر بلا فاصلہ ''کتاب مکنوں'' کی طرف پلٹتی ہے، کہ جو اس جملہ سے پہلے واقع ہے نہ قرآن کی طرف کہ جو اس سے پہلے مذکور ہے اور چند کلمات نے ان کے درمیان فاصلہ ڈال دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک پوشیدہ اور محفوظ کتاب میں واقع ہے کہ جس تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہے اور یہ مطلب اس کے ساتھ مس کرنے سے کوئی تناسب نہیں رکھتا ہے۔

۴۔ طہارت شرعی، یعنی وضو (جہاں پر وضو واجب ہو) یا غسل یا تیمم (جہاں پر ان کا انجام دینا ضروری وفرض) رکھنے والے کو

''متطھر'' کہتے ہیں نہ ''مطھّر''۔

اس تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو کچھ جملہ ء ''لا یمسہ الاّ المطھرون'' سے استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ''مطھر'' (پاک قرار دئے گئے)افراد کے علاوہ کوئی بھی ''کتاب مکنون'' (لوح محفوظ) کو مس نہیں کرسکتا ہے، یعنی اس کے حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس خصوصی طہارت کے حامل افراد کون لوگ ہیں اور ''مطھرون'' سے مراد کون لوگ ہیں کہ جو ''لوح محفوظ'' سے اطلاع حاصل کرتے ہیں؟

''مطھرون'' سے مراد کون ہیں؟

کیا ''مطھرون'' کی اصطلاح فرشتوں سے مخصوص ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے ۔۱ یا یہ کہ اس میں عمومیت ہے یعنی وہ افراد جو خدا کی جانب سے خصوصی طہارت کے حامل ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ، اور خدا کی جانب سے انھیں جانشین مقرر کیا جا نا نیز

۱۔جیسے '' روح المعانی'' ج ۲۷،۱۵۴،دار احیاء التراث العربی، بیروت

''اسماء''الٰہی کا علم رکھنا یعنی ایک ایسی حقیقت سے آگاہی کہ جس کے بارے میں ملائکہ نے بھی لا علمی کا اظہار کیا ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ملائکہ کو سجدے کا حکم دینا و غیرہ ان واقعات اور قرآنی آیات ا کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ خاص علوم سے آگاہی اور تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کامل میں ملائکہ سے کہیں زیادہ ہے۔ مذکورہ ان صفات کے پیش نظر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جملہ (لا یمسہ الاّ المطھرون) کو فرشتوں سے مخصوص کیا جائے جبکہ قرآن مجید کے مطابق خدا کے ایسے منتخب بندے موجود ہیں جو خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں۔

آیہ تطہیر اور پیغمبرؐ کا محترم خاندان

(إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل الیت و یطھر کم تطھیرا)

(سورہ احزاب۔۳۳)

''بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت: کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے''

یہ آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا خاندان خدا وند متعال کی طرف سے ایک خاص اور اعلی قسم کی پاکیزگی کا مالک ہے۔ آیہ کریمہ میں ''تطھیرا'' کا لفظ مفعول مطلق نوعی ہے جو ایک خاص قسم کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرتا ہے۔ ہم یہاں پر اس آیہ شریفہ سے متعلق مفصل بحث کرنا نہیں چاہتے، اس لئے کہ آیت تطہیر سے مربوط باب میں اس پر مکمل بحث گزر چکی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے اہل بیت کہ جن میں سب سے نمایاں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں، اس آیہ شریفہ کے مطابق خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں اور

۱۔ سورہ بقرہ۔۳۴۔۳۰

''مطھرون'' میں شمار ہوتے ہیں ۔ وہ لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہی رکھ سکتے ہیں۔

''آصف بر خیا'' اور کتاب کے کچھ حصہ کا علم

ہم جانتے ہیں کہ خدا وند متعال نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک ایسی وسیع سلطنت عطا کی تھی کہ انسانوں کے علاوہ جنّات اور پرندے بھی ان کے تابع تھے ۔ ایک دن جب جن وانس ان کے گرد جمع تھے حضرت سلیمان نے ان سے کہا: تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے تخت کو میرے پاس حاضر کردے؟جنّات میں سے ایک عفریت نے سلیمان نبی سے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھے میں تخت کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا ۔ قرآن مجید فرماتا ہے: ''کتاب کے

کچھ حصہ کا علم رکھنے والے ایک شخص نے کہا: میں اتنی جلدی تخت بلقیس کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا کہ آپ کی پلک بھی جھپکنے نہیں پائے گی اور اسی طرح اس نے حاضر کیا۔

جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب ''لوح محفوظ''ہے اور شیعہ و سنی احادیث کے مطابق مذکورہ شخص حضرت سلیمان کا وزیر ''آصف بر خیا'' تھا۔ قرآن مجید سے استفادہ ہوتا ہے آصف کی یہ غیر معمولی اور حیرت انگیز طاقت وصلاحیت کتاب (لوح محفوظ) کے کچھ حصہ کا علم جاننے کے سبب تھی۔

واضح رہے کہ طہارت و پاکیزگی کے چند مراحل ہیں۔ جس قدر طہارت کامل تر ہوگی اسی اعتبار سے علم وقدرت میں بھی اضافہ ہوگا۔ جب ہمیں آیہ کریمہ (لا یمسہ إلا المطہرون) سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوح محفوظ کے حقایق کا علم خدا کی خاص طہارت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اور آیہ تطہیر نے اس خاص طہارت اور پاکیزگی کو اہل بیت علیہم السلام کے لئے ثابت کیا ہے، وہ بھی ایک ایسی تطہیر جو

۱۔سورہ نمل،۴۰

۲۔کچھ اردو اقوال بھی ہیں کہ تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تطہیر کے ہم پلہ ہے۔لہذا ان صفات کے پیش نظر بعید نہیں ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین (علیہم السلام) لوح محفوظ کے تمام حقائق کا علم رکھتے ہوں اس لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ثعلبی کہ جو اہل سنت۱ کے نزدیک تفسیر کے استاد نیز حافظ اور امام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور اہل سنت کے ائمہ رجال۲ کے مطابق جن کی روایتیں صحیح اور قابل اعتماد جانی جاتی ہیں، تفسیر ''الکشف و البیان''۳ میں اور حاکم حسکانی۴ تفسیر شواہد التنزیل۵ میں، ابوسعید خدری، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس جیسے چند اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ ''من عندہ علم الکتاب''سے مراد امیر المومنین علی، علیہ السلام ہیں۔

بلکہ ابو سعید خدری اور عبداللہ بن سلام سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ '' من عندہ علم

الکتاب''سے مراد کون ہے؟ جواب میں پیغمبر ﷺ نے علی علیہ السلام کو ''من عندہ الکتاب''کے مصداق کے طور پر پیش کیا۔ اسی مطلب کو (من عندہ علم الکتاب سے مراد علی علیہ السلام ہیں) سعید بن جبیر ،ابی صالح نیز محمد بن حنفیہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کئی طریقوں سے نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عطاء کہ جو امام باقر علیہ السلام کے ہمراہ تھے، جب انھوں نے عبداللہ بن سلام کے بیٹے کو دیکھا تو امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا: کیا یہ (عبداللہ بن سلام کا بیٹا) اس شخص کا بیٹا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا؟ حضرت نے فرمایا: نہیں،''من عندہ علم الکتاب''سے مراد (عبداللہ بن سلام نہیں ہے، بلکہ) امیر ا۔اہل سنت کے علم رجال کے جلیل القدر امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' ج۱۷، ص۴۳۵ میں ثعلبی کے بارے میں کہا ہے: ''الامام الحافظ العلامۃ شیخ التفسیر''، ۲۔ عبدالغافر نیشابوری کتاب ''تاریخ نیشاپوری'' ص۱۰۹ میں اس کے بارے میں کہتا ہے: الثقۃ الحافظ... و ہو صحیح النقل موثوق بہ، ۳۔ الکشف وا لبیان، ج۵، ص ۳۰۳۔ ۳۰۲، داراحیا التراث العربی، بیروت، ۴۔ذہبی کی عبادت کو ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس کے متقن، محکم اسناد کے عالی ہونے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ۵۔ ''شواہد التنزیل'' با تحقیق شیخ محمد باقر محمود، ج۱، ص۴۰۰ المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

اس کے علاوہ ابن شہر آشوب نے اپنی ''کتاب مناقب۲'' میں کہا ہے: ''محمد بن مسلم، ابوحمزہ ثمالی اور جابر بن یزید نے امام باقر (علیہ السلام) سے اسی طرح علی بن فضل، فضیل بن یسار اور ابو بصیر نے امام صادق (علیہ السلام) سے نیز احمد بن محمد حلبی اور محمد بن فضیل نے امام رضا (علیہ السلام) سے روایت نقل کی ہے اور اس کے علاوہ موسی بن جعفر (علیہ السلام)، زید بن علی، محمد بن حنفیہ، سلمان فارسی، ابوسعید خدری اور اسماعیل سدی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں خداوند متعال کے قول: (کل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب) کے بارے میں کہا ہے کہ: ''من عندہ علم الکتاب''سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں۔''

شیعہ احادیث میں مختلف طریقوں سے آیا ہے کہ ''من عندہ علم الکتاب''سے مراد امیرالمومنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمائیے: ثقۃ الاسلام کلینی نے اصول کافی[۳] میں معتبر سند سے بریدبن معاویہ سے کہ جو امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے روایت کی ہے انھوں نے حضرتؑ سے عرض کی: ''آیہ کریمہ (قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب)میں ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد کون ہے؟حضرتؑ نے فرمایا:اس سے صرف ہم اھل بیت معصومین(ع) کا قصد کیا گیا ہے اور علی (علیہ السلام) پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے مقدم اور ہم میں افضل ترین فرد ہیں۔

۱۔ ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس (شہر آشوب) کی صداقت کے بارے میں ابن ابی طما کی زبانی زہبی کی ستائش بیان کی ہے۔

۲۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج۲، ص۲۹، موسسہ انتشارات علامہ قم،

۳۔ اصول کافی، ج۱،ص۱۷۹

احادیث میں جس کے پاس کتاب کا علم ہے(علی بن ابیطالب علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین) اور جس کے پاس کتاب کا کچھ علم موجود ہے(آصف برخیا) کے درمیان دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے:

عن أبی عبد اللہ قال: ''الذي عندہ علم الکتاب'' ہو امیرالمؤمنین علیہ السلام و سئل عن الذي عندہ علم من الکتاب أعلم أم الذي عندہ علم الکتاب؟ فقال: ما کان علم الذي عندہ علم من الکتاب عند الذي عندہ علم الکتاب إلّا بقدر ما تأخذ البعوضۃ بجناحہا من ماء البحر۔

یعنی: امام صادق(علیہ السلام) نے فرمایا:

''جس کے پاس کتاب کا علم تھا علی بن ابیطالب(علیہ السلام) تھے۔ سوال کیا گیا: کیا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا یعنی آصف برخیا زیادہ عالم تھا یا وہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا (یعنی حضرت علی علیہ السلام)امام نے فرمایا:جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا،اس کا موازنہ اس شخص سے کہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا ایسا ہے جیسے مچھر کے بھیگے ہوئے پر کا موازنہ

سمندر سے کیا جائے۔''

یہ بحث وگفتگو اس بنا پر تھی کہ جب ''من عندہ علم الکتاب''میں ''کتاب''سے مراد لوح محفوظ ہو۔لیکن اگر ''الکتاب''سے مراد جنس کتاب ہو،اس بنا پر کہ ''الف ولام''،جنس کے لئے ہے اور کوئی خاص چیز مد نظر نہ ہوتو ہر کتاب اس میں شامل ہو سکتی ہے حتی لوح محفوظ بھی اس کے مصادیق میں سے ایک ہوگا،اس میں گزشتہ آسمانی کتابیں اور قرآن مجید سبھی شامل ہیں۔

۱۔ نورالثقلین،ج۴،ص۸۸۔۸۷

اس صورت میں بھی ''من عندہ علم الکتاب''سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہی ہوں گے کیونکہ حضرتؑ کا لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہ ہونا آیہ کریمہ ''لایمسہ الاّ المطھرون''کوآیہ تطہیر کے ساتھ ضمیمہ کرنے سے معلوم ہوجا تا ہے،اور حضرتؑ کا قرآن مجید کے تمام ابعاد سے واقف ہو نابہت سی دلیلوں من جملہ حدیث ثقلین۱کے ذریعہ ثابت ہے۔ اس لئے اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے اہل بیت (علیہم السلام)ہرگز قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور یہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن مجید کے تمام علوم سے آگاہی رکھنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر حضرت،قرآن مجید کے کسی پہلو کو نہیں جانتے ہیں تو گو یاوہ اس اعتبار سے قرآن مجید سے اتنا دور ہو گئے ہیں اور یہ حدیث میں بیان کئے گئے مطلب کے خلاف ہے۔

آسمانی کتابوں کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میںآیا ہے، من جملہ مندرجہ ذیل حدیث سے جوخود حضرت، سے نقل کی گئی ہے:

''لو ثنیت لي الوسادۃ لحکمت بین أہل التوراۃ بتوراتہم، و بین أہل الإنجیل بإنجیلہم، و بین أہل الزبور بزبورہم''۲

''اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے تو میں اہل توریت کے لئے توریت سے، اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل زبور کے لئے زبور سے فیصلہ کروں گا۔''

۱۔ سنن الترمذی،ج۵ص ۶۲۲ مسند احمد،ج۳،ص۹۵،۲۶،۱۷،۴اوج۵،ص۱۸۹۔ ۸۸ اخصائص امیرالمؤمنین علی نسائی ص ۸۵۔۸۴

۲۔فرائد السمطین،ج۱،ص۳۴۱۔۳۳۳۔شواہد التنزیل ج۱،ص۳۶۶،ح۳۸۴

منابع کی فہرست

(الف)

۱۔القرآن الکریم

۲۔ الاتقان،سیوطی،۹۱۱ ھ،دار ابن کثیر، بیروت، لبنان.

۳۔ احقاق الحق، قاضی سید نوراللہ تستری، شہادت۱۰۱۹ ھ

۴۔ احکام القرآن، جصاص،ت۳۷۰ ھ، دارالکتاب العربی، بیروت.

۵۔ احکام القرآن، ابوبکر ابن العربی المعافري، ت۵۴۶ ھ

۶۔ اربعین، محمد بن ابی الفوارس، مخطوط کتابخانہ آستان قدس، رقم۸۴۴۳

۷۔ ارجح المطالب، عبداللہ الحنفي، ت۱۳۸۱ ھ، طبع لاہور (بہ نقل احقاق الحق.(

۸۔ ارشاد العقل السلیم، ابو السعود، ت۹۵۱ ھ، داراحیاء التراث العربی،بیروت، لبنان.

۹۔ اسباب النزول،و احدی النیسابوری، ت۴۶۸ھ، دارالکتاب العلمیۃ، بیروت، لبنان.

۱۰۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن اثیر،ت۶۳۰ھ داراحیاء التراث العر بی،بیروت،لبنان

۱۱۔ الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، احمد بن علی، ابن حجر عسقلانی،ت۸۵۲ھ، دارالفکر.

۱۲۔ اضواء البیان،شنقیطی،ت۳۹۳ ھ، عالم الکتب، بیروت.

۱۳۔اعیان الشیعۃ، سیدمحسن الامین، ت حدود۱۳۷۲ھ،دارالتعارف للمطبوعات، بیروت.

۱۴۔ الامامۃ و السیاسۃ، ابن قتیبۃ دینوری، ت۲۷۶ھ، منشورات الشریف الرضی،قم.

۱۵۔انساب الاشراف،احمد بن یحیی بلاذری،ت۲۷۹ ھ،دارالفکر.

۱۶۔ایضاح المکنون، اسماعیل باشا،ت۴۶۳ ھ، دارالفکر.

(ب)

۱۷۔ بحار الانوار، محمد باقر مجلسی، ت۱۱۱۱ھ مؤسسۃ الوفاء، بیروت.

۱۸۔ بحر العلوم، نصر بن محمد سمرقندی، ت۳۷۵ھ، دارالکتب العلمیۃ،بیروت.

۱۹۔ البحر المحیط، ابوحیان اندلسی، ت۷۵۴ ھ،المکتبۃ التجاریۃ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ.

۲۰۔ البدایۃ و النہایۃ، ابن کثیر الدمشقی،ت۷۷۴ھ،دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

۲۱۔ البرہان، سید ہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ھ، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان.

۲۲۔ البہجۃ المرضیۃ، سیوطی،ت۹۱۱ھ، مکتب المفید

(ت)

۲۳۔ التاج الجامع للاصول، منصور علی ناصف، ت۱۳۷۱ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

۲۴۔ تاج الفردوس، محمد مرتضی حسینی زبیدی، ت۱۲۵۰ھ، دار الهدایة للطباعة والنشر و التوزیع، دارمکتبة الحیاة، بیروت

۲۵۔ تاریخ الاسلام، شمس الدین ذهبی، ت۷۴۸ھ، دارالکتاب العربی.

۲۶۔ تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، ت۴۶۳ھ، دارالفکر.

۲۷۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ت۳۱۰ھ، مؤسسة عزالدین للطباعة والنشر، بیروت، لبنان.

۲۸۔ تاریخ مدینة دمشق، ابن عساکر، ت۵۷۱ھ، دارالفکر، بیروت.

۲۹۔ تاریخ نیسابور، عبدالغافر نیشابوری، ت۵۲۹ھ.

۳۰۔ تذکرة الحفاظ، ذهبی، ت۷۴۸ھ، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

۳۱۔ تذکرة الخواص، سبط بن جوزی ت۶۵۴ھ، چاپ نجف.

۳۲۔التسهیل لعلوم التنزیل، ابن جزی الکلبی، ت۲۹۲ھ، دارالکتاب العربی، بیروت.

۳۳۔ تفسیر ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی، ت۳۲۷ھ، المکتبة المصریة، بیروت.

۳۴۔ تفسیر البیضاوی، قاضی بیضاوی، ت۷۹۱ھ.

۳۵۔ تفسیر الخازن (لباب التأویل)، علاء الدین بغدادی، ت۷۲۵ھ، دارالفکر.

۳۶۔ تفسیر علی بن ابراهیم قمی، متوفی اواخر قرن سوم ه، مطبعه نجف.

۳۷۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ت۷۷۴ھ، دارالمعرفة، بیروت.

۳۸۔ التفسیر الکبیر، فخر رازی، ت۶۰۶ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان.

۳۹۔ تفسیر الماوردی، محمد بن حبیب ماوردی بصری، متوفی۴۵۰ھ، دارالمعرفۃ، بیروت.

۴۰۔ تفسیر النفی (مدارک التنزیل وحقائق التأویل) حاشیہ تفسیر خازن، عبداللہ النفی،ت۷۱۰ھ، دارالفکر.

۴۱۔ تفسیر المنار، رشید رضا،ت۱۳۵۴ھ، دارالمعرفۃ، بیروت.

۴۲۔ تلخیص المستدرک، ذہبی، ت۷۴۸ھ،دارالمعرفۃ، بیروت.

۴۳۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عقلانی، ت۸۵۲ھ، دارالفکر.

۴۴۔تہذیب الکمال، مزّی، ت۷۴۲ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت.

(ج)

۴۵۔جامع الاحادیث، سیوطی،ت۹۱۱ھ، دارالفکر.

۴۶۔جامع البیان، محمد بن جریر طبری، ت۳۱۰ھ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان.

۴۷۔جامع احکام القرآن، قرطبی، ت۶۷۱ھ،دارالفکر.

۴۸۔ الجامع الصحیح الترمذی، محمد بن عیسی ت۲۷۹ھ، دارالفکر.

۴۹۔جمع الجوامع، سیوطی، ت۹۱۱ھ.

۵۰۔جمہرۃ اللغۃ،ابن درید،ت۳۲۱ھ

۵۱۔الجواہر الحسان ابوزید الثعالبی ت۸۷۶ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

۵۲۔ جواہر العقدین، سمہودی، ت۹۱۱ھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

(ح)

۵۳۔الحاوی للفتاوی سیوطی، ت۹۱۱ھ، مکتبۃ القدس قاہرۃ(بہ نقل احقاق الحق.(

۵۴۔حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی احمد خفاجی مصری حنفی، ت۱۰۶۹ھ،دار احیاء التراث العربی، بیروت.

۵۵۔حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، شیخ احمد الصاوی المالکی، ت۱۲۴۱ھ، دارالفکر.

۵۶۔حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ت۴۳۰ ھ، دارالفکر.

(خ)

۵۷۔ خصائص أمیرالمؤمنین علیہ السلام، احمد بن شعیب نسائی ت۳۰۳ھ، دارالکتاب العربی.

۵۸۔خصال، محمد بن علی بن بابویہ قمی(صدوق)، ت۳۸۱ھ، دفتر انتشارات اسلامی.

(س)

۵۹۔سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی ت۱۳۵۹ھ، انتشارات کتابخانہ محمودی.

۶۰۔السنن الکبری، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ت۴۵۸ھ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان.

۶۱۔السنن الکبری، نسائی، ت۳۰۳ ھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

۶۲۔سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ت۷۴۸ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان.

۶۳۔ السیرۃ النبویۃ و الآثار المحمدیۃ (حاشیۃ السیرۃ الحلویۃ)، سیدزینی دحلان، ت۱۳۰۴ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

۶۴۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام،ت۲۱۸ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

(ش)

۶۵۔شرح التجرید، قوشجی، ت۸۷۹ ھ.

۶۶۔شرح السۃ، بغوی، ت۵۱۰ ھ، المکتب الاسلامی، بیروت.

۶۷۔ شرح المقاصد، تفتازانی، ت۷۹۳ھ،منشورات الشریت الرضی.

۶۸۔شرح المواقف،جرجانی،ت۸۱۲ ھ، منشورات الشریف الرضی.

۶۹۔ شرح التنزیل، حاکم حسکانی، ت اواخر القرن الخامس، مؤسسة الطبع و النشر.

(ص)

۷۱۔صحاح اللغة، جوہری، ت۳۹۳ ھ.

۷۲۔صحیح ابن حبان، محمد بن حبان بستی، ت۳۵۴ھ، مؤسسة الرسالة.

۷۳۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، ت۲۵۶ھ، دارالقلم، بیروت، لبنان۔دارالمعرفة، بیروت،لبنان.

۷۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج نیشابوری، ت۲۶۱ھ، مؤسسة عز الدین للطباعة و النشر، بیروت، لبنان.

۷۵۔ الصلاة و البشر،فیروز آبادی ،ت۸۱۷ھ ہجری دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان۔

۷۶۔الصواعق المحرقة، ابن حجر ہیتمی،ت۹۵۴ ھ،مکتبة القاہرة.

(ط)

۷۷۔ الطبقات الکبری، ابن سعد، ت۲۳۰ھ،داربیروت للطباعة والنشر.

۷۸۔ الطرائف، علی بن موسی بن طاووس،ت۶۶۲ھ، مطبعة الخیام،قم.

(ع)

۷۹۔العمدة، ابن بطریق، ت۵۳۳ ھ، مؤسسة النشرالاسلامی.

۸۰۔عوالم العلوم، سید ہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ھ، مؤسسة الامام المہدی علیہ السلام.

۸۱۔عیون خبارالرضا، صدوق، ت۳۸۱ ھ.

(غ)

۸۲ـ غاية المرام، سید ہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ھ.

۸۳ـ غرائب القرآن، نیشابوری ت۸۵۰ھ، دارالکتب العلمیة بیروت.

۸۴ـ فتح الباری، ابن حجر العقلانی، ت۸۵۲ھ.

۸۵ـ فتح القدیر، شوکانی، ت۱۲۵۰ھ، دارالکتاب العلمیة بیروت لبنان.

۸۶ـ فرائد السمطین، ابراھیم بن محمد بن جوینی، ت۷۲۲ھ، مؤسسة المحمودی للطباعة والنشر، بیروت.

۸۷ـ الفصول المهمة، ابن صباغ مالکی، ت۸۵۵ھ.

۸۸ـ فضائل الصحابة، سمعانی، ت۵۶۲ھ.

(ق)

۸۹ـ القاموس المحیط، فیروزآبادی، ت۸۱۷ھ، دارالمعرفة، بیروت.

۹۰ـ قواعد فی علوم الحدیث، ظفر احمد تهانوی شافعی، تحقیق ابوالفتاح ابوغدة.

(ک)

۹۱ـ الکافی، کلینی، ت۳۲۹ھ، دارالکتب الاسلامیة.

۹۲ـ کتاب الثقات، ابن حبان، ت۳۵۴ھ، مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت.

۹۳ـ کتاب العین، خلیل بن احمد فراهیدی، ت۱۷۵ھ، مؤسسة دارالهجرة.

۹۴ـ الکشاف، زمخشری، ت۵۸۳ھ، دارالکتاب العربی، بیروت.

۹۵ـ الکشف و البیان، ثعلبی نیسابوری، ت۴۲۷ یا ۴۳۷ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

۹۶ـ کفایة الطالب، محمد بن یوسف گنجی شافعی، ت۶۵۸ھ، داراحیاء تراث أهل البیت.

نهضت ترجمه

۹۷۔ کمال الدین، محمد بن علی بن بابویہ، ت۳۸۱؁ ھ.

۹۸۔ کنز العمال، متقی ہندی، ت ۹۷۵؁ ھ، مؤسسة الرسالة، بیروت.

(ل)

۹۹۔ اللباب فی علوم الکتاب، عمر بن علی بن عادل الدمشقی الحنبلی، متوفی بعد ۸۸۰؁ ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت.

۱۰۰۔ لسان العرب، ابن منظور، ت۷۱۱؁ ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

(م)

۱۰۱۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابوبکر الشیرازی، ت۴۰۷؁ ھ.

۱۰۲۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابو نعیم اصفہانی، ت۴۳۰؁ ھ (بہ نقل احقاق)

۱۰۳۔ المتفق و المتفرق خطیب بغدادی، ت۴۶۳؁ ھ (بہ واسطہ کنزالعمال)

۱۰۴۔ مجمع البحرین، طریحی، ت۱۰۸۵؁ ھ، دفتر نشر فرہنگ اسلامی.

۱۰۵۔ مجمع البیان، طبرسی، ت۵۶۰؁ ھ، دارالمعرفة، بیروت.

۱۰۶۔ مجمع الزوائد، ہیثمی، ت۸۰۷؁ ھ، دارالکتاب العربی۔ دارالفکر، بیروت.

۱۰۷۔ المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشابوری، ت۴۰۵؁ ھ، دارالمعرفة، بیروت.

۱۰۸۔ مسند ابی داوود طیالسی، ت۲۰۴؁ ھ، دارالکتاب اللبنانی.

۱۰۹۔ مسند ابی یعلی موصلی، ت۳۰۷؁ ھ.

۱۱۰۔ مسند احمد، احمد بن حنبل، ت۲۴۱؁ ھ، دار صادر، بیروت۔ دارالفکر.

۱۱۱۔ مسند اسحاق بن راہویہ، ت۲۳۸؁ ھ، مکتبة الایمان، مدینة المنورة.

۱۱۲- مسند عبد بن حمید، ت۲۴۹ھ، عالم الکتب.

۱۱۳- مشکل الآثار، طحاوی، ت۳۲۱ھ، ط مجلس دائرة المعارف النظامیة بالهند.

۱۱۴- المصباح المنیر احمد فیومی، ت ۷۷۰ھ طبع مصطفی البابی الحلبی و اولاده بمصر.

۱۱۵- مصباح الهدایة، بهبهانی، ط سلمان فارسی، قم.

۱۱۶- المصنف، ابن ابی شیبة، ت۲۳۵ھ.

۱۱۷- مطالب السؤول ابن طلحة نصیبی شافعی، ت۶۵۲ھ.

۱۱۸- معالم التنزیل، بغوی، ت ۲۱۰ھ.

۱۱۹- المعجم الاوسط، طبرانی، ت۳۶۰ھ، مکتبة المعارف الریاض.

۱۲۰- المعجم الصغیر، طبرانی، ت۳۶۰ھ.

۱۲۱- المعجم الکبیر، طبرانی، ت۳۶۰ھ.

۱۲۲- المعجم المختص بالمحدثین، ذهبی، ت۷۴۸ھ، مکتبة الصدیق سعودی.

۱۲۳- معجم مقاییس اللغة، ابن فارس بن زکریا القزوینی الرازی، ت ۳۹۰ھ.

۱۲۴- معرفة علوم الحدیث، حاکم نیشابوری، ت۴۰۵ھ، دارالکتب العلمیة، بیروت.

۱۲۵- المعرفة والتاریخ، یعقوب بن سفیان بن بسوی، ت۲۷۷ھ.

۱۲۶- مغنی اللبیب، ابن هشام، ت۷۶۱ھ، دارالکتب العلمیة، بیروت.

۱۲۷- المفردات، راغب اصفهانی، ت۵۰۲ھ.

۱۲۸- مقتل الحسین، خوارزمی، ت۵۶۸ھ، مکتبة المفید.

۱۲۹۔المناقب،موفق بن احمد خوارزمی،ت۵۶۸ سنہ ہ.

۱۳۰۔مناقب ابن مغازلی شافعی،ت۴۸۳ سنہ ہ،المکتبۃ الاسلمۃ.

۱۳۱۔مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب،ت۵۸۸ سنہ ہ،ذوالقربی.

۱۳۲۔منتھی الارب عبدالرحیم بن عبدالکریم الھندی ت۱۲۵۷ سنہ ہ.

۱۳۳۔المیزان، محمد حسین طباطبائی، ت۱۴۰۲ سنہ ہ، دارالکتب الاسلامیۃ.

۱۳۴۔میزان الاعتدال، ذہبی، ت۷۴۸ سنہ ہ، دارالفکر.

(ن)

۱۳۵۔نہج البلاغہ.

۱۳۶۔نظم درر السمطین، محمد بن یوسف زرندی حنفی، ت ۷۵۰ سنہ ہ، مطبعۃ القذاء(بہ نقل احقاق.(

۱۳۷۔النہایۃ، ابن اثیر جزری، ت۶۰۶ سنہ ہ، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان.

۱۳۸۔نور الابصار، شبلنجی،ت۱۳۰۸ سنہ ہ،دارالفکر.

۱۳۹۔نورالثقلین، الھویزی،ت ۱۱۱۲ سنہ ہ، المطبعۃ العلمیۃ قم.

(ی)

۱۴۰۔ینابیع المودۃ، شیخ سلیمان حنفی قندوزی.